AMS Heritage Series

شباب کشمیر

محمد الدین فوق

شبابِ کشمیر

کشمیر میں عہد سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ کی تاریخ، اس دور
کے علماء مشائخ کا تذکرہ اور اس دور، کی علمی، ادبی سیاسی اور سماجی
سرگرمیوں کی مفصل سرگزشت

مصنف

محمد الدین فوق

تقدیم و ترجمہ عبارات و اشعار

محمد عباس شاد

ناشر

علی محمد اینڈ سنس، سری نگر، کشمیر

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب : شباب کشمیر

مصنف : محمد الدین فوق کشمیری

اشاعت : 2006

قیمت : 200/-

ناشر : علی محمد اینڈ سنس، سری نگر، کشمیر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
تقدیم	11	شاہی خان سے زین العابدین	33
دیباچہ	15	تخت نشینی کا ایک مصرع	34
پہلا باب	19	عہدوں کی تقسیم	34
مئورخین کشمیر کی فروگزاشتیں	19	تخت نشینی پر قیدیوں کی رہائی	34
بادشاہ کا سال پیدائش	20	بادشاہ کے رضاعی بھائی	35
بادشاہ کا اصل نام	21	ہندوؤں کی دلجوئی	36
بچپن اور تعلیم	21	سوکن کے جلاپے کا دلچسپ مقدمہ	36
امیر تیمور کا حملہ ہند	22	چوری کا انسداد	37
امیر تیمور اور کشمیر	23	مجرموں کو سزائیں	38
شاہی خان اور امیر تیمور	24	بادشاہ کے جشن ہائے سالگرہ	38
شاہی خان سمرقند میں	24	شفاخانے اور دوائیاں	39
شاہی خان کی مراجعت کشمیر میں	25	حرمت ماہ رمضان	39
سلطان سکندر کی وفات اور علیشاہ کی		زینہ جامہ	39
تخت نشینی	26	پولیس چوکیاں	40
شاہی خان منصب وزارت پر	26	تجارتی احکام	40
علی شاہ کی حج کو روانگی اور ارادہ کی		محصول تجارت معاف تھا	41
تنسیخ	27	حمالوں اور قلیوں کی بستی	41
دونوں بھائیوں کی باہمی کونریز جنگ	27	بڈشاہ کی دریائی سیاحتیں	42
دوسرا باب	32	چشمہ کوثر ناگ میں بڈشاہی کشتی	42
حصول سلطنت پر بھائی بھائی اور		کوثر ناگ پر ایک ہولناک واقعہ	43
باپ بیٹے میں جنگ	32	ہرمکھ گنگا کے چشمہ میں کشتی	44

عنوان	صفحہ نمبر
ڈل اور ولر کی سیر	44
تیسرا باب	46
بادشاہ کے فوجی کارنامے	46
اہل کشمیر کی فوجی سپرٹ	46
فرقہ چک کی تباہی	49
جنگ کاشغر و تبت	49
کشمیری افواج کا حملہ پنجاب پر	50
فیروز شاہی عہد نامہ کی تکمیل	53
بادشاہ کی وسعت سلطنت	54
مفتوحہ ممالک کے ساتھ بادشاہ کا سلوک	54
بڈشاہی افواج اور ممالک مفتوحہ کے خزانے	55
چوتھا باب	58
بڈشاہ کی پریشانیاں اور موت	58
بادشاہ کی بیگمات	58
بادشاہ کی اولاد	59
بادشاہ کے بھائی کی وفات	60
بادشاہ کی خیرات اپنے رضاعی بھائیوں کی موت پر	60
شاہزادوں کی باہمی خانہ جنگیاں	60
باپ بیٹے میں خونریز جنگ	61
باغیوں کے سروں کا بلند مینار	62
بادشاہ کے بڑے بیٹے کی بغاوت	62
سوپور میں جنگ عظیم	63
حاجی خان کی خلعت ولی عہدی	64
ولی عہد کی شراب نوشی	64
بادشاہ پر ان خانہ جنگیوں کا اثر	65
بادشاہ کو ہلاک کرنے کی کوشش	65
بادشاہ کا جانشین مقرر کرنے سے انکار	66
شاہزادوں کی منافقانہ صلح کا خاتمہ	67
قریب المرگ بادشاہ مسند شاہی پر	67
امرائے دربار کے حاجی خان سے عہد و پیمان	68
ادہم خان کی ہجرت کشمیر سے	68
بادشاہ کی وفات	69
بڈشاہ اور اکبر اعظم	71
پانچواں باب	75
بڈشاہ کے ہمعصر سلاطین	75
شاہان دہلی	75
شاہان دکن	75
شاہان گجرات	75
شاہان مالوہ	76

عنوان	صفحہ نمبر
شاہان بنگال و بہار	76
شاہان جونپور	76
شاہان سندھ	76
مملکت پنجاب	77
بادشاہ کشمیر کے تعلقات دیگر بادشاہوں کے ساتھ	77
گوالیار	77
خراسان	78
لاسہ	78
احمد آباد گجرات	78
سندھ	79
تخت دہلی	79
مکہ مصر اور روم	79
چھٹا باب	
بڈشاہ کا شوق تعمیرات	81
بڈشاہ کے تعمیری شوق کا ذکر تاریخوں میں	81
قدیم طرز عمارت	82
تعمیرات بڈشاہی	83
ڈل میں بڈشاہی عمارت	84
ڈل میں مصنوعی جزیرہ سونہ لنک	85
یہ جزیرہ عہد مغلیہ اور افاغنہ میں	85

عنوان	صفحہ نمبر
زین العابدین کے ہفت زینہ	86
زینہ کوٹ	86
زینہ کدل	87
زینہ بازار	87
زینہ پور	87
زینہ ڈب یا راجدھانی نوشہرہ	89
ولر میں زینہ لنک کی تعمیر	91
ایک بت خانہ کے آثار	92
زینہ لنک کی بنیاد و تعمیر	93
زینہ لنک کا قطعہ تاریخ	94
زینہ لنک کا طول و عرض	94
زینہ لنک کی موجودہ حالت	95
زینہ لنک یا خرم آباد	96
سوپور سے صفاپور تک طویل ستھو	96
زینہ لنک میں جشن عظیم	97
رنگ میں بھنگ	97
زینہ گیر کی رونق و آبادی	98
کشمیر میں گنے کی پیداوار	99
نہر زینہ گیر کا اجرا زینہ گیر میں	100
زینہ گیر کی آمدنی وقف تھی	100
باغ زینہ گیر و عمارت بڈشاہی کی تباہی	100
کشمیر میں پلوں کی تاریخ	104

عنوان	صفحہ نمبر
ہندو عہد قدیم کے پل	104
اسلامی عہد کا سب سے پہلا پل	105
بڈشاہ کا زینہ کدل	105
بڈشاہی ہفت پل	106
اندر کوٹ کی دوبارہ آبادی اور بڈشاہ کا شاندار محل	107
بڈشاہی عہد کی خانقاہیں اور مسجدیں	
جامع مسجد بارہ مولا	108
جامع مسجد سرینگر	109
خانقاہ شیخ العالم	110
خانقاہ فیض پناہ	110
خانقاہ سید برخوردار	111
خانقاہ سید مدنی	111
بیجبہاڑہ میں بڈشاہی عمارت	112
سوپور میں بادشاہی محل	112
وانتی پورہ میں باغ بڈشاہی	113
ساتواں باب	121
کشمیر کے سکے اور اوزان	121
کوڑیوں کا رواج	121
کشمیر میں سب سے پہلا سکہ	121
ہندو عہد قدیم کے سکے	122
سکوں کا وزن	122
سکوں کا تعلق لباس سے	123
کشمیر کے اسلامی سکوں کی عبارتیں	123
بڈشاہی سکوں کی قیمت عہد اکبری میں	124
زین العابدین کا جدید سکہ	125
بڈشاہی دار الضرب	126
بڈشاہی سکہ کی شکل وصورت	126
بڈشاہی اوزان اور پیمانے	126
آٹھواں باب	130
آبپاشی اجرائے انہار اور سڑکیں	130
بڈشاہ کی زرعی دلچسپیاں	130
لال کوہل	131
شاہ کوہل	133
شاہ کوہل اور حکومت ڈوگرہ	135
نالہ ماریا مہاسرت ندی	136
نہر زین گنگا	138
بڈشاہی سڑکیں	139
نواں باب	144
انتظام مالیہ وارزانئے اجناس	144
عہد قدیم کا طریق مالیہ	144
عہد بڈشاہی میں مالیہ کا طریق	144
شالی کا نرخ قدیم	145
سوا تین پیسہ کی خروار شالی	145

عنوان	صفحہ نمبر
قحط میں شالی کا نرخ 2 خروار	145
بڈشاہی زمانہ کا نرخ	145
انگور 1/2 1 پیسہ کا پانچ سیر	146
نمک کا بڈشاہی نرخ	146
نرخ نویسی کی ابتداء	146
قحط اور اس کا انسداد	147
﴿دسواں باب﴾	151
بڈشاہ اور ہندو	151
کشمیر کے قدیم مذاہب	151
ذوالچو کا واقعہ المناک	151
حملہ ذوالچو کے نتائج	152
بڈشاہ کا سلوک ہندوؤں کے ساتھ	153
مہاجر کشمیری پنڈتوں کی واپسی	154
نو مسلم کشمیری پنڈتوں کی شدھی	155
جزیہ کی موقوفی	156
ایک محب وطن کشمیری پنڈت	156
ہندو جوگیوں کے لئے جوگی لنگر	157
مندر شنکر اچارج کی مرمت	158
مندروں کیساتھ پاٹھ شالائیں	159
سنسکرت اور فارسی میل جول	159
کشمیری پنڈت اور فارسی	160
پنڈتوں کے دو فرقے	163

عنوان	صفحہ نمبر
بڈشاہ دربار کے پنڈت ارکان	164
گاؤ کشی بند اور ستی کا اجراء	164
ایک مسلمان درباری کو عبرتناک سزا	165
بادشاہ پابرہنہ ایک برہمن کے مکان پر	165
بڈشاہی اور امرناتھ کی یاترا	166
شارداتیرتھ اور بڈشاہ	167
مسجدیں پنڈت اور قشقہ	167
ہندوؤں کے لئے ہندو عدالتیں	168
شکار سے نفرت اور گوشت سے پرہیز	168
رفاہ عام دان اور دھرم تنبل	169
بڈشاہ ہندوؤں پر کیوں مہربان تھا	169
﴿گیارھواں باب﴾	176
علم موسیقی اور بڈشاہ	176
بڈشاہ کی موسیقی سے دلدادگی	176
کشمیر میں موسیقی کے مدارس	177
کشمیری آلات موسیقی	178
کشمیر کے سب راگی مسلمان ہیں	178
دربار بڈشاہی کے نامور موسیقی دان	178
بودی بٹ	179
ملا عود	179
ملا جمیل	179
سوم پنڈت	180

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
بادشاہ آلات موسیقی کا موجد تھا	180	دارالترجمہ اور دارالتصانیف	193
کشمیری مطرب دربار اکبری میں	180	علم وعلماء کی سرپرستی	193
موجودہ کشمیری موسیقی	181	ہندوؤں کے علوم کی اشاعت	194
بارھواں باب	185	مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے لئے	
کشمیری صنعت وحرفت بڈشاہی		بادشاہ کے تحائف	195
عہد میں	185	ایک کتاب کے لئے مکہ معظمہ کو ایک	
کشمیری صنعت کی ترقی کا دور	185	کاتب کی روانگی	195
بیرونی ارباب صنائع کشمیر میں	185	نوشہرہ میں بادشاہی دارالعلوم	196
اہل صنعت وحرفت کی اقسام	186	**چودھواں باب**	199
بڈشاہی صنعتی وظائف	186	بادشاہ کے عام اخلاق وعادات	199
غالیچہ سازی	186	مال غیر اور زن بیگانہ سے نفرت	199
ریشم کا کام	187	عتاب میں الطاف	199
کاغذ سازی اور جلد سازی	187	ملک گیری وپیش قدمی کا حامی نہ تھا	200
کاغذ سازی پر ایک شاعر کی		دشمنوں سے سلوک	201
طبع آزمائی	188	سادگی وانکساری	201
پیپر ماشی	188	خزانہ شاہی پبلک امانت تھا	201
کشمیری تلوار اور بندوق	189	بادشاہ کے ذاتی اخراجات	202
تفنگ کا رواج اور آتش بازی	190	بادشاہ کی بے تعصبی	202
تیرھواں باب	192	تبدیل لباس اور حالت رعایا	203
بادشاہ کی علمی سرگرمیاں	192	بادشاہ کا زہد واتقا	203
بادشاہ کئی زبانیں جانتا تھا	192	**پندرھواں باب**	206
بادشاہ ایک مصنف کی حیثیت سے	192	دربار بڈشاہی کے ارکان	206

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
بڈشاہ کس طرح بڈشاہ بنا	206	علامہ سید شمس الدین اندرابیؒ	229
رنجیت سنگھ اور اکبر کا ذکر	207	سید حسین قمی رضویؒ	231
ارکان بڈشاہی کی فہرست	208	بابا حاجی ادہمؒ	233
افسرالاطباء حکیم شری بٹ	209	حضرت سید محمد مدنیؒ	233
سید ناصر الدین	210	سید محمد عالی بلخیؒ	234
ملک مسعود ملک جلال	211	میر سید حسن و میر سید حسین منطقیؒ	234
﴿سولھواں باب﴾	214	سید جان باز ولیؒ	235
عہد بڈشاہی کے مؤرخ و شاعر	214	بابا زین الدینؒ	235
پنڈت زونراج	214	بابا عثمان گنائیؒ	237
سوم پنڈت	215	شیخ بہاؤالدین گنج بخشؒ	239
ملک الشعراء ملا احمد بڈشاہی	217	شیخ نورالدین ولیؒ	240
ملا نادری	220	میر سید محمد امین اویسیؒ	244
ملا محمد شاعر	221	مآخذ کتب	255
بادشاہ کی شاعری	222		
قاضی حمید	223		
﴿سترھواں باب﴾	225		
عہد بڈشاہی کے علماء و مشائخ	225		
علماء و مشائخ کی کثرت	225		
شیخ الاسلام مولانا کبیرؒ	227		
قاضی ملا جمال الدینؒ	227		
حافظ بغدادیؒ	229		
میر علی بخاریؒ	229		

شباب کشمیر

یعنی

کشمیر کے مشہور بے تعصّب اور دنیائے

اسلام کے بینظیر بادشاہ سلطان زین العابدین

عرف بڈشاہ کے عہد کی برکات وترقیات

عہد بڈشاہی کے علماء ومشائخ اور دربار

بڈشاہی کے ہندو مسلمان ارکان اور بڈشاہ

کی علم نوازی وانصاف پروری اور مساوات پرستی کے

مفصل ومکمل حالات

مرتب

محمد الدّین فوق

تقدیم

شباب کشمیر، کشمیر کے دور عروج کی ایک مستند تاریخ ہے جس کے مصنف جناب محمد الدین فوق کشمیر کی تاریخ پر ایک سند مانے جاتے ہیں، کیونکہ وہ اس کے علاوہ کئی سوصفحات پر مشتمل دو جلدوں میں کشمیر کی مکمل تاریخ بھی لکھ چکے ہیں۔

شباب کشمیر میں کشمیر کے معروف مسلم حکمران سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ کے دور کا تفصیلی تذکرہ ہے، مصنف بڈ شاہ کے عہد کو بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔اس کی تخت نشینی کے واقعات کے علاوہ فوجی کارنامے، مہمات اور ہمعصر سلاطین سے روابط و تعلقات اور فن تعمیر میں اس کی کوششیں اور فن تعمیر میں نادر طرز تعمیر کی بنیاد، علماء ومشائخ سے تعلقات الغرض اس عہد کی ہر علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، تمدنی اور اصول حکمرانی جیسی تمام سرگرمیوں کو اس چھوٹی سی کتاب میں سمولیا گیا ہے۔

ہندوستان، کشمیر اور دنیا کے جس جس خطہ میں مسلمانوں نے اپنی حکومتیں قائم کی ہیں وہاں انہوں نے سماج کی ترقی میں ہر ممکن کوشش صرف کی۔ وہ جہاں بھی گئے اپنے ساتھ علوم فنون اور صنعت وحرفت کو ساتھ لے آئے، انہوں نے دوسری اقوام سے ترقی اور خوشحالی کے سامان لینے پر کبھی عار محسوس نہیں کی، بڈ شاہ نے بھی اپنی ترقیات میں اسی اصول کو پیش نظر رکھا انہوں نے جس ملک اور خطہ کا دورہ کیا انہیں وہاں کی جو چیز پسند آئی اسے عوامی بھلائی کیلئے اختیار کر لیا۔ کسی بھی سیاسی نظام کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کی پالیسیوں کے نتیجہ میں ملک میں بسنے والی رعایا خوشحال اور مطمئن ہو، یہ خوبی ہمیں بڈ شاہ کے سارے دور حکومت میں نمایاں نظر آتی ہے۔

ایک دوسری بڑی خوبی جس کا ذکر یہاں از حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کامیاب سیاسی نظام وہ ہے جس میں مختلف النوع مذاہب، اقوام، قبائل اور نسلوں کے تضادات کم سے کم رہ جائیں اور اتحاد و

یگانگت زیادہ سے زیادہ پیدا ہو جائے معاشرے میں موجود تضادات کو ہوا دینے والا نظام کبھی بھی انسان دوست نہیں ہو سکتا، مسلمان بادشاہوں نے کشمیر اور ہندوستان میں ہمیشہ اس اصول کو پیش نظر رکھا۔ چنانچہ شہنشاہ محمد ظہیر الدّین بابر نے اپنے بیٹے محمد ہمایوں نصیر الدّین کو اپنی خفیہ نصیحت میں مندرجہ ذیل نصیحت لکھی تھی۔

”اے پسر! سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے۔ الحمد اللہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی۔ تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبیہ کو لوح دل سے دھوڈالو۔ اور عدل وانصاف کرنے میں ہر مذہب وملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے:

اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے۔ جو قوم یا ملت حکومت کی مطیع اور فرماں بردار رہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیئے جائیں عدل وانصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ ظلم وستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے۔

شیعہ وسنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد واتفاق سے کام کررہے ہیں اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو تا کہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ ومامون رہے۔ سرگزشت تیمور کو جو اتفاق واتحاد کا مالک تھا اپنی نظر کے سامنے رکھوتا کہ نظم ونسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو۔“

اسی طرح سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اپنے ایک فرمان میں لکھتے ہیں

”ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے یہ ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیمی مندروں کو گرایا جائے۔ ہماری اطلاع میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بعض حاکم بنارس اپنے گردونواح کے ہندوؤں پر ظلم وستم کرتے ہیں اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل دیتے ہیں اور ان برہموں کو جن کا تعلق پرانے مندروں سے ہے ان کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ

کوئی شخص ہندوؤں اور برہموں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کرے اور نہ ان پر کسی قسم کا ظلم کرے۔"

مسلمان بادشاہوں کی اسی بے تعصبی، مذہبی رواداری اور فرقہ واریت سے پاک پالیسی کا نتیجہ تھا کہ لارڈ ولیم بنٹنگ سابق گورنر مدراس اور وائسرائے ہند 1882ء میں کمپنی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"بہت سی باتوں میں اسلامی حکومتیں انگریزی راج سے کہیں بہتر تھیں۔ مسلمان اس ملک میں آباد ہو گئے جسے انہوں نے فتح کیا تھا وہ ہندوستانی باشندوں سے گھل مل گئے۔ ان میں شادی بیاہ کرنے لگے۔ مسلمانوں نے ہندوستانی قوموں کو ہر قسم کے حقوق دیئے فاتح اور مفتوح کے مذاق دلچسپی اور ہمدردی میں یکسانیت تھی۔ کوئی فرق نہ تھا بر خلاف اس کے انگریزی پالیسی اس کے برعکس ہے۔ اب سرد مہری، خود غرضی، بے پروائی ہے۔ جس میں ایک طرف حکومت کا آہنی پنجہ حکمراں ہے اور دوسری طرف ہر چیز پر اپنا قبضہ ہے اور ہندوستانیوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔

کشمیر کے مسلم حکمران سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ بھی ہمیشہ اس رواداری کی پالیسی پر گامزن رہے اور مصنف نے اس کی پالیسی کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے کہ زین العابدین مذہبی رواداری کی پالیسی کو اختیار کئے ہوئے تھا اس نے اپنے باپ اور بھائی کے عہد حکومت کی بے جا مذہبی سختی کے داغ کو مذہبی رواداری کے اصول سے مٹا دیا اور تمام رعایا کو مذہبی معاملات میں آزادی دی اور انہیں دوسرے مذاہب کو برداشت کرنے کی تلقین کی۔

اس سے قبل مؤرخین کشمیر کے ہاں بڈ شاہ کا دور حکمرانی ہمیشہ نظر انداز ہوتا رہا مصنف کو اس بات کا خوب اندازہ تھا انہوں نے ماضی میں مؤرخین کی روا رکھی گئی روش کے برعکس اس عہد کو خصوصی طور پر اپنی تاریخ نویسی کا ہدف بنایا اور خوب نبھایا۔ محمد الدین فوق مصنف کتاب نے تاریخ کشمیر پر لکھی جانے والی پرانی کتابوں کو زیادہ تر ماخذ بنایا ہے کیونکہ کشمیر ایک اہم خطہ ہے اس کی تاریخ فارسی، سنسکرت وغیرہ میں لکھی گئی تھی اس کتاب میں جا بجا فارسی کتب تاریخ کے حوالے اور عبارتیں آتی ہیں ویسے بھی مصنف جس دور میں تصنیف و تالیف سے وابستہ ہیں اس دور میں فارسی ادب

ہمارے ہاں اجنبی نہ تھا بلکہ ہمارے ہاں کا عام پڑھا لکھا طبقہ فارسی ادب سے اچھی خاصی دلچسپی اور لگاؤ رکھتا تھا لیکن آج جبکہ یہ کتاب دوبارہ اشاعت پذیر ہو رہی ہے تو ہمارے ہاں فارسی اور عربی ادبیات عنقاء ہوتے جا رہے ہیں خصوصاً جدید تعلیمی اداروں میں ان دونوں زبانوں سے جو شرمناک سلوک روا رکھا جا رہا ہے وہ یقیناً قابل افسوس ہے لہٰذا آج کا نیا قاری عربی فارسی الفاظ، محاورات اور تراکیب سے نا آشنا ہے اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ کتاب میں موجود فارسی عربی عبارات، محاوروں اور اشعار کا سلیس اردو ترجمہ پیش کر دیا جائے لہٰذا یہ کام کر دیا گیا ہے جس سے عام قاری کیلئے ایک سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ اس سنجیدہ علمی کتاب کی اشاعت پر عبیداللہ راؤ مبارکباد کے مستحق ہیں

محمد عباس شاد

لاہور

10-03-2003

دیباچہ

راقم الحروف نے 1910 میں مکمل تاریخ کشمیر تین جلدوں میں شائع کی۔ پہلی جلد جو قدیم راجگان ہند کے حالات میں ہے۔ پڑھو تو معلوم ہوگا کہ راجہ للتادتیہ ایک شجاع وفاتح راجہ گذرا ہے جس نے اپنی فتوحات اور جنگ جویانہ سپرٹ سے کشمیر کا نام سارے ہندوستان میں مشہور کر رکھا تھا۔ دوسری جلد میں مسلمان سلاطین اور مغل بادشاہوں اور افغان حکمرانوں کا ذکر ہے۔ ان میں مسلمان سلاطین کشمیری تھے۔ اور مغل اور افغان دہلی وکابل سے آ کر کشمیر پر قابض ہو گئے تھے۔ مسلمان سلاطین میں شہاب الدین اور سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ دو ایسے بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے ہندوستان بھر میں بلکہ بڈشاہ نے ہندوستان سے بھی باہر اپنی سطوت اور شوکت اور علمی فیاضیوں اور سیر چشمی کا سکہ بٹھا رکھا تھا۔

اُسی زمانے سے میرا ارادہ راجہ للتادتیہ اور بڈشاہ کے سوانح عمری چھاپنے کا ہے اور اگر صرف تصنیف وتالیف ہی کا کام ہوتا تو شاید اب تک دونوں تذکرے چھپ چکے ہوتے۔ لیکن ایک ہفتہ وار اخبار (کشمیری) اور ماہواری رسالے (طریقت) کی مصروفیتوں اور بعض اور چھوٹی بڑی تصانیف کے مشاغل اور دنیا کے دیگر دھندوں کی وجہ سے میں اپنے اس مقصد میں جلد کامیاب نہ ہو سکا۔

''تاریخ حریت اسلام'' کی تصنیف 1920ء کے بعد) میں نے سب سے پہلے بڈشاہ کے حالات فراہم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ کشمیر میں میرے قیام کا بہت سا وقت سرینگر کی پبلک لائبریری میں خرچ ہوتا۔ یا اپنے اُن احباب کے پاس جن کے پاس قلمی وغیرہ مطبوعہ تذکروں، بیاضوں، اور تاریخوں کا مجھے پتہ ملتا۔

1924ء میں مجھے صوفی غلام محی الدّین صاحب ایم۔ اے سابق رجسٹرار دہلی یونیورسٹی کشمیر میں ملے۔ ان دنوں وہ اپنی کتاب Islamic culture in kashmir

(اسلامی تمدن کشمیر میں) لکھ رہے تھے۔اور اس مطلب کے لئے کتابوں اور تاریخیں جمع کر رہے تھے۔"تذکرہ بڈشاہ" کا ان سے بھی ذکر ہوا۔وہ خود اس جلیل القدر بادشاہ کے مفصل حالات کے متلاشی تھے۔جب کشمیر سے واپس لاہور تشریف لائے تو از راہ علم نوازی پھر مجھے ملے۔میں خود اس معاملہ میں کم مایہ و تہدست تھا۔تاہم میرے پاس مطبوعہ و غیر مطبوعہ جو کچھ تھا وہ ملاحظہ فرماتے رہے۔

ان کی کتاب چھپ چکی ہے جس میں انہوں نے بڈشاہ کے حالات کئی سالوں کی مسلسل تحقیق و تفتیش کے بعد تفصیل سے لکھے ہیں۔اس کتاب نے میری تحریک و تمنا کو اور بھی تقویت دی۔میں "بڈشاہ" کے متعلق ہر سال اپنی معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا یہاں تک کہ 1928ء کے سفر کشمیر میں باوجود اپنی علالت اور باوجود اپنی اہلیہ کی طویل بیماری کی پریشانیوں کے میں نے توکلت علی اللہ اپنے منتشر مسودّوں کو جولائی 1928ء میں کتاب کی صورت میں ترتیب دینا شروع کر دیا

"تذکرہ بڈشاہ کا نام میں نے "شباب کشمیر" رکھا ہے۔اور بڈشاہ کے زمانہ میں کشمیر کو جو عروج و اقبال حاصل تھا اسکے رو سے یہ نام غیر موزوں نہیں ہے۔

یہ کتاب اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ دنیا کو اور بالخصوص ہندوستان کو معلوم ہو کہ یہ ملک کبھی اخلاق و ادب اور علم و فضل کی کان تھا۔حق گوئی و حریت اسکی عادت ثانیہ تھی۔اور اسلام اپنے تمام زیر نگین ممالک پر اگر کشمیر کو فوقیت نہ دیتا تھا تو بڈشاہ کی مسالمت و رواداری اور علماء مشائخ کی قدردانی کی وجہ سے کسی اور ملک سے اس کو کم بھی نہ سمجھتا تھا۔

یہ کتاب کشمیر کی مٹی ہوئی شان و شوکت اور اس کے گم شدہ عروج و اقبال کی ایک ولولہ انگیز کیفیت اور روشن تصویر ہے۔آج جبکہ وفور علم اور کثرت مطالعہ اور تہذیب جدید نے انسانی ترقیات کو فلک چہارم تک پہنچا دیا ہے۔صرف ایک چیز ہے جو عنقا نظر آ رہی ہے وہ اخلاص و اتحاد اور باہمی اعتماد و اعتبار ہے۔یہ کتاب بتائے گی کہ کشمیر کے ایک مسلمان بادشاہ کے زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد و اعتماد بھائی بھائی کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔اور ہندوؤں کو وہ مراعات و عنایات حاصل تھیں جو ان کو ہندو راجہ کی حکومت میں کبھی حاصل نہ ہو سکتی تھیں جب لوگ علمی و صنعتی وظائف اور دار التصانیف دار الترجمہ اور ہمدردئے نسواں

کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ خصوصاً کوئی بادشاہ سرکاری طور پر ان باتوں پر توجہ بھی نہ کرتا تھا۔ اور پبلک کے خزانہ کو اپنی ذاتی ملک سمجھتا تھا۔ تو بڈشاہ ہی ایک ایسا بادشاہ تھا جس نے ہندوستان و سمرقند تک سے اہل علم وفن بلوائے۔ ان کی قدر کی۔ دارالترجمہ اور دارالتصانیف قائم کئے۔ اور ان میں ہندوؤں و مسلمانوں کو جگہ دی۔ اور ''زچہ وبچہ'' کی خبر گیری کے لئے قابل دائیوں کا انتظام کیا۔ اور شفاخانے اور دارالعلوم قائم کئے۔

یہ کتاب اسی ملک اور اسی قوم کی تہذیب وترقی کا مٹاہوا خاکہ ہے جس نے پنجاب وسندھ اور تبت وچین کے درودیوار سے کبھی اپنی شجاعت وبسالت کی شہادت دلوائی تھی۔

بڑا ظلم ہوتا اگر ایسے نیک دل نیک نام علم پرور بے تعصب بادشاہ کے حالات جس نے اپنی تمام رعایا کو اپنا گرویدہ کرلیا تھا۔ اور جس کے ساتھ غیر ممالک کے بادشاہ راہ ورابطہ پیدا کرنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس روشنی کے زمانہ میں بھی جبکہ پریسوں اور کتابوں نے علم کے دریا بہادیئے ہیں تاریکی اور اندھیرے میں رہتے اور ان سے کوئی استفادہ نہ اٹھایا جاتا۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد جو کشمیر کے سیاسی اقتدار اور کشمیر کی علمی عظمت کی زندہ تصویر ہے۔ اہل کشمیر کو غور کرنا ہوگا کہ سلف ایسے تھے تو کیوں تھے اور خلف ایسے نہیں تو کیوں نہیں ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخئ فرشتہ ہماری جناب میں

اور اگر اس کتاب کے مطالعہ نے کسی اہل وطن کے دل میں احساس۔ احساس میں حرکت۔ حرکت میں جوش اور جوش میں استقلال پیدا کردیا تو میں سمجھوں گا کہ میری سالہا سال کی محنت وعرق ریزی رائیگاں نہیں گئی۔

آخر میں ان کتابوں کی فہرست دیجاتی ہے جن کے مطالعہ اور جن کی مدد سے ''شباب کشمیر'' عالم وجود میں آیا ہے۔ ان میں قلمی وغیر مطبوعہ دونوں قسم کی کتابیں شامل ہیں۔ جن کے لئے میں مولوی سعادت صاحب مفتی میونسپل کمشنر المعروف ''مؤرخ کشمیر'' سری نگر کشمیر، مولوی قوام الدین صاحب مفتی خلف اکبر مولانا شریف الدّین صاحب مفتی

اعظم کشمیر، راجہ شیر علی خان صاحب جاگیر دار راجپور کشمیر اور پیر شمس الدین صاحب حیرت پاندانی سرینگر کا شکرگزار ہوں۔

بعض انگریزی تراجم کے لئے پنڈت گواشہ لعل صاحب بی اے مصنف شارٹ ہسٹری آف کشمیر اور میر محمّد نیاز صاحب جرنلسٹ (لاہور) کا بھی رہن منّت ہوں۔

محمد الدین فوق

لاہور

پہلا باب

عالم شہزادگی کی کیفیتیں

مؤرخین کشمیر کی فروگذاشتیں:

ہندوستان میں شاید خطہ کشمیر ہی کو یہ واحد فخر حاصل ہے کہ وہ اپنی آبادی کی ابتداء سے آج تک کی مسلسل تاریخ اپنے پاس رکھتا ہے' اس تاریخ میں قدیم راجاؤں اور مسلمان سلاطین اور ملک کے مشائخ وصلحاء کا بالتفصیل ذکر ہے۔ لیکن سب سے پہلے تاریخ نویس نے چونکہ تاریخ کی بنا نظم پر رکھی تھی۔ چنانچہ سنسکرت زبان میں کشمیر کی جو تاریخیں ہیں وہ سب نظم ہی میں ہیں۔ اس لئے سنسکرت کے بعد کشمیر کی کئی ایک فارسی تاریخیں بھی نظم ہی میں لکھی گئیں۔ یہاں تک بھی کوئی قباحت نہ تھی مگر زیادہ افسوس یہ ہے کہ کشمیر کے مؤرخین نے نہ قدیم راجاؤں نہ مسلمان بادشاہوں اور نہ صلحاء ومشائخ کے حالات میں ان کے سنین پیدائش وغیرہ کا خیال رکھا۔ بزرگان دین کے سوانحات میں تو زیادہ زور ''نقل است' روایت است' گفتندمی گویند'' (یعنی ''نقل ہے' روایت ہے' انھوں نے کہا' کہتے ہیں'') پر ہی دیا گیا ہے۔ اس بات کا مطلق لحاظ نہیں رکھا گیا کہ جو واقعہ ''نقل است'' کے ذریعہ وہ تحریر کر رہے ہیں' اس میں عقل است'' کی بھی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور گفتند اور می گویند'' کی تاریخی واقعات سے بھی تطبیق ہوسکتی ہے۔ یا نہیں۔ صلحاء ومشائخ کے تذکرہ نویسوں نے عقل وتاریخ سے شہادت لینے کی بجائے اظہار کرامات وخوارق عادات ہی کو اپنا مقدس فرض سمجھا ہے۔

مؤرخین کشمیر پر یہ ایک بدنما دھبہ ہے کہ بڈشاہ جیسے مشہور جلیل القدر اور بے تعصب بادشاہ کی جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں ہردلعزیز تھا۔ کشمیر کی کسی تاریخ میں اس کی تاریخ پیدائش تو کجا' سنہ پیدائش کا بھی ذکر نہیں۔

بادشاہ کا سال پیدائش:

تمام مئورخین نے بادشاہ کا سال وفات 879ھ لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ نے بہت بڑی عمر میں انتقال کیا۔ یہاں تک کہ اس کا ایک بیٹا خود بھی بڑی عمر کا تھا۔ باپ کی طویل زندگی کو اپنی تخت نشینی کے لئے سدِّ سکندری سمجھ کر اس کے قتل پر آمادہ ہوگیا۔ اور پھر تمام مئورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وفات کے وقت بادشاہ کی عمر سلطنت 52 سال اور عمر طبعی 69 سال تھی۔[1]

مئورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے ابتداء میں تعلیم بھی حاصل کی اور وہ سات سال تک شاہزادگی کے عالم میں سمرقند میں بھی رہا۔ البتہ ایک[2] مصنف نے لکھا ہے کہ وہ عین عنفوان شباب میں امیر تیمور کے ہمراہ سمرقند گیا۔

بعض مئورخین نے لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ (سلطان سکندر) کی حیات ہی میں کشمیر میں واپس آ گیا۔ اور بعض نے لکھا ہے جب اسے اپنے باپ کی موت اور بھائی کی تخت نشینی کی اطلاع ملی تو وہ اپنے وطن چلا یا آیا۔

ان تمام اختلافات وحالات پر غائیر نظیر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

"بہت بڑی عمر" کا معیار 69 سال نہیں ہوسکتا۔ کم سے کم اسی 80 نوے 90 سال تک "بڑی عمر" کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ پانچ چھ سال کی عمر میں بادشاہ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو اقل درجہ پانچ سات سال اُس کا عرصہ تعلیم بھی سمجھنا چاہیئے۔ پھر 801ھ بمطابق 1399ء میں حملہ تیموری کے بعد وہ سمرقند جاتا ہے۔ اس وقت اس کی عمر بارہ تیرہ سال سے کم کیا ہوگی۔ پھر سات سال وہ سمرقند میں رہتا ہے۔ اور 808ھ میں واپس آتا ہے۔ جبکہ اس کی عمر بیس اکیس سال کے قریب تھی۔ یہ بھی سب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ سمرقند میں بہت کچھ سیکھ کر آیا۔ اور صناعوں اور کاریگروں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لایا۔ یقیناً یہ باتیں دس بارہ سال کے بچہ سے ظہور میں نہیں آسکتیں۔ سمرقند سے واپسی یعنی 808ھ میں اس کی عمر کا کم سے کم اندازہ بیس سال ہی تصور کرنا پڑتا ہے۔ اس حساب سے وہ اپنے دادا سلطان

قطب الدین کے عہد میں 788 ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور اپنے باپ کی زندگی ہی میں سمرقند سے واپس آ گیا تھا۔

بادشاہ کا اصل نام کیا تھا:

بڈشاہ اپنے بھائی علی شاہ سے جس کا اصل نام میراں خان تھا، چھوٹا تھا۔ جب یہ پیدا ہوا تو باپ نے آثار سعادت و اقبال دیکھ کر نام شاہرخ [3] مرزا رکھا۔ کشمیر میں چونکہ اصل نام سے بہت کم لوگ مشہور ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی عرف ان کے اعمال یا ان کے خاندان یا ان کے مشکل نام کی وجہ سے جو زبان پر آسانی سے نہیں چڑھ سکتا، مشہور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اس کے اصل نام کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ اسی طرح شاہرخ کا نام اہل کشمیر نے شاہی خان پکارنا شروع کیا۔ اور شہزادگی کے زمانہ تک وہ اسی نام سے مشہور رہا۔ اور اب غالباً کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ اس کا نام شاہرخ تھا یا شاہی خان۔

بچپن اور تعلیم:

شاہی خان کے بچپن میں کوئی معمولی بات نہ تھی، محلات شاہی میں پیدا ہوا۔ وہیں پلا اور وہیں اس نے بچپن گذارا۔ اور اس کے بچپن کے صرف دو واقعات مختلف تاریخوں کی چھان بین کے بعد مل سکے ہیں۔ اور ان دونوں کا تعلق بھی مشائخ عظام کی ذات اقدس سے ہے۔

سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں سید حسین خوارزمی [4] ایک بہت بڑے بزرگ کشمیر میں رونق افروز تھے۔ سکندر ایک دن اپنے دونوں شہزادوں کو دعائے حصول دولت و برکت کے لئے سید ممدوح کے پاس لے گیا۔ چنانچہ آپ کی دعا سے دونوں شاہزادے سعادت دارین سے بہرہ ور ہوئے یعنی پہلے علیشاہ تخت پر بیٹھا اور اسکے بعد شاہی خان۔

شاہی خان اپنے بچپن کے زمانہ میں ایک مرتبہ شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں گیا۔ وہ اس کی خوشی تمیری و خوش کلامی سے بہت خوش ہوئے۔ نظر فیض اثر سے دیکھا اور فرمایا "(بحکم خدا) ترا پادشاہ دین و دنیا کردیم و گنج ہائے فراوان بتو بخشیدیم":

ترجمہ: ہم تجھ کو دین اور دنیا کا بادشاہ کر دیتے ہیں اور بہت بڑا خزانہ تم کو بخش دیتے ہیں"

شاہی خان کے آئندہ حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ واقعی بادشاہ دین ودنیای'' ہوکر'' گنج ہائے فراوان'' کا مالک بنا۔ اس دن سے شیخ بہاؤالدین گنج بخش'' کے نام سے مشہور ہوگئے۔

سکندر نے اپنے ہونہار فرزند کے لئے مولانا کبیر کو استاد مقرر کیا۔ چنانچہ علوم ظاہری کی تکمیل اس نے مولانا ہی سے حاصل کی۔ بادشاہ کو علوم دینی ودنیوی سے جو محبت تھی وہ سب مولانا ہی کی فیض صحبت کا نتیجہ تھی۔ شاہی خان نے بادشاہ ہوکر مولانا کو شیخ الاسلام کا عہد عطا کیا۔ اور ہرات سے جہاں وہ سکندر کے زمانہ ہی میں چلے گئے تھے۔ بڑی منتوں اور خواہشوں سے بلوایا۔

مولانا کبیر ہی کی تعلیم نے شاہی خان کو علم تفسیر، حدیث اور فقہ واصول سے باخبر کیا۔ اور بعد میں وہ اپنے ذاتی شوق مطالعہ سے ان علوم میں ماہر کامل ہوگیا۔

امیر تیمور کا حملہ ہند:

سلطان محمود تغلق دہلی کا اور سلطان سکندر کشمیر کا بادشاہ تھا۔ کہ تخت دہلی کی کمزوریوں کے حالات سن سن کر امیر تیمور[5] ۱۲ محرم 801ھ بمطابق 1398ء کو سمرقند وکابل عبور کر کے حدود پنجاب میں داخل ہوا۔ اور دہلی پہونچنے تک جو مقام اور جو گاؤں رستے میں آیا قتل عام کرتا اور لوگوں سے سامان خورد ونوش چھین کر گاؤں کو جلاتا اور خاک سیاہ کرتا گیا۔ دہلی پہنچ کر بھی پانچ دن تک وہ قتل عام کیا کہ ایک لاکھ سے زیادہ انسان موت کے گھاٹ اتر گئے۔ صرف پاک پٹن کہ اس زمانہ میں اس کو اجودین کہتے تھے۔ بابا فرید الدین شکر گنج کی زیارت کی وجہ سے جہاں امیر خود بھی حاضر ہوا تھا۔ اس کی تیغ وستم سے بچ رہا۔

تیمور دہلی میں تین ہفتہ سے زیادہ نہیں رہا۔ لیکن دہلی کی اُس نے اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہندوستان کے تمام راجہ اور بادشاہ اس کے نام سے کانپتے تھے۔ اور اس کا نام سن کر خود بخود طوق غلامی ومتابعت اپنے گلے میں ڈالتے تھے۔

شیخا گکھڑ اور جسرت گکھڑ دو بھائی خاندان تغلق کی کمزوریوں کی وجہ سے پنجاب

میں اپنا تسلط بٹھا رہے تھے۔ تیمور نے جسرت گکھڑ کو شکست دی۔ جب تیمور دلی میں قتل عام کر کے اور ایک لاکھ ہندی اپنے پنجہ قہر میں گرفتار کر کے واپس آیا تو اُس وقت جسرت گکھڑ کے بھائی شیخا گھکڑ قلعہ لاہور پر قابض تھا۔ تیمور نے اس کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ اور لاہور دیپال پور اور ملتان کی حکومت خضر خان کے سپرد کی۔ جو پہلے تو تیمور کے نام سے ہی حکومت کرتا رہا۔ اور بعد ازاں اپنا خطبہ وسکہّ جاری کر کے خاندان سادات کی حکومت کا بانی بنا۔

امیر تیمور اور کشمیر:

ترکستان وخراسان بلکہ تمام وسط ایشیا میں سکہ بٹھانے کے بعد امیر تیمور نے جب تسخیر ہند کا ارادہ کیا تو ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا۔ کشمیر میں اس وقت سکندر کی حکومت کو ابھی چار پانچ سال ہی گذرے تھے۔ اُس نے بھی اُسی دانشمندی سے کام لیا جو دوسرے والیان ملک تیمور کے مقابلہ میں ظاہر کر رہے تھے۔ چنانچہ جب تیمور اٹک کو عبور کر چکا تو سلطان نے اپنا ایک ایلچی تیمور کے پاس اظہار متابعت کے لئے بھیجا۔ تیمور سلطان کی حسن قابلیت سے بہت خوش ہوا۔ اور اس نے اپنے ایلچیوں کے ہمراہ دو زنجیر فیل ایک تمغہ شاہی اور ایک خلعت گران قدر سلطان کے پاس بھجوایا۔ سلطان نے اس کے جواب میں ایک وفد کے ہاتھ جس کے سرکردہ مولانا نورالدین تھے، بہت سے تحائف صاحبقران امیر تیمور کی خدمت میں بھیجے۔ اور اخلاص اور بندگی کا اظہار کر کے لکھا کہ جس مقام پر حکم ہو۔ ملاقات کے لئے حاضر ہوں اور امیر کے ایلچیوں کو زر خطیر اور علیحدہ علیحدہ خلعت دے کر بہ اعزاز واکرام رخصت کیا۔

ایلچیوں نے صاحبقرآن کے پاس واپس آ کر سلطان کے اخلاق حمیدہ بیان کئے صاحبقرآن بہت خوش ہوئے اور ایک خلعت زردوزی اور ایک بیش قیمت گھوڑا معہ ساز و ویراق مرصع بادشاہ کشمیر کو اظہار خوشنودی کے طور پر بھیجا۔ اور لکھا کہ جب " ما بدولت واقبال دہلی سے پنجاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔ تو آپ کو ملاقات کے لئے آنا لازمی ہو گا۔ جب تیمور دہلی سے واپس پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ تو سلطان سکندر بھی ملازمت شاہی سے مشرف ہونے کے لئے کشمیر سے باہر نکلا ابھی رستے ہی میں تھا کہ امرائے تیمور

کا پیغام ملا کہ سلطان کو مناسب ہے کہ صاحب قرآن کی شان کے مطابق نذرانہ لائے۔ اور کم سے کم تیس ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ اشرفی طلائی پیشکش میں ضرور ہو۔ سکندر نے اس پیغام سے پریشان ہو کر اپنے ایلچی تیمور کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجے کہ پیشکش بندگان حضرت کے لائق بہم نہیں پہنچ سکی۔ اسلئے چند روز توقف کے بعد حاضر ہوں گا۔ جب تیمور کو یہ علم ہوا۔ کہ میرے امراء وزرائے اس قسم کے لئے بے جا اور نا معقول احکام جاری کر کے سلطان کو متردّد کر دیا ہے تو وہ ان پر بہت ناراض ہوا۔ اور سخت چشم نمائی کی۔ چنانچہ تیمور نے سکندر کے ایلچیوں کی بہت خاطر تواضع کی۔ اور کہا کہ سلطان کو مطلع کر دو کہ نذرانہ اور پیشکش کا کوئی تردد نہ کرے اور بہ اطمینان تمام دریائے اٹک کے کنارے پر حاضر رہے۔

ایلچیوں نے جب سلطان تیمور کے خیالات کا اظہار کیا۔ تو وہ بہت محظوظ ہوا۔ اور سامان سفر درست کر کے پھر پنجاب کی سمت روانہ ہوا۔ ابھی بارہ مُولا ہی پہنچا تھا کہ سلطان کو تیمور کے اٹک سے پار ہو جانے کی خبر ملی۔

شاہی خان اور امیر تیمور:

سلطان سکندر نے تیمور کے جانے کی خبر سن کر اپنا ارادہ تو فسخ کر دیا اور اپنے دوسرے بیٹے شاہی خان کو تمام تحائف وہدایا دے کر تیمور کے پاس بھیجا۔ خواجہ [۶] بدیع اللہ بانڈے جو لاہور کا رئیس تھا۔ وہ بھی شاہی خان کے ساتھ ہو گیا۔ گھکھی خان اور حاتم [۷] خان دونو مسلم راجپوت کہ دونوں حقیقی بھائی تھے وہ بھی اسی سفر میں اس کے ساتھ تھے۔

شاہی خان آندھی اور بگولے کی طرح دوڑا۔ امر تیمور کو رستے ہی میں جا ملا۔ وہ سلطان کی وعدہ وفائی اور شاہی خان کی سعادت مندی سے بہت خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ میرے ساتھ سمر قند میں چلو۔ یہ واقعہ اخیر رجب 801ھ یا مئی، جون 1399ء کا ہے۔

شاہی خان سمر قند میں:

شاہی خان کبھی کشمیر سے باہر نہ نکلا تھا۔ اور نہ ناز ونعمت کے پروردہ نے ایسا دشوار گذار اور طویل سفر کبھی اختیار کیا تھا۔ اس کے وطن کی ایک جماعت چونکہ اس کے ساتھ تھی اسلئے اس کی دل بستگی رہتی تھی۔ گھکھی خان اور حاتم خان نے ایام سمر قند میں شاہی خان کی

خدمات بہ آئین شائستہ ادا کیں۔ شاہزادہ نے خوش ہو کر ایک سند ان کو اس قسم کی لکھ دی کہ اگر خدا نے مجھے بادشاہی عطا کی یا کشمیر میں مراجعت نصیب ہوئی تو تم دونوں بھائیوں کو عطائے جاگیر سے سرفراز کیا جائے گا۔

چنانچہ شاہی خان نے اپنی بادشاہی کے زمانہ میں علاقہ کھاورہ میں ان کو جاگیر عطا کر کے اپنا وعدہ پورا کیا۔

شاہی خان کی عمر بہت زیادہ نہ تھی۔ ابھی عنفوان شباب کا عالم تھا اور ہر چند بعض مئورخین کے قول کے مطابق وہ سمرقند میں بطور یرغمال رہائش رکھتا تھا تاہم گرد و پیش کے حالات سے وہ بے خبر نہ تھا۔ سمرقند اور ترکستان میں تمام ایسے حالات کو جو اس کے اپنے وطن کے لئے مفید تھے وہ بہ نظر غاید دیکھتا تھا۔

اس نے دیکھا کہ اس کے ملک میں صناعؤ پیشہ وروں اور کاریگروں کی بہت کمی تھی ان سے میل جول رکھتا۔ ان کو بلاتا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ اسی طرح سمرقندی علماء ومشائخ سے اس نے علوم دینیہ حاصل کیے۔

شاہی خان کی واپسی کشمیر میں:

شاہی خان سات سال تک کشمیر میں رہا۔ اس نے امیر تیمور سے کئی مرتبہ مراجعت وطن کی اجازت طلب کی۔ لیکن تیمور اس شاہزادہ پر بہت مہربان تھا۔ اس کو اس نے اپنی زندگی میں کبھی واپسی کی اجازت نہ دی۔ شاہی خان شاہزادہ تھا۔ وہاں بھی شاہزادوں کی طرح رہا۔ تیمور نے اس نوعمر شاہزادے اور اس کے ہمرائیوں کے آرام کے لئے ہر قسم کا سامان ضرورت سے زیادہ ان کو عنایت کیا۔ شاہزادہ کو وہاں کوئی تکلیف نہ تھی۔ لیکن مہجوریٔ وطن کا ایک ایسا آزار تھا کہ اس کو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا تھا۔

آخر جب ۱۷ شعبان 807ھ کو چہارم شنبہ کے دن امیر تیمور کا انتقال ہو گیا تو شاہی خان کو واپسی وطن کی اُمیدیں ہونے لگیں۔ چنانچہ وہ اوائل 808ھ میں کشمیر پہنچ گیا۔ سلطان سکندر اس کا باپ زندہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو لڑکپن کی عمر میں دیکھا تھا۔ جوان دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ دھوم دھام سے استقبال کر کے محلات شاہی میں لایا۔

سلطان سکندر کی وفات اور علیشاہ کی تخت نشینی:

تپ محرقہ جب مرض الموت بن کر سلطان سکندر کا دامن گیر ہوا۔ تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں میر خان شاہی خان اور محمد خان کو بلوایا۔ اتفاق واتحاد کی نصائح کیں۔ پسر کلان میر خان کو خلعت ولی عہدی عطا کیا۔ اور باقی دونوں کو اس کی متابعت کا حکم دیکر آپ 22 محرم 820ھ بمطابق 1417ء کو اس جہاں فانی سے رخصت ہو گیا۔ ملک سیف الدین جو سکندر کے زمانہ میں سلطنت کا مختار جز وکل تھا۔ بدستور میر خان کا جس نے اپنا نام بادشاہ ہو کر علی شاہ رکھا تھا۔ وزیر بنا رہا۔ شاہی خان اور محمد کو جگیرات عطا کی گئیں۔ پانچ سال کے بعد 825ھ میں ملک سیف الدین انتقال کر گیا۔

شاہی خان منصب وزارات پر:

علی شاہ نے منصب وزارت پر اپنے چھوٹے بھائی شاہی خان کو سرفراز کیا۔ اس وقت ملک کی یہ حالت تھی۔ کہ چاروں طرف ملک سیف الدین کے خوف وتشدد سے سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہندو تو بالخصوص سہمے ہوئے تھے اور کھلے بندوں پوجا پاٹ تک بھی نہ کر سکتے تھے۔

شاہی خان نے نہایت نازک حالت میں وزارت کا قلمدان اپنے ہاتھ میں لیا۔ حکمرانی کے جو طریقے سمرقند میں دیکھ آیا تھا۔ اور اسلام کی تعلیم نے اخلاق ومساوات کا جو سبق اُسے دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے ملک میں بھی رائج کرے اور اسلام اور مسلمانوں سے جو بدگمانی ماتحت قوم کو ہو رہی ہے۔ اس کو دور کر لے۔ اس نے بادشاہ سے کامل انتظامی اختیارات طلب کئے۔ جو اس نے عنایت کر دئے۔

شاہی خان نے تھوڑی ہی مدت میں عدل اور انصاف کا وہ سکہ بٹھا دیا کہ ہندو جو ہمیشہ مضطرب الحال رہتے تھے۔ امن وامان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ بادشاہ نے بھی محسوس کیا کہ اب میرے ملک میں کوئی بے چینی اور بدمزگی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ شاہی خان کو اپنا نائب السطنت بنا کر زیارت حرمین شرفین کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس وقت اس کی سلطنت کو چھ سال چھ ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا۔

علیشاہ کی حج کو روانگی اور جموں پہنچ کر ارادہ کی تنسیخ:

علیشاہ شاہی خان کو نائب السلطنت اور اپنے چھوٹے بھائی محمد خان کو اس کی فرمابرداری کے احکام دے کر جاہ وجلال اور دھوم دھام کے ساتھ حج کا ارادہ لئے ہوئے کشمیر سے باہر نکلا جب جموں پہنچا۔تو راجہ جموں جس کو مختلف نے مؤرخین[9] نے علیشاہ کا خسر لکھا ہے۔ترک جہانداری پر ملامت کی۔شہاب الدین[10] راجہ راجور بھی بادشاہ کے آنے کی خبر سن کر سلام وملاقات کو جموں آیا ہوا تھا۔اس نے بھی راجہ جموں کی تائید کی۔اور حج کے ارادہ سے باز رکھا۔سلطان بھی آخر انسان ہی تھا۔ان کی باتوں میں آ گیا۔اور پشیمان ہو کر بازگشت کا ارادہ کرنے لگا۔لیکن یہ خوف لحظہ بہ لحظہ غالب آ رہا تھا۔کہ ملک بھائی کے قبضہ میں ہے۔فوج سپاہ خزانہ سب اس کے پاس ہے میں تنہا بازگشت بھی کروں گا۔تو کونسا پہاڑ ڈھالونگا۔

راجہ جموں کو جب یہ خبر ہوئی۔تو اس نے اپنی تمام فوج اس کے سپرد کی۔بلکہ راجہ راجور نے بھی علیشاہ کو اپنی فوج سے بہت مدد دی۔اور نقد روپیہ بھی دونوں راجوں نے کافی تعداد میں دیا۔

دونوں بھائیوں کی باہمی خونریز جنگ:

شاہی خان کو جب راجگان راجوری وجموں کی اس ساز باز کا علم ہوا۔تو اس نے بھائی کی اس حالت پر جس سے وہ دین ودنیا دونوں سے محروم نظر آ رہا تھا۔بہت افسوس کیا۔لیکن اس نے اپنے ملک کے ماتحت راجگان کی فوجی مدد کے خوف سے دب کر ہاتھ میں آئی ہوئی سلطنت کا واپس دینا مناسب نہ سمجھا۔

چنانچہ جب اس نے یہ سنا کہ علیشاہ دو راجوں کی فوج لیکر براہ پھکلی (ہزارہ) کشمیر پر حملہ آور ہونے کی غرض سے آ رہا ہے۔تو وہ بھی مقابلہ کے لئے باہر نکلا۔لیکن یہ ابھی چونکہ نائب السلطنت تھا۔اور عوام پر بادشاہ کا رعب غالب تھا۔اس لئے اہل ملک نے اس کی خواہش کے مطابق اس کا ساتھ نہ دیا۔تاہم اوڑی کے مقام پر دونوں بھائی آمنے سامنے ہو گئے۔اس لڑائی میں ہر چند کشتوں کے پشتے لگ گئے۔مگر شاہی خان کی حکومت کا چونکہ ابھی استقلال نہ ہوا تھا۔اسلئے وہ ہزیمت اٹھا کر پنجاب کی طرف بھاگا[11]۔اور سیالکوٹ میں

پہنچ کر اس نے دم لیا۔

علیشاہ پھر کشمیر کا بادشاہ ہوگیا۔ مبارک سلامت کے شوروغل سے پہاڑ گونج اٹھے۔ راجہ جموں وراجور کے احسانات سے بادشاہ کی گردن جھکی جارہی تھی۔ کہ تین ماہ کے بعد شاہی خان جسرت گکھڑ سے جو نواح پنجاب میں بڑے عروج پر تھا۔ مدد لے کر کشمیر پر چڑھ آیا۔ دونوں بھائیوں میں پھر ایک سخت خونریز جنگ ہوئی مگر اس مرتبہ تقدیر شاہی خان کے سر پر چتر شاہی کا سایہ کر رہی تھی۔ اس لئے شاہی خان نے کامل فتح پائی۔ علی شاہ گرفتار[۱۲] ہو کر پھکلی [۱۳] میں نظر بند کیا گیا۔ اور اسی حالت نظر بندی میں وہ انتقال کر گیا۔[۱۴]

حوالہ جات

۱۔ خود راقم الحروف نے بھی مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم میں بڈ شاہ کی یہی عمر لکھی ہے۔

۲۔ صوفی غلام محی الدین صاحب مصنف اسلامک کلچران کشمیر (انگریزی)

۳۔ فتحیات کبرویہ غیر مطبوعہ صفحہ 319

۴۔ آپ کا مزار محلہ سنوارہ میں ہے۔

۵۔ پیدائش 736 ھ حملہ ہند کے وقت اس کی عمر 65 سال تھی۔ تاریخ وفات ۸۰۷ھ بابر اسکی چھٹی پشت میں تھا۔

۶۔ وجیز التواریخ غیر مطبوعہ

۷۔ راجگان کھکھ نوہتمال جو ضلع مظفر آباد کے علاقہ چکار تحصیل اوڑی میں ریاست کشمیر کے جاگیر دار ہیں۔ انہی دونوں بھائیوں کی اولاد ہیں۔ ان کے ہندوانہ نام کھکو وہاتھو تھے۔ مسلمان ہو کر انہوں نے اپنے نام کھکھی خان وحاتم خان رکھے۔ (از تاریخ حسن قلمی۔ جلد اول۔ صفحہ نمبر 118)

۸۔ از تذکرۃ العارفین۔ غیر مطبوعہ۔ سال تصنیف 1204 ھ بعد تیمور شاہ درانی و بہ نظامت کشمیر سردار جمعہ خان الکوزینی۔ مصنف مفتی صدر الدین وفائی دختر زادہ شیخ الاسلام ملا قوام الدین کاشمیری۔

۹۔ تاریخ فرشتہ۔ تاریخ نادری۔ تاریخ کشمیر پنڈت نرائن کول عاجز غیر مطبوعہ سال تصنیف 1122 ھ تاریخ اعظمی۔ وجیز التواریخ قلمی تاریخ پنڈت بیر برکا ہچرو قلمی وغیرہ۔

۱۰۔ از تذکرہ راجگان راجور مطبوعہ 1907ء صفحہ 63، 64۔ جہانگیر تزک میں لکھتا ہے۔ فیروز شاہ خلجی کے زمانے میں راجگان راجور مشرف بہ اسلام ہوئے مصنف راجگان راجور صفحہ 44 پر لکھتا ہے کہ راجہ صاحب سینہ اور اس کے بیٹے تیل سینہ

اور دیگر متعلقین نے برنانہ سلطان شہاب الدین غوری بہ طیب خاطر اسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ راجہ کا اسلامی نام شیر افگن خان اور اس کے بیٹے کا نام نور الدین خان رکھا گیا۔ صاحب تاریخ حسن راجگان راجور کے حالات میں لکھتے ہیں ''در عہد بڈ شاہ دین اسلام قبول کردہ مطیع صوبہ کشمیر شدہ بودند''۔ لیکن ہمارے خیال میں توزک جہانگیری یا راجگان راجور دونوں میں سے کسی ایک کی تحریر صحیح ہے۔

۱۱؎ از تذکرہ راجگان راجو۔ صفحہ نمبر 63'64

۱۲؎ دجیز التواریخ و دیگر تواریخ ہائے کشمیر

۱۳؎ سرکار پھکلی میں تین ولایتیں ہیں۔ بُنیر۔ سواد۔ باجور۔ میر سید علی ہمدانی کشمیر سے واپس اپنے وطن جاتے ہوئے اسی علاقے میں وفات پا گئے تھے۔ اور اپنی وصیت کے مطابق خطلان میں دفن ہوئے تھے۔ یہ علاقہ بڑا سرسبز اور گلریز ہے یہ تینوں ولایتیں جن کا نام سرکار پھکلی تھا۔ سلاطین کشمیر کے ماتحت تھیں۔ (از سیر المتاخیرین جلد اول درذکر سرکار پھکلی)

۱۴؎ صاحب سیر المتاخرین جلد اول و صاحب تاریخ فرشتہ جلد اول میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ جمادی الاول 823ھ میں پیش آیا اور اس وقت علیشاہ ٹھٹھہ (سندھ) سے واپس آ رہا تھا۔ جسرت گکھڑ اس کی قلیل جمعیت دیکھ کر پنجاب میں اس کا سدراہ ہوا۔ اور حرب و ضرب کے بعد اس نے علیشاہ کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اور غنیمت بیشمار حاصل کر کے مغرور و متکبر ہو گیا۔ اس زمانے میں خضر خان کا بیٹا مبارک شاہ دہلی کا بادشاہ اور ملک رجب بن سد ہومی نادری دیپال پور اور پنجاب کا گورنر تھا۔ کشمیر کی بیسوں تاریخیں جن میں غیر مطبوعہ کی کثرت ہے۔ سیر المتأخرین اور تاریخ فرشتہ کی تائید نہیں کرتیں۔ اور نہ علیشاہ کے حالات سے

ثابت ہوتا ہے کہ وہ نواح پنجاب میں کبھی جسرت کے ہاتھ میں گرفتار ہوا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ شاہی خان نے جسرت سے امداد لیکر جو حملہ علیشاہ پر کیا تھا۔ اس میں جسرت بھی شامل ہوا۔ چونکہ اسی لڑائی میں علیشاہ گرفتار ہو کر پھکلی میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اس لئے مؤرخین ہند نے اس خیال سے کہ شاہی خان کے ساتھ افواج جسرت ہی کی کثرت تھی۔ جسرت ہی کے ہاتھ میں علیشاہ کا گرفتار ہونا لکھ دیا۔

دوسرا باب

بادشاہ کی تخت نشینی

جشن وجلوس۔ملکی ومالی تغیر وتبدل طائفہ کوچکان کا استیصال۔بادشاہ کے نام میں تبدیلی۔ہندوؤں کی دلجوئی شفا خانے اور دوائیاں۔بادشاہ کے تجارتی احکام اور کسٹم چوکیاں وغیرہ۔

حصول سلطنت پر آپس میں جنگ:

جب جہانگیر کی تخت نشینی پر اس کے بیٹے خسرو نے بغاوت کی اور وہ آگرہ سے بھاگ کر لاہور کی طرف اپنی جمعیت بنانے اور باپ کا مقابلہ کرنے کے لئے بھاگ آیا۔اور بادشاہ نے اس کے تعاقب میں اپنے معتمد افسر بھیجے تو افسروں نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ اگر وہ بغیر لڑائی کے قابو نہ آئے۔تو کیا ارشاد ہے۔بادشاہ نے کہا۔معاملات سلطنت میں کوئی خویشاوندی نہیں ہے۔نرمی سے گرمی سے۔جس طرح وہ رام ہو سکے اُسے قابو کرو۔اور اگر دوران جنگ میں اس کی جان بھی چلی جائے تو اس کی کوئی باز پرس نہ ہوگی۔بلکہ وہ اپنے کیئے کی سزا پائے گا۔

معاملات سلطنت تو بڑی بات ہیں۔معمولی معمولی باتوں پر حقیقی بھائیوں اور باپ بیٹوں تک میں خون خرابے ہو جاتے ہیں۔لیکن بعض اموررات میں کوئی نہ کوئی حکمت الٰہی بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔مثلاً اگر خسرو تخت پر بیٹھ جاتا تو وہ اپنی عادات اپنے اخلاق اور اپنی اور اپنے ہم جلیسوں کی نالائقیوں کی وجہ سے حکومت کے قطعی نا قابل تھا۔ملک میں خانہ جنگیوں اور بغاوتوں کا بازار گرم ہو جاتا اور رعیت وراعی دونوں تباہ ہو جاتے۔

داراشکوہ اور اس کے بھائیوں کے قتل اور شاہجہاں کے قید کے واقعات واقعی بڑے دردناک ہیں اور اس لحاظ سے اورنگ زیب کی تصویر نہایت ہیبت ناک اور خونریز نظر آتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے۔

شربت سلطنت وجاہ چنان شرین است
کہ شہاں ازپئے آں خون برادر ریز ند

ترجمہ: سلطنت اور مرتبے کا شربت اتنا میٹھا ہے کہ بادشاہوں نے اس کے لئے بھائیوں کا خون بہایا ہے۔

لیکن کوئی نہیں جانتا کہ دارا شکوہ باجود شاہجہان کی ہر قسم کی امداد کے کسی لڑائی میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ ایک صوفی مزاج شہزادہ تھا۔ اور سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ اس کے دوسرے بھائی اخلاقی حیثیت سے تمام عیوب کے ملجاء ماویٰ تھے۔ اورنگ زیب گو سب سے۔ چھوٹا تھا۔ لیکن نواب سعد الدین خان وزیر شاہجہان نے اورنگ زیب کی شاہزادگی کے عالم ہی میں کہہ دیا تھا۔ کہ اورنگ زیب ہی اورنگ ہوتا نظر آتا ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ اس فرزانہ وزیر کی پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح نکلی۔

یہی حال شاہی خان اور علیشاہ کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے علیشاہ سے تمام رعایا ناراض تھی۔ شاہی خان نے وزیر ہو کر تمام رعایا کی دلجوئی کی۔ جب علیشاہ حج کو روانہ ہوا ہے اور جموں اور راجور کے راجاؤں نے اُسے بھائی کی طرف سے بدگمان اور ثواب حج سے محروم کر کے بھائی کے ساتھ جنگ کرنے بھیجا ہے تو شاہی خان نے اس بدگمانی کو اپنی ذلت وتحقیر کا باعث سمجھ کر جنگ کا مقابلہ جنگ سے کیا۔ ظاہر بین نگاہوں میں شاہی خان کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ لیکن کس کو خبر تھی کہ قدرت اس بدگمانی وسرکشی اور بڑے بھائی کی شکست ونظر بندی اور چھوٹے بھائی کی تخت نشینی وبادشاہی کے پردہ میں کشمیر کے انتہائی عروج کے اسباب پیدا کر رہی ہے۔

شاہی خان سے زین العابدین:

قدرت نے جس کو بطن مادری سے باہر آتے ہی شاہرخ بنا دیا تھا۔ عوام نے اس کو شاہی خان کا خطاب دیا۔ اور جب سید حسین خوارزمی جیسے عابد ومرتاض بزرگ کی قبولیت دعا کا وقت آیا۔ تو شاہی خان کا نام زین العابدین رکھا گیا۔ جو واقعی اپنے تزکیہ نفس اور اپنی عبادات وریاضت سے زین العابدین اور اپنی طویل حکومت ورعایا پروری اور ہر دلعزیزی

سے بڈ شاہ یعنی بادشاہ اعظم ثابت ہوا۔

تخت نشینی کا ایک مصرع:

بادشاہ نے تخت نشین ہونے کی خوشی میں عظیم پیمانہ پر ایک جشن کیا۔ اور شان وشوکت سے ایک جلوس نکلا۔ شاعروں نے جلوس وجشن۔ اور تخت نشینی پر قصید ے لکھے۔ تاریخیں بھی ہیں جو مقدر میں تھا۔ وہ انعام بھی لیا لیکن ایک تاریخ جس سے ایک اس کی مسند آرائی کا مادہ نکلتا ہے نہ صرف اس سے بادشاہ کی آئندہ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ بلکہ اس عام احساس کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ جو رعایا اس کے متعلق رکھتی تھی۔ یہ تاریخ ہے۔ ع

سایہ الطاف خدائے واہب

ترجمہ: مہربانیوں کا سایہ جو خدا نے عطا کیا۔

826ھ میں بادشاہ نے تخت کو قدموں کے نیچے اور تاج کو جو اس کا خاندانی اور پشتینی کلاہ تھا سر پر رکھا۔

عہدوں کی تقسیم:

بادشاہ نے اپنے بڑے بھائی علی شاہ کو جس کا وہ نائب السلطنت تھا۔ پھکلی میں نظر بند رکھا تھا۔ چھوٹا بھائی محمد خان زندہ موجود تھا۔ اس کو نائب السلطنت یعنی وزارت عظمیٰ کا عہدہ تفویض کیا۔ بلت رینہ اور احمد رینہ کو منصب سپہ سالاری عطا کیا۔ ملک مسعود ٹھاکرو اپنے بھائی کے ماتحت مدار المہامی کا عہدہ عنایت کیا۔ لیکن محکمہ عدالت وانصاف کا اعلیٰ عہدہ جس کا نام قاضی القضاۃ تھا۔ اس وقت تک اپنے ہاتھ میں رکھا۔ جب تک اُسے قاضی جمال الدین جیسا قابل جج نہ مل گیا۔

تخت نشینی پر قیدوں کی رہائی:

تخت نشینی پر بادشاہ کے کسی خاص اعلان کا پتہ نہیں ملتا۔ لیکن تخت کے بعد اس نے اپنی قابل تقلید رعایا پروری سے جو لازوال شہرت حاصل کی ہے۔ وہ ظاہر کر رہی ہے کہ بادشاہ کی نظروں میں سب مذاہب کی یکساں عزت تھی۔ اس کا طرز عمل ہی اس کے گفتار

وکردار کا مظہر ہے۔اس نے تخت نشین ہو کر نہ صرف اپنے بھائی کے زمانہ کے بلکہ سلاطین سابق کے عہد کے بھی تمام قیدی رہا کر کے زندان خانے بالکل سنسان کر دئے۔

بادشاہ کے رضاعی بھائی:

بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی جب نگاہ دور بین سے چاروں طرف دیکھا۔تو اسے نظر آیا کہ ملک میں فتنہ پردازوں کی ایک جماعت موجود ہے۔ جو اپنی ذاتی اغراض یعنی لوٹ مار کے لئے ملک میں شورش وسرکشی کے آثار پیدا کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے نہایت نرمی و ملائمیت اور کمال حکمت وتدبر سے خون کا ایک قطرہ بہانے کے بغیر اس جماعت کے کئی سرکردہ لوگوں کو وظائف وجاگیرات عطا کر کے یا تو اپنا فرمان بردار بنالیا ہے یا اپنی حکمت عملی سے کام لے کر ان کو ذلیل وخوار اور کمزور و بے جان کر دیا۔

لیکن کوچکان جو کئی پشتوں سے سلاطین کے کوکہ چل آتے تھے۔اور بادشاہ کے دودھ بھائی کہلاتے تھے۔اس قدر عروج پا چکے تھے کہ امورات سلطنت میں دخل انداز ہوتے تھے۔اور اپنے رسوخ کی وجہ سے بعض اوقات بادشاہوں کے احکام کو بھی پس پشت ڈال دیتے تھے۔ زین العابدین ان کا تسلط وتغلب نائب السلطنت ہونے ہی کے زمانہ سے دیکھ رہا تھا۔لیکن اب جبکہ وہ بادشاہ ہو گیا ہے۔اس نے ان کا رعب وداب اور اثر ورسوخ کم کرنا شروع کیا۔

بادشاہ کے دودھ بھائی اپنی یہ بے عزتی نہ دیکھ سکے۔انہوں نے بادشاہ کا مقابلہ کیا۔اور بادشاہی احکام بلکہ شاہی افواج کو تنگ کرنے لگے۔بادشاہ نے اپنی حکمت عملیوں سے ان میں پھوٹ ڈالی۔کئی ایک کو جاگیریں عطا کیں۔کئی ایک انعام واکرام کی وجہ سے جاسوسی کا کام دینے لگے۔آخر اس جماعت کے تین سرکردہ کسی نہ کسی طرح بادشاہ کے پاس نوشہرہ میں پہنچائے گئے۔بادشاہ نے ان کو اور ان کے چند ساتھیوں کو اس حکمت ودانائی اور حسن تدبیر سے قتل کرا دیا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔

فرقہ کوچگان کے باقی لوگ شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں سے باز آ کر بادشاہ کے دربار میں آئے۔اور معافی کے خواستگار ہوئے۔بادشاہ رحم والطاف کا مجسم نمونہ تھا اُسنے

سب کی جان بخشی کی۔

بادشاہ کو تخت نشین ہوتے ہی سب سے زیادہ زبردست طاقت جو اپنے مقابلہ کی نظر آئی۔وہ سلطان کے کوکوں کا غلبہ واقتدار تھا۔اب اس کے مٹ جانے اور رضاعی بھائیوں کے راہ راست اختیار کر لینے پر اس نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔

ہندوؤں کی دلجوئی:

زین العابدین کی تخت نشینی سے پیشتر ہی اس کے باپ اور بھائی کے زمانہ میں کشمیر کے کئی ہندو بعض جدید قوانین کی سختیوں کی تاب نہ لاکر یا تو اسلام قبول کر چکے تھے۔یا ترک وطن کر کے ملک سے باہر چلے گئے تھے۔جب زین العابدین خود تخت پر بیٹھا اور ملک کو سرکشوں اور باغیوں اور دودھ بھائیوں کے فتنہ وفساد سے پاک کر چکا۔تو اس نے رعایا کی آبادی وسرسبزی کی طرف توجہ کی۔سب سے پہلے اس نے ہندوؤں کی دلجوئی کی جواب کشمیر میں خال خال نظر آتے تھے۔اس نے ''لَا اِکْرَاہَ فِي الدین (ترجمہ دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں) کی تفسیر وتشریح کے لئے بڑے بڑے علماء سے گفتگو کی۔اور بتایا کہ میرے باپ اور بھائی کے زمانہ میں '' لَا اِکْرَاہَ فِي الدین '' کے خلاف عمل ہوتا رہا ہے۔انہوں نے غیر اقوام اور غیر ممالک میں اسلام کو ایک خوفناک مجسمہ بنا کر پیش کیا ہے۔حالانکہ اسلام ایک خوشنما قابل عمل اور آسانیاں پیدا کرنے والا مذہب ہے۔جو فطرت کے عین مطابق ہے۔

چنانچہ زین العابدین نے باپ اور بھائی کے عہد کے تمام قوانین وآئین جو غیر قوم کے لئے سوہان روح کا باعث تھے۔یک لخت موقوف کر دیئے۔جو لوگ ترک وطن کر چکے تھے۔ان کو واپس بلوایا۔ان کو بہت سی مراعات دیں۔اور ان کو اپنا بندہ بے دام بنالیا۔ان تمام مراعات واحسانات کا ذکر علیحدہ ایک باب میں کیا جائے گا۔

سوکن کے جلاپے کا ایک دلچسپ مقدمہ:

اس کی فراست میں بہت کچھ کتابوں میں لکھا ہے۔مسطور ہے کہ ہر ایسے کام کی تہ کو جس کے حل کرنے میں اکثر لوگ عاجز ہو جاتے تھے۔وہ بخوشی اسلوبی پہنچ

جاتا تھا۔ ایک شقی القلب عورت کا ذکر ہے اس کا اس نے سوکن کے جلاپے کی عداوت سے اندھی ہوکر اپنے صغرسن بچے کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر کے مشہور یہ کردیا۔ کہ اس کی سوتیلی ماں نے اس کو مارڈالا ہے۔ ماتحت عدالتوں سے ہوتے ہوتے یہ مقدمہ سلطان تک پہنچ گیا۔ اس نے ملزمہ کو خلوت میں طلب کیا۔ اور معافی کا وعدہ دیکر اصل حقیقت دریافت کرنی چاہی۔ لیکن وہ بدستور اس حرکت کے ارتکاب سے انکار کرتی رہی۔ آخر سلطان نے بہت کچھ سخت وسست کہنے کے بعد کہا کہ اگر تو سچی ہے اور بے گناہ ہے تو، کپڑے اتار کر تمام لوگوں کے سامنے برہنہ کھڑی ہوجا۔

اور اسی برہنگی کی حالت میں کوچہ وبازار سے ہوتی ہوئی اپنے گھر چلی جا۔ عورت نے شرم وحیا سے سرنیچا کرلیا۔ اور کہا ”نزد من مردن بہ از یں عمل است۔ بہ خون خود راضی شدم۔ ولیکن اختیار ایں عمل بخود قرار نمے توانم داد[1]“

ترجمہ: میرے نزدیک اس عمل سے مرجانا زیادہ بہتر ہے، میں اپنے خون پر راضی ہوں لیکن میں یہ عمل کرنے پر ہرگز تیار نہیں ہوسکتی“

سلطان نے اس کے بعد مدعیہ کو بلوایا۔ اور اسے بھی وہی کچھ کہا جو متہمہ عورت کو کہا تھا۔ مدعیہ نے برہنہ ہونے اور برہنگی کی حالت میں اپنے گھر تک جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ بلکہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے کپڑے اتارنے لگی۔ بادشاہ نے اس بے حیائی وبرہنگی سے اُسے منع کیا۔ اور کہا یہ کام تمہارا ہی ہے۔ تم نے اپنی سوکن پر محض عداوت کی وجہ سے تہمت لگا رکھی ہے۔ لیکن اس عورت نے پھر بھی انکار کیا۔ اس پر بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ اس کو تازیانے لگائے جائیں۔ چنانچہ اس نے اپنے مجرمہ ہونے کا اقبال کر کے اس دردناک قتل کی تمام کیفیت من وعن بیان کردی۔ اور آخر اپنے کیئے کی سزا پائی۔

چوری کا انسداد:

صاحب طبقات لکھتے ہیں۔ اس کے عہد میں جہاں کہیں چوری کا کوئی واقعہ ہوتا۔ مال واسباب کا نقصان اس موضع کے باشندوں سے وصول کرلیا جاتا ہے۔ اس طریق سے اس کے زمانہ میں چوری بالکل بند ہوگئی تھی۔

صاحب وجیز التواریخ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔اور لکھتے ہیں جہاں کہیں چوری کی خبر سنی جاتی۔شہر کے رئیس اور علاقہ کے کوتوال سے مال مسروقہ کی قیمت وصول کی جاتی۔اور یہ رقم جو اس زمانہ میں تاوان کے نام سے موسوم تھی۔اس شخص کو بہ اخذ رسید دی جاتی۔جس کا مال چوری ہو جاتا۔

مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم میں ان دونوں کی تصدیق کی گئی ہے۔اور لکھا ہے اس قسم کے قوانین اور اشتہارات سے چوری اس کے عہد میں بالکل عنقا ہوگئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات بادشاہ کے ذہن نشین ہوگئی تھی کہ گاؤں میں جو لوگ صاحب اثر ہوتے ہیں۔چوریاں انکے ایما سے ہوتی ہیں۔اور وہ ان میں حصہ دار ہوتے ہیں۔[2] اسی لئے اس نے چوروں کو سزا دینے کی بجائے گاؤں کے ذمہ دار لوگوں پر مال مسروقہ کی قیمت کا تاوان ڈال رکھا تھا۔

مجرموں کو سزائیں:

بادشاہ نے کسی کے قتل سے اپنے ہاتھ بہت کم آلودہ کئے ہیں۔محکمہ انصاف مدت تک اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔بلکہ سمجھنا چاہئے کہ وہ بادشاہی کے علاوہ عرصہ دراز تک جب تک اس نے قاضی جمال الدین کو عہدہ مفتاء اعلی مرحمت نہیں فرمایا۔چیف جج کے فرائض بھی خود ہی ادا کرتا تھا۔اس نے کسی کے قتل کا حکم دینے میں بڑی پس وپیش اور مقدمہ کے نشیب وفراز اور واقعہ کے صدق وکذب پر گھنٹوں غور کیا ہے۔اس کے عہد میں بڑی سے بڑی سزا یہ تھی کہ مجرموں کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کران سے سلسلہ تعمیرات میں مٹی اور پتھر کی ڈھلائی کا کام لیا جاتا تھا۔

بادشاہ کے جشن ہائے سالگرہ:

بادشاہ اپنی سالگرہ ہر سال مناتا تھا۔اس تقریب پر جشن بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔رات کو دریائے بہت (جہلم) کے کناروں پر اس آب وتاب سے جشن چراغاں کرتا تاکہ تمام شہر بقعہ نور بن جاتا۔مستحقین اپنے حقوق حاصل کرتے۔غرباء اور نادار لوگ خیرات کی مدد سے اپنا پیٹ پالیتے۔

شفاخانے اور دوائیاں:

شری بٹ پنڈت نہ صرف افسر الاطباء ہی تھا۔ بلکہ بادشاہ نے جو شفاخانے تیار کرائے تھے۔ جن میں مریضوں کو دوائیں مفت ملتی تھیں ۔ وہ سب بھی اُس کی نگرانی میں تھے۔ بادشاہ نے بہت سی طبی کتب بھی ہندی سنسکرت اور عربی وفارسی میں ترجمہ کرائیں۔

معلوم ہوتا ہے اس کی ہمدردی عورتوں کے ساتھ بھی تھی۔ سمرقند سے واپسی کے وقت دیگر ارباب صنائع کے ساتھ دائیوں کی ایک جماعت بھی اپنے ہمراہ لایا۔ جیسا کہ تاریخ اعظمی[3] میں مذکور ہے۔

جمعے از ارباب صنائع رامثل کاغذگر وصحاف وقالین باف وزین ساز وقابلہ ہا کہ وقت وضع حمل خدمت عورات بہ کنند۔ باخود بہ کشمیر آورد۔

ترجمہ: دستکاری کا کام کرنے والی ایک جماعت مثلاً کاغذ بنانے والے' کتابیں جلد کرنے والے قالین بنانے والے' زین بنانے والے' اور یہ دائیاں جو بچہ کی پیدائش کے وقت عورتوں کی خدمت کرتی ہیں۔ کو سلطان اپنے ساتھ کشمیر لایا تھا''

حرمت ماہ رمضان:

بڈشاہ کو اپنی انتہائی رحم دلی کی وجہ سے شکار سے نفرت تھی۔ بلکہ رمضان کا سارا مہینہ گوشت سے قطعی پرہیز کرتا تھا۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ حرمت ماہ رمضان کے لئے اور کیا کچھ نہ کرتا ہوگا۔ افطاری کا انتظام بادشاہ کی طرف سے کس اہتمام سے ہوتا ہوگا۔ اور نوشہرہ کی شاہی مسجد میں بادشاہ کس ذوق شوق سے تراویح کے لیے آتا ہوگا۔

زینہ جامہ:

بادشاہ نے اپنے عہد میں زینہ گیر کو آبادی وآبپاشی وباغات وایوانات کی کثرت سے نمونہ خلد بنا رکھا تھا۔ اُس زمانے میں یہاں پٹو سازوں کی بھی کثرت تھی۔ اور تمام کشمیر میں زینہ گیری پٹو سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ نے ایک کرتہ ایجاد کیا تھا جس کو زینہ[4] جامہ کہتے تھے۔ اور وہ عموماً اسی پٹو کا بنتا تھا[5]۔

کشمیر میں لباس کی تبدیلی 785ھ سے شروع ہوئی ہے۔ جبکہ امیر کبیر میر سید علی ہمدانی تیسری مرتبہ کشمیر آئے۔ اور سلطان قطب الدین کو کشمیر کے قدیم لباس جو تنگ اور چست ہوتا تھا۔ منع کیا۔ اور عرب کا لباس ایک لمبا کرتہ جس کو اب ہم پھرن کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ پہننے کا مشورہ دیا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کرتہ کس قسم کا تھا۔ جس کو زینہ جامہ کہتے تھے۔

پولیس چوکیاں:

کشمیر کی پہاڑیوں نے کشمیر کی وادیوں کو چاروں طرف سے محفوظ کر رکھنے میں بہت مدد کی ہے۔ لیکن ملک کی زیادہ حفاظت کے لئے کوہستانی دروں پر زمانہ قدیم ہی سے چوکیوں کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے۔ یہ چوکیاں عموماً قلعہ یا گڑھی کی صورت میں ہوتی تھیں جن میں فوج اور پولیس کی تعداد رہا کرتی تھی۔ جو اس بات کی ذمہ داری ہوتی کہ کوئی شخص بلا اجازت یا بلا پروانہ ملک سے باہر جاسکے نہ اندر آسکے۔ چنانچہ جب راجہ سسل کا قاتل اتیل پشیان ناد کی طرف سے جس کا موجودہ نام پشیان ہے۔ کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ تو ہور پورہ کی چوکی کے محافظوں نے اس کو گرفتار کرلیا۔

پولیس اور فوج کی ذمہ داریاں علیحدہ علیحدہ بھی تھیں۔ پولیس تو انتظام کو برقرار رکھتی اور پروانہ راہداری دیکھتی تھی۔ اور فوج پہاڑی شورہ پشتوں سے میدانی لوگوں کو محفوظ رکھتی تھی۔ قدیم ہندو زمانہ میں ان تمام سرحدی مقامات کے اختیارات ایک اعلیٰ سرکاری افسر کے سپرد ہوتے تھے۔ جسے دوارپتی یا اسی قسم کے کسی اور نام سے مخاطب کا جاتا تھا۔

اس طریق کار کا حوالہ عہد بڈشاہ کا نامور مؤرخ پنڈت زونراج نے بھی دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ پروانہ راہداری کے سلسلہ میں بڈشاہ کے زمانہ میں بھی اس کے سخت احکام کے باوجود عہد قدیم کا جبر و تشدد قائم تھا۔ اور پولیس لوگوں سے جبریہ رقمیں وصول کر کے ان کو ملک سے باہر جانے یا اندر آتے آنے کی اجازت دیتی تھی۔

تجارتی احکام:

سوداگروں کا قاعدہ تھا۔ کہ جو مال دیہات ومفصلات یا بیرون کشمیر سے

لایا کرتے تھے۔ اس کو گراں تر بیچنے کے لئے چھپا رکھتے۔ تجارت کے متعلق اسلام نے جو احکام دے رکھے ہیں۔ بادشاہ خود فقہ وحدیث کا عالم ہونے کی وجہ سے ان سب سے آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رسول خدا کا ارشاد ہے کہ جو شخص غلہ روک رکھے اور زیادہ تر گرانی کا منتظر رہے۔ وہ سخت گنہگار ہے۔ وہ اس حدیث سے بھی باخبر تھا کہ جو شخص غلہ لاکر بہ نرخ حال بیچتا ہے۔ اس کی روزی میں خدا برکت دیتا ہے۔ اور جو شخص گرانی کی خاطر غلے کو روکے رکھتا ہے وہ رضائے حق سے دور کر دیا جاتا ہے۔

اس لئے بادشاہ نے نہایت سختی سے سوداگروں کے نام احکام جاری کئے کہ جو شخص اپنا مال گراں بیچنے کے لئے پوشیدہ رکھتا ہے اور زیادہ منافع لگا کر فروخت کرتا ہے وہ سرکار کا مجرم ہے۔ کوئی شخص اپنا فروختنی مال پوشیدہ نہ رکھے۔ بلکہ بہت کم منافع پر فروخت کر دیا کرے۔[7]

محصول تجارت معاف تھا:

سٹین صاحب اپنے ترجمہ راج ترنگی میں ہندو عہد قدیم کی پولیس چوکیوں کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقع پر یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ پولیس کے فرائض میں تجارت کا محصول کرنا بھی داخل تھا۔ پھر ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ شور پور (موجودہ نام ہیر پورہ) ہر زمانہ میں محصول درآمد کی ایک زبردست چوکی رہی ہے۔ پنجاب سے کشمیر کے تجارتی تعلقات زیادہ تر اسی رستے قائم تھے۔[8] ان حولہ جات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ازمنہ ہنود میں تجارت پر محصول تھا۔ اور پولیس کے ذریعہ وصول کیا جاتا تھا۔ بڈشاہ کے زمانے میں اس محصول کا کوئی ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ اور صاحب وجیز التواریخ تو صاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ اس بڈشاہ کے زمانے میں تجارت پر کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اور غالباً اسی رعایت کی وجہ سے وہ سوداگروں کو مال گران نہ بیچنے اور بہت کم منافع لگانے کا احکام صادر کیا کرتا تھا۔

حمالوں اور قلیوں کی بستی:

انقلاب حکومت و مذہب کی وجہ سے ہیرہ پور کی چوکی کی پہلی شان قائم نہ رہی

تھی۔ زین العابدین ؒ نے اس تجارتی رستہ کی اہمیت کو دوبارہ قائم کر کے مسافروں کے لئے ایک لنگر خانہ جاری کیا۔ اور علاقہ البھیار (موجودہ نام بھمبر) سے حمال اور قلی لا کر یہاں آباد کئے۔ چنانچہ ہیر پورہ پشیان اور درّہ پیر پنجال کے قریب اب بھی پیشہ بھی ور حمال اور قلی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

بڈشاہ کی دریائی سیاحتیں:

بادشاہ بالعموم سیر و سیاحت میں رہتا۔ میدانی سیر کی طرح وہ دریائی تفریحات کا بھی عاشق تھا۔ اور بلند رفیع پہاڑوں پر بھی جہاں وسیع و عمیق چشمے ہوتے تھے۔ وہ کشتی کی سیر کیا کرتا تھا۔

سب سے پہلے ہم بتاتے ہیں کہ اس کے زمانے میں کشتیاں کس قسم کی اس ملک میں رائج تھیں۔ ایک قسم لرہ ناؤ کہلاتی تھی۔ اس کو آج کل کا ہاؤس بوٹ سمجھنا چاہیے۔ اس کا طول 30 سے 40 اور عرض چار سے پانچ گز ہوتا تھا۔ اس کشتی کے درمیان اس کی نوکدار سمت کی طرف جو سطح آب سے بہت اونچی رہتی تھی۔ ایک قد آدم آشیانہ یعنی سقف بنایا جاتا تھا۔ جس کو حکام سلاطین کے لئے سجایا جاتا تھا۔ اس کے ہر دو جانب چالیس پچاس ملاح بیٹھتے اور اس ہاؤس بوٹ کو اس طرح چلاتے ہیں کہ وہ پانی پر چلتا نہیں بلکہ دوڑتا نظر آتا۔ اس قسم کی کشتی دریا۔ ڈل۔ اور وُلر کے سوا اور کہیں استعمال نہ ہو سکتی تھی۔

کشتی کی دوسری قسم پرندہ کہلاتی تھی۔ اس کا طول بیس سے تیس گز اور عرض چار گز ہوتا۔ اس کی نوک پر ایک مربع بنگلہ تیار کا جاتا۔ جس میں حکام و سلاطین نشست فرماتے۔ لرہ ناوا اور پرندہ یہ دونوں قسم کی کشتیاں بادشاہ اور حکام کے لئے مخصوص تھیں۔

چشمہ کوثر ناگ میں بڈشاہی کشتی:

شوپیاں کے بلند پہاڑ پر یہ مشہور معروف چشمہ واقع ہے۔ اس کا دور تین چار میل تک بتایا جاتا ہے۔ اور شکل اس کی کف پا سے مشابہت رکھتی ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہاں وشن جی بیٹھے تھے۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے یہ چشمہ پھوٹ نکلا۔ اس کا پانی ہمیشہ نیلگوں رہتا ہے۔ اور اس کے عین درمیان برف کے ٹکڑے نظر آتے ہیں۔ اس کی

بلندی سطح سمندر سے 15530 فٹ بیان کی جاتی ہے۔

بادشاہ کی نیرنگئی فطرت اور نقاربائے قدرت کا عاشق تھا۔ اس قدرت بلند مقام پر پہنچتا اور مرغزار و چشمہ سار کے لطف اٹھاتا۔ کوثر ناگ میں سیر کرنے کے لئے اس نے جوپ صندل کی ایک خوشنما کشتی بنا رکھی تھی۔ جو ہمیشہ اس چشمہ پر رہا کرتی تھی۔ صاحب تاریخ حسن زینا ترنگنی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

مصنف زینہ ترنگنی می نگار۔ کہ سلطان زین العابدین در موسم تابستان برائے سیر و سیاحت وکسب ہوا بر کوہ کوثر قطع فرصت می کرد۔ واکثر اوقات درین کوثر ناگ بہ سوار ے سفینہ یکے از بندگان آن زماں کہ مربی او بود۔ ہمراہ گرفتہ در مطالع و مزالولہ تصانیف تصوف و بحث دقائق و نکات آن اوقات خود در سیر چشمہ معروف می داشت۔ (ترجمہ: زینہ ترنگنی کا مصنف لکھتا ہے کہ سلطان زین العابدین گرمی کے موسم میں سو سیر و سیاحت اور ہوا خوری کے لئے کوہ کوثر پر فرصت کے لمحات نکالتا تھا' اور اکثر اوقات کوثر ناگ چشمہ میں ایک کشتی پر سوار ہو جاتا، اپنے ساتھ اس زمانے کے ایک صوفی بزرگ کو لے لیتا' تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کرتا، اور ان اوقات میں تصوف کے نکات اور ان کی باریک بحثوں میں اپنے وقت کو مصروف رکھتا تھا بادشاہ کی علم دوستی کی انتہا یہ ہے کہ سیر و تفریح کے اوقات کو بھی مطالعہ و علمی مباحثہ میں صرف کرتا۔

کوثر ناگ پر ایک ہولناک واقعہ:

مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے'' میں ایک مرتبہ احباب کے ہمراہ اس چشمہ پر گیا۔ ایک ہمراہی نے اس میں نہانا شروع کیا۔ تھوڑا سا تیرنے کے بعد وہ باہر آیا ابھی اس کے پاؤں پانی کے اندر ہی تھے کہ اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ ہم اس کو کشاں کشاں ساحل پر لائے۔ دیکھا کہ ایک جانور نے جو دو گز لمبا سمت اسفل سے ایک گز اور سر کی جانب سے آٹھ گرہ چوڑا ہے اس کے دونوں پاؤں کو منہ میں ڈالا ہوا ہے''۔ ہر چند از سنگ چوب و تبر مضروب ساختیم۔ مؤثر نگشت'' (ترجمہ: اس کے باوجود کہ ہم نے پتھر کی لکڑی اس پر برسائی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا) یہاں تک کہ ہمارا رفیق زانو تک اس کے منہ میں چلا گیا۔ جب

ہم نے کوئی تدبیر اس سے چھٹکارے کی نہ پائی تو ہم نے اس کے سر پر لکڑیاں رکھ کر ان کو جلانا شروع کیا۔ جب آگ زیادہ بھڑکی تو بندوق توپ کی سی ایک آواز نکلی۔ وہ جانور ہمارے رفیق کو لئے ہوا میں اچھلا۔ اور دریا میں جا پڑا'' آن اجل رسیدہ طمعہ خودنمود'' (ترجمہ: اس کی مدت آئی اس نے اپنا لقمہ بنالیا۔) مصنف مزکورہ لکھتے ہیں۔ اس جانور کا پوست دانہ دار تھا۔ اور اس پر چوب و تبر کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

اس چشمہ کا پانی اپنے منبع سے نکل کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ جنوبی حصہ کا پانی دریائے چندر بھاگا (چناب) میں اور دوسرے حصہ کا پانی کشمیر کی طرف آ جاتا ہے۔ اور اس چشمہ کی گہرائی بحساب اوسط دو سو گز عمیق بتائی جاتی ہے۔

ہرمکھ گنگا میں بادشاہ کی دریائی سیر:

کوہ ہرمکھ کے دامن میں بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر قریب 1/2 میل لمبا اور ۲۵۰ گز چوڑا چشمہ ہے۔ کشمیر کے ہندو اسے ہردوار کے برابر مقدس خیال کرتے ہیں۔ ہر سال ماہ اگست میں یہاں میلہ ہوتا ہے۔ جس میں ہزاروں ہندو جمع ہوتے ہیں۔ دریائے گنگا کی طرح اس میں بھی مردوں کی سوختہ ہڈیاں یعنی پھول اڑائے جاتے ہیں۔ گرمیوں میں ایک دو مہینوں کے سوا یہاں بھی کوثر ناگ کی طرح ہمیشہ برف جمی رہتی ہے۔

اس وسیع عریض چشمہ کو گنگا بل بھی کہتے ہیں۔ بادشاہی کشتیاں یہاں بھی موجود رہتی تھیں۔ جب کبھی بادشاہ آتا اور ہرتا بستان میں ضرور آتا۔ تو وہ اس آسمانی تالاب میں جو قلعہ کوہ پر قدرت نے پیدا کر رکھا تھا۔ کشتیاں ڈالتا۔ اس کے قدیم مصاحب اس کے ہمراہ ہوتے۔ اور وہ سب دریائی تفریحات سے اپنے دلوں کو بہلاتے۔

ڈل اور وُلر کی سیر:

ڈل'' میں سونہ لنک'' اور وُلر'' میں زینہ لنک'' اس کی یادگاریں اب تک کسی نہ کسی صورت میں موجود چلی آتی ہیں۔ جب وہ دریا اور دریا سے ڈل اور وُلر کی طرف نکل جاتا تو اپنے'' لنکون'' میں اقامت گزین ہوتا۔ اور وہاں مختصر سے مصاحبوں کا جو اس کے ہمراہ ہوتے ایک چھوٹا سا دربار منعقد کرتا۔ اور کبھی امورات ملکی اور کبھی مذہبی نکات کی موشگافیوں میں اپنا وقت صرف کرتا۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

١۔ طبقات اکبری۔ صفحہ نمبر ۶۰۳۔

٢۔ یہ حقیقت آج بھی واقعات پر مبنی ہے۔ کشمیر کے دیہات میں اغوا چوریاں وغیرہ اکثر نمبرداروں چوکیداروں بلکہ بعض مقامات پر ذیلداروں تک کے ایماو علم سے ہوتی ہیں۔

٣۔ صفحہ نمبر 48 مطبوعہ لاہور

٤۔ تاریخ خواجہ اعظمی صفحہ نمبر 74

۵۔ صالحہ باجی بیگم سلطان محمد شاہ نے خانقاہ معلیٰ کی مرمت وتعمیر کے اختتام پر معماروں نجاروں اور مزدوروں کو پنجہرار کلہ پوش پٹو کے کا علاوہ زینہ گیری پٹو کے بارہ سوزینہ جامہ بھی انعام میں دئے تھے۔ تاریخ اعظمی صفحہ نمبر ۷۶

٦۔ اس کا قدیم نام شور پور ہے۔ راجہ اونتی درمن کے وزیر شورا سے نویں صدی عیسوی میں آباد کیا تھا۔ اکبر کے زمانہ میں اس کا نام ہور پور یا ہیرہ پور تھا۔ اب بھی یہی نام ہے۔

٧۔ طبقات اکبری مطبوعہ وجیز التواریخ غیر مطبوعہ۔

٨۔ ہیرہ پور ایک رفیع پہاڑی کا نام ہے۔ جو گجرات بھمبر تھنہ سے کشمیر کو جاتے ہوئے رستہ میں آتا ہے۔ یہ مقام شاہی سڑک کا مشہور پڑاؤ ہے۔

٩۔ راج ترنگنی مری در ترنگ نمبر ١٠ اشلوک نمبر ۴۰۸ بحوالہ اردو ترجمہ راج ترنگنی کلہن

تیسرا باب

بادشاہ کے فوجی کارنامے

''اہل کشمیر کی فوجی سپرٹ، فرقہ چک کی تباہی، جنگ کاشغر و تبت، پنجاب و دھلی پر حملے، فیروز شاہی عہد نامہ کی تکمیل، مفتوحہ ممالک کے ساتھ بادشاہ کا سلوک''

اہل کشمیر کی فوجی سپرٹ:

کشمیر کے راجگان قدیم میں اکثر راجے کشمیر ہی پر قناعت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ہندوستان میں بنگال اور ہندوستان سے باہر لنکا، اور چین افغانستان اور ترکستان تک مار کر تے تھے۔ اور کامیاب ہو کے واپس آتے تھے۔ راج [1] ترنگنی جو آج سے تقریباً آٹھ سو سال پیشتر کی تاریخ ہے۔ اس قسم کے جرأت آفرین واقعات سے لبریز ہے۔

کشمیر کے مسلمان مذہباً گو ان سے مختلف تھے۔ مگر نسلاً انہی لوگوں کی اولاد تھے۔ اور جو نہیں تھے۔ یعنی بیرون ممالک سے کشمیر میں آئے تھے۔ وہ کشمیری تمدن و معاشرت اختیار کر کے کشمیر ہی کو اپنا وطن قرار دے چکے تھے۔

مسلمان بادشاہوں میں سلطان شہاب الدّین کشمیر میں نامور بادشاہ گزرا ہے۔ اپنی فتوحات عظیمہ اور شجاعت بے نظیر کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہاب الدّین غوری کی غیور فاتح روح اس کے اندر تڑپ رہی ہے۔

کشمیر کی تاریخ میں عام اس سے کہ ہندوؤں نے لکھی ہیں، یا مسلمانوں نے اس کے شجاعانہ کارناموں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے ہزارہ، سورت، باجوڑ کو پامال کر کے یہ کابل تک جا پہنچا۔ وہاں سے بدخشان، نعمان، غزنی، غور، قندہار، ہرات کو فتح کرتا ہوا خراسا

ن اور ہاں سے مراجعت کر کے کوہ ہندوکش کے رستے کشمیر آ گیا۔ اس کی فوج اس کے کمانڈ راس کے سپہ سالار سب کشمیری ہی تھے۔ اور اگر اس کی ہمت و جرأت اور اس کے شوق ملک گیری و ملک بخشی کا ساتھ اس کی افواج بھی دیتیں اور وطن کی محبت ان کے اوپر غالب نہ آ جاتی تو معلوم نہیں وہ کہاں تک پہنچتا۔

تاریخ فرشتہ کا مصنف بھی اس کی فوجی سپرٹ کا اعتراف کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے" تاریخ فرشتہ جو جہانگیر کے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ اس کے حصہ دوم میں بذمرہ سلاطین کشمیر اس کا ذکر ہے۔ یہ بادشاہ نہایت شجاعت تھا۔ اس کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جس دن فتح نا منہ کسی مقام سے نہ آتا تھا۔ اس دن کو ایام عمر میں محسوب نہ کرتا تھا۔ اور کدورت کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہوتے تھے۔ یہ بادشاہ آب سندھ کے کنارے تک پہنچا۔ وہاں کے حاکم کو جام [2] کہتے تھے۔ اسے شکست دی کندھار اور غزنی تک اس کے نام سے لرزتے تھے باسپ [3] نگری کی راہ سے جو باش لقر [4] مشہور ہے۔ وہ پشاور میں گیا وہ مخالفوں کی جماعت کثیر کو قتل کر کے کوہ ہندوکش میں داخل ہوا۔

شہاب الدین نے کشمیر میں 761ھ 1360ء سے 780ھ 1378ء تک حکومت کی ہے۔ ہندوستان میں اس زمانہ میں فیروز شاہی تغلق کی حکومت تھی۔ [5]

شہاب الدین نے اس سے جنگ کی اور آخر 775ھ میں ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ جس کی رو سے سرہند سے کشمیر تک کا تمام علاقہ سلطان شہاب الدین کے قبضہ میں آیا۔ چنانچہ صاحب گلزار کشمیر [6] شہاب الدین کے حالات میں کابل و بدخشان کے تصرف و تسخیر تبت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں"

" ازاں جا متوجہ دہلی گردید۔ برلب دریائے ستلج۔ فیروز شاہ مملکت طراز ہندمحارب پیوست و فیروز شاہ چون سرپنجۂ نبرد آزمائی راقوت تقابل ندید۔ بہ مصالحت از کشمیر تا سرہند جنوب رویہ مملکت سلطان شہاب الدین مسلم شد"

(ترجمہ: اس کے بعد دھلی کی جانب بادشاہ متوجہ ہوا اور دریائے ستلج کے کنارے فیروز شاہ (سلطان بہترین مملکت ہندوستان) سے لڑائی ہوئی' فیروز شاہ چونکہ پنجہ آزمائی میں اپنے اندر طاقت نہیں رکھتا تھا' مصالحت کی۔ اور کشمیر سے سرہند تک جنوبی ہندوستان کی

حکومت سلطان شہاب الدین کی پکی ہوگئی۔) شہاب الدین کے بعد قطب الدین' پھر سکندر بت شکن اس کے وبعد علیشاہ اور زین العابدین بڈ شاہ یکے بعد دیگر ے تخت پر بیٹھے۔

یہ سب بہادری وشجاعت اور تلوار کے دھنی تھے۔ بلکہ بڈ شاہ کے پڑپوتے سلطان محمد شاہ کے عہد (893ھ) تک یہ جنگی روح اہل کشمیر میں موجود تھی۔ اوراس کا ثبوت تاریخ فرشتہ کے حوالے ہی سے جو معاملات کشمیر میں تاریخ رشیدی اور طبقات اکبری جیسی قدیم و مستند تاریخوں کا نچوڑ ہے۔ دیا جاتا ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے۔

محمد خاں حسن شاہ بادشاہ کشمیر کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے وقت 892ھ میں اس کی عمر صرف سات سال کی تھی۔ جب وہ مسند حکومت پر فائز ہوا۔ اس کا نام محمد خاں کی بجائے محمد شاہ رکھا گیا۔'' اور وزراء اور تمام وہ لوگ جن کے سپرد خزانے اور فراش خانے تھے۔ تخت نشینی کے دن طلائی ونقرئی ہتھیار۔ قیمتی لباس اور متاع نفیسہ اس کے سامنے لائے۔ وہ خورد سال بچہ سب کچھ بغور دیکھتا رہا۔ (نہ اس نے خزانوں کی طرف نظر کی نہ قیمتی ملبوسات پر توجہ کی۔ نہ دوسرے سامان تعیش پر نگاہ ڈالی) اس نے ان سب میں ایک کمان (اور بقول مورخین کشمیر تلوار) ہاتھ میں لے لی اور کہا یہ میرے پاس ہے تو ہر چیز میرے قبضہ میں ہے۔'' اہل دربار اس خورد سال بادشاہت کی ذہانت وزیر کی پُر آفرین اور جزاک اللہ کہتے تھے۔ اوراپنے مشاہدہ کواس کی بزرگی ومردانگی پر محمول کرتے تھے۔

کیا کسی اور ملک میں بھی بادشاہ کی ایسی شہادت موجود ہے۔ کہ سات سال کے بچے کو جب تخت حکومت نصیب ہوا ہو اور خزانے اور جواہرات اور عجائبات اور اصطبل خانے اور ملبوسات نفیس اس کے سامنے پیش کئے گئے ہوں۔ تو اس نے ان سب کو کھلونے سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو اور تلوار یا تیر کمان کو ہاتھ میں لے کر کہا ہو۔ کہ یہ میرے قبضہ میں ہیں تو بادشاہی کے تمام لوازمات بھی میرے ہی پاس سمجھنے چاہئیں۔

غرض بڈ شاہ میں بھی وہ تمام شاہانہ وشجاعانہ خصائل موجود تھے جو شہاب الدین اوراس کے بعد سلاطین میں تھے۔ جیسا کے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس نے سب سے پہلے فرقہ کو چکان یعنی اپنے دودھ بھائیوں کے فتنہ وفساد سے اپنے ملک کو پاک کیا۔

فرقہ چک کی تباہی:

اس کے بعد فرقہ چک کی طرف توجہ کی۔ جس کا رئیس پانڈو چک زینہ گیری کی شاہی عمارات کو اس لئے تباہ کر جاتا تھا۔ کہ بادشاہ کا قرب اس کی غارت گریوں میں رکاوٹیں ڈالتا تھا۔ جب پانڈو چک دروستان کی طرف بھاگ گیا۔ تو بادشاہ نے اس کا پورا تعاقب کیا۔ اور دروستان پر چڑھائی کر دی۔ اور حاکم دروستان کو یہ بھی لکھا کہ پانڈو چک کو تلاش کر کے مابدولت کے پاس جلد بھیج دو۔ ورنہ اس کے ساتھ اپنی تباہی کے لئے بھی تیار رہو۔ حاکم دروستان کی حقیقت میں حیثیت ہی کیا تھی۔ کہ وہ مقابلہ کرتا۔ اس نے فوراً تعمیل کی۔ پانڈو چک گرفتار ہو کر آیا۔ اور بادشاہ نے اس کو ہلاک کر کے ملک کو اس کے فتنہ وشر سے نجات دی۔

جنگ کاشغر و تبت:

تبت کلاں کے جس کو لداخ کہتے ہیں۔ اور تبت خورد جس کو اسکر دو کہتے ہیں۔ سلاطین کشمیر کے قبضہ میں تھے۔ لیکن علیشاہ کے زمانہ میں سلطان کاشغر نے ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور جب دونوں بھائی یعنی علیشاہ اور شاہی خان آپس میں لڑ رہے تھے۔ وہ ہر دو تبت پر قبضہ کرنے کے بعد کشمیر پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔

بادشاہ فرقہ اور کوچگان اور فرقہ چک کے فسادات مٹا کر اب ان ممالک کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے بھائی کے زمانہ میں اور ان کی باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے اس کے خاندان سے نکل گئے تھے۔ اس کو تبت کے نکل جانے ہی کا صدمہ کچھ کم نہ تھا۔ کہ بادشاہ کے حملہ کشمیر کی خبروں نے اسے اور بھی برآشفتہ کر دیا۔

بادشاہ کی دل آویز شخصیت اس کے افسروں بلکہ اس کے تمام رعایا پر مقناطیسی اثر رکھتی تھی۔ اور اس کے رعایا کا ہر فرد اس کے ہر دشمن کا مقابلہ کرنے اور ناموس وطن کی خاطر بخاک وخون غلطیدن" ہونے کے لئے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ اس نے امرا مملکت اور سرداران لشکر محمد ماگرے ملک مسعود ٹھاکر بلت رینہ احمد رینہ اور ترینہ وغیرہ کو جمع کیا۔ اور ان ترکتازان رستم نشان" کے مشورہ سے نہ صرف کشمیر کو دشمن کے حملے سے بچانے بلکہ تبت کو

واپس لینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حیدر ملک چاڈورہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ اوتر رینہ جو اس فوج کے سر لشکر تھے۔ وہ میرے جدّ بزرگوار تھے۔

ساعت سعیدہ میں افواج نوشہرہ کی چھاونیوں سے باہر نکلیں اور پہلی منزل لار میں ہوئی۔ یہاں بادشاہ نے فوج کا جائزہ لیا۔ جس کی تعداد مختلف مورخین نے مختلف بتائی ہے۔ صاحب کلچر ''اسلامک کلچر ان کشمیر'' لکھتے ہیں۔ ایک لاکھ پیادہ اور تیس ہزار سوار تھے۔ تاریخ ملا بہاوالدین گلزار کشمیر اور تاریخ حسن میں پیادہ فوج کی تعداد تو ایک لاکھ ہی ہے۔ مگر رسالہ کی تعداد بیس ہزار درج ہے۔ مکمل تاریخ کشمیر میں سواروں کی تعداد پچاس ہزار بتائی گئی ہے۔ پیادہ فوج کی تعداد میں سب متفق ہیں۔

والئے کاشغر کو جب خبر ہوئی تو اس نے بھی جمعیت کشمیری افواج کے مقابلہ کے لئے بھجوائی۔ علاقہ تبت میں ایک موقع شی زنی یا شبہ زنی ہے۔ وہاں دونوں افواج آمنے سامنے ہوگئیں۔ محاربہ عظیم نے خون کی ندیاں بہادیں۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دونوں طرف کے سپاہیوں اور سرداروں نے دادمردانگی دی۔ اور بقول تاریخ ملا بہاوالدین

''نسبت بہ لشکر کاشغر لشکر کشمیری بسیار کم بود اما جرات و مردانگی بہ حدے کردند''

ترجمہ کاشغر کا لشکر، کشمیری لشکر کے مقابلہ پر بہت کم تھا، لیکن انہوں نے بڑی جرأت اور مردانگی دکھائی'' بادشاہ کاشغر کی افواج نے ہزمیت اٹھائی۔ اور ہر دو تبت پر بادشاہ نے اپنا عمل دخل کرلیا۔

بادشاہ کی غیر حاضری میں ملک کا انتظام بادشاہ کے چھوٹے بھائی محمد خان کے سپرد تھا۔ جس کو بادشاہ نے نائب السلطنت بنا کر مہمات جزوی وکلی کا مختار کر دیا تھا۔

کشمیری افواج کا حملہ پنجاب پر:

زمانہ گذشتہ میں ہندوستان کی حدود اس مقام تک تھیں۔ جس کا نام آج سرہند ہے اور یہ نام بھی اس کا اسی وجہ سے ہے کہ وہ ہندستان کی سرحد سمجھا جاتا تھا۔ جب سلطان شہاب الدین کاشمیری اور فیروز شاہ تغلق کے درمیان جنگ کے بعد صلح ہوئی تو سرہند اور پنجاب شہاب الدین کے حصہ میں آئے تھے۔ اور سرہند سے دہلی اور دہلی سے پرے تک

تمام ممالک میں فیروز شاہ کی حکومت تسلیم کی گئی تھی۔

شہاب الدین کے بعد کشمیر کے جو بادشاہ ہوئے ان کے زمانہ میں جو ممالک کشمیر سے دور تھے ان کی طرف ان کی توجہ کم ہوتی گئی۔ اور ادھر تغلق بادشاہوں اور تیموری حملہ اور اس کے بعد خضر خان کے جانشینوں کی کمزوری و غفلت کی وجہ سے کئی صوبے خود مختار ہوگئے۔ اور پنجاب میں ہر چند کوئی علیحدہ صورت مستقل طور پر قائم نہ ہو سکی۔ لیکن گکھڑوں نے جن کے سرکردہ شیخا گکھڑ اور جسرت گکھڑ دو بھائی تھے۔ ہمیشہ اس کو فتنہ و فساد اور بدامنی و بے چینی کا گھر بنائے رکھا۔ یہاں تک کہ پنجاب سلاطین کشمیر کے ہاتھ سے نکل گیا۔[8]

بلکہ ایک وقت ایسا آیا کہ بڈ شاہ کو شاہزادگی کے زمانہ میں بھائی سے شکست کھانے کے بعد جسرت گکھڑے کے پاس پناہ لینی پڑی۔ اور اپنی منتشر فوج کے ساتھ جب تک جسرت کی آمد اس نے شامل نہ کی۔ وہ تخت کشمیر پر قابض نہ ہوسکا۔

جسرت کا بھائی شیخا گکھڑ تو تیمور کا مقابلہ کرتے ہوئے تیمور کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ مگر اب جسرت کو بادشاہ بننے کی بڑی تمنا تھی۔ لیکن لوٹ مار اور حرب و ضرب کے سوا چونکہ آئین ملک داری سے وہ بالکل نابلد تھا۔ اور کچھ تقدیر بھی ساتھ نہ دیتی تھی۔ اس لئے کئی مرتبہ کامیاب ہو جانے کے باوجود بھی اُسے استقلال و اطمینان نصیب نہ ہوسکتا تھا۔

آخر اس نے اپنے رفیق قدیم شاہی خان سے جو سلطان زین العابدین کے نام سے کشمیر میں جاہ جلال کے ساتھ داد حکمرانی دے رہا تھا۔ اپنے احسانات کے بھروسہ پر امداد طلب کی۔ اس امداد کا ذکر صاحب طبقات اور صاحب تاریخ فرشتہ دونوں نے کیا ہے۔ صاحب طبقات لکھتے ہیں ''جسرت کھوکھر (گکھڑ)

بہ قوت سلطان اگر چہ نتوانست تسخیر دہلی نمود۔ اما م تمام پنجاب را در تصرف آورد''

ترجمہ: جسرت کھوکھر سلطان کی طاقت کی وجہ سے اگر چہ دہلی تو فتح نہ کر سکا' البتہ تمام پنجاب اس کے تصرف میں آ گیا،،۔ فرشتہ لکھتا ہے' سلطان نے دہلی و پنجاب کی تسخیر کے لیئے افواج کثیر جسرت کے ہمراہ کی۔ اگر چہ جسرت بادشاہ دہلی کی برابری نہ کرسکتا تھا۔ لیکن (کشمیری لشکر کی) قوت و اعانت سے اس نے پنجاب و ملحقات پر قبضہ کرلیا۔[9]

ان دونوں تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جسرت تسخیر پنجاب ہی کا ارادہ نہ

رکھتا تھا۔ بلکہ بادشاہ کشمیر کی امداد سے وہ دہلی پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

اس قدر اہم واقعہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور آپس میں کچھ شرائط بھی طے ہونگی اور چونکہ پنجاب وسرہند پر سلاطین کشمیر کے حقوق غالب تھے۔اس لئے کچھ تعجب نہیں ہے۔اگر یہ طے ہو گیا ہو کہ فتحد دہلی کے بعد دہلی کی بادشاہی تو جسرت کو ملے۔اور پنجاب وسرہند پہ زین العابدین اپنے اجداد کی وراشت سمجھ کر قابض رہے۔

دہلی پر تو وہ قابض نہ ہو سکا۔لیکن پنجاب پر اس نے اپنا تسلط جمالیا۔یہ سارا واقعہ کب پیش آیا۔اس کے متعلق سب تاریخیں خاموش ہیں۔لیکن جسرت کے واقعات وحالات پر غائرنظر ڈالنے سے یہ معمہ بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

826ھ یا728ھ میں جسرت رائے بھیم والئی جموں کو شکست دیتا ہے۔اس کے بعد 831ھ میں پھر اس کے حملہ لاہور وجالندھر کی خبر ملتی ہے۔835ھ میں وہ پھر کہیں سے سر نکال کر جہلم۔راوی اور بیاس کو عبور کر کے جالندھر جاتا اور ملک سکندر تحفہ حاکم لاہور کا گھوڑا زندہ گرفتار کر کے اور بیشمار مال واسباب لوٹ کر لاہور آتا ہے۔لیکن دو چہار مہینوں کے بعد ہی بادشاہ حملہ (مبارک شاہ بن خضر خان) کے خوف سے وہ پھر کوہستان میں بھاگ جاتا ہے۔836ھ میں پھر اس کے حملہ لاہور کی خبر ملتی ہے۔اس زمانہ میں ملک اللہ دادلودہی یہاں کا حاکم تھا۔جسرت اس کو شکست دے کر لاہور وجالندھر پر قابض ہو گیا 837ھ 9 رجب کو مبارک شاہ کے قتل ہو جانے پر سلطان محمد شاہ اس کا جانشین ہوا۔جس نے کئی سال کی خاموشی کے بعد 840ھ میں جسرت کو لاہور سے باہر نکالا۔اور مختلف حاکموں کے بعد 845ھ میں ملک بہلول لودھی کو خان خاناں کا خطاب دے کر لاہور ودیپال پور کا حاکم بنایا۔اور تاکید کی کہ جسرت کا قلع قمع کر دیا جائے۔اس کے بعد صفحات تاریخ میں جسرت اور لاہور کا تعلق نظر نہیں آتا۔

متذکرہ واقعات سے پایا جاتا ہے کہ 836ھ بمطابق 1433ء سے 840ھ بمطابق 1434ء تک جسرت لاہور پر امن وامان سے قابض رہا۔اس کے بعد تمام حملوں میں صرف یہی تین چار سال اس کو اطمینان کے ساتھ لاہور میں رہنا نصیب ہوا ہے۔ اور نہ کبھی دو ماہ کبھی چار ماہ وہ لاہور پر قابض رہا۔اور کئی دفعہ تو اُسے ناکام ہی جانا پڑا۔اس

سے یہ بات بالکل قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ 836ھ ہی میں بڈ شاہ نے اس کو فوج اور خزانہ اور جملہ لوازمات جنگ کی مدد دی ہوگی۔

فیروز شاہی عہد نامہ کی تکمیل:

خاندان تغلق کی کمزوریوں۔ اور باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے امیر تیمور نے سمرقند سے تسخیر ہند کا ارادہ کرلیا تھا۔ اور خاندان سادات کی اپنی نااہلیوں اور ان کے وزراء امر کی باہمی سازشوں کی خبریں سُن کر ہندوستان کے کئی صوبے آزاد ہو گئے۔ اور کئی ممالک آزاد وخودسر ہونے کے لیئے تڑپ رہے تھے۔ اور ملک بہلول پنجاب کی حکومت پر قانع نہ رہ کر دہلی کا بادشاہ بننے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ ان حالات میں کوئی تعجب کی بات نہیں اگر سلطان زین العابدین بھی پنجاب و سرہند بلکہ دہلی تک اپنی فوجیں لے آیا ہو۔

کشمیر کی قریباً تمام تاریخوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ زین العابدین نے اپنی حکومت کو پشار سے سرہند تک تمام پنجاب پر حاوی کرلیا اور بہت سی خونریزوں کے بعد شاہ دہلی سے آخری فیصلہ اس بات پر ہوا۔ کہ فیروز شاہ تغلق کے عہد نامہ (775ھ) کے مطابق سرہند سے کشمیر تک کا تمام ملک زین العابدین کے پاس رہے۔

صاحب اسلامک کلچران کشمیر [9] لکھتے ہیں" وہ فتح پنجاب کے دوران میں اس مقام پر بھی ٹھہرا جس کو اب امرتسر کہتے ہیں۔ وہاں اس نے اپنی فوجی ضروریات کی وجہ سے کنواں کھدایا تھا۔ وہ اب تک بڈھ کھوہ یا بٹ کھوہ کے نام سے مشہور ہے۔

صاحب اسلامک کے خیال میں یہ واقعہ 1460ء سے 1470ء کے درمیان کا ہے۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ اپنی ضخیم وجسیم تاریخ ہند میں لکھتے ہیں۔ جب کشمیری افواج نے جسرت کی امداد سے پنجاب پر قبضہ کیا تو دہلی کا بادشاہ سلطان بہلول لودھی تھا۔ یا بہ الفاظ دیگر یہ حملہ 1451ء سے 1481ء کے درمیان ہوا ہے۔

لیکن راقم الحروف کو ان دونوں باتوں سے اختلاف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بہلول لودھی کے اور زین العابدین کے تعلقات نہایت شگفتہ تھے۔ یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان تعلقات کی موجودگی میں زین العابدین نے پنجاب و دہلی پر

خود حملہ کیا ہو۔ یا جسرت کو اپنی افواج فتح پنجاب و دہلی کے لئے دی ہوں۔ فیروز شاہی عہد نامہ کی تکمیل اگر ہوتی ہے تو اسی زمانہ میں جب جسرت کو زین العابدین نے حملہ پنجاب کے لئے مدد دی تھی یعنی 1433 ء سے 1436 ء کے درمیان پنجاب کا حملہ اور سرہند کے عہد نامہ کی تکمیل ایک ہی سال کا واقعہ ہیں۔

بڈشاہ کی وسعت سلطنت:

زین العابدین کے حالات جب آئندہ صفحوں میں پڑھو گے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک زمیندار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو زراعت و کاشت کو ترقی دینے کی تدابیر میں سرگرم رہتا ہے۔ یا وہ ایک انجینئر ہے جو نئی نئی عمارتیں تعمیر کراتا اور نہریں کھدا تا رہتا ہے۔ یہ ایک باغ بان ہے۔ جو باغات کی تیاریوں اور انواع واقسام کے ثمر دار و بے ثمر مگر سایہ دار درختوں کی آبیاریوں میں محو رہتا ہے۔ جس بادشاہ کے اس قسم کے خصائل ہوں۔ جس کو اپنے ملک کی آبادی وشادابی کی تجاویز ہی سے فرصت نہ مل سکتی ہو۔ وہ شجاعانہ اوصاف رکھنے کے باوجود اپنے ملک کو قتال وجدال میں کس طرح تباہ کرا سکتا ہے۔

بایں ہمہ ہر دو تبت پر اسکا قبضہ تھا۔ اور کاشغر بھی اس کے زیر اثر تھا۔ کشمیر کی تاریخیں سرہند تک اس وسعت سلطنت کا پتہ دیتی ہیں۔ ابو الفضل کی آئین اکبری کے مطابق زین العابدین سندھ میں بھی جا پہنچا۔ ہزارہ کا ضلع جس کا نام اس زمانہ میں پھکلی تھا بڈشاہ ہی کے ماتحت تھا۔ اور کئی سرحدی مقامات میں جو آج یاغستانی یا آزاد علاقے کہلاتے ہیں۔ اس کا رعب وداب قائم تھا۔

لاونس صاحب نے بھی اپنی تصنیف دیلی آف کشمیر میں تسلیم کیا ہے کہ بڈشاہ کی حکومت کشمیر میں تو تھی ہی مگر پشاور سے پنجاب و سرہند تک بھی اس کا قبضہ تھا۔

مفتوحہ ممالک کے ساتھ بادشاہ کا سلوک:

جب بادشاہ اپنے بھائی علیشاہ کو گرفتار اور نظر بند کر کے کسی کے کھٹکے کے بغیر کشمیر میں حکومت کرنے لگا۔ تو علی شاہ کے دونوں معاون راجگان راجور و جموں اپنے اعمال

وکردار کی وجہ سے اس کے آگے سر بہ سجود ہونے لگے۔تاریخ راجگان راجور میں راجہ راجوری کی معافی کے متعلق لکھا ہے۔'' چندر روز بعد راجہ راجور نے سلطان سے معافی چاہی۔چونکہ سلطان رحیم الطبع عالی حوصلہ اور بلند خیال تھا۔اس لئے معافی دیدی۔اور ویسے ہی روابط ریاست اور سلطنت میں ہوگئے۔جیسے کہ پہلے تھے'' راجہ جموں کو بھی اپنی حرکت پر نادم ہوئے۔اور معافی مانگنے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا۔معافی بھی مل اور جموں کی حکومت بھی

سالگان رہ ہمت چو رادت نبیند

ملک کاوس' فریدوں بہ گدائی بخشنید

پانڈو چک نے اس کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں۔اس کو عالیشان و سر بفلک عمارات کو نذر آتش کر کے خاک میں ملا دیا۔بادشاہ نے گو پانڈو چک کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دیدی۔مگر اس کے بیٹے حسین چک کو نوازشات شاہی کا مورد بنادیا۔اور رفتہ رفتہ چکو نے وہ اقتدار حاصل کیا کہ بڈشاہ کی وفات کے نوے سال بعد ہی وہ کشمیر کے بادشاہ ہوگئے۔

جس ملک پر فتح پاتا اس پر اس کی حیثیت وطاقت سے زیادہ خراج مقرر نہ کرتا اور نہ اُس سے نذرانہ اس قدر زیادہ طلب کرتا کہ اس کو اپنی رعایا پر ظلم کر کے روپیہ فراہم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔اور اپنے باپ سلطان سکندر اور امیر تیمور کا واقعہ ہمیشہ یاد رکھتا۔جبکہ تیموری امراء نے اس کے باپ کو تیس ہزار گھوڑوں اور ایک لاکھ اشرفی کے نذرانہ کا پیغا بھیجا تھا۔

بڈشاہی افواج اور ممالک مفتوحہ کے خزانے:

اس کا قاعدہ تھا کہ جب کسی ملک پر قبضہ کرتا تو اس ملک کا خزانہ اور مال غنیمت جو اس کے ہاتھ آتا سب کا سب اپنی فوج میں بانٹ دیتا۔اس ترکیب وزر پاشی سے تمام افواج اس کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار رہتی تھی۔اس کی اپنی حکمت عملیوں کی وجہ

سے اس کی فوج جہاں گئی۔ کامیاب ہو کے آئی۔۔ تبت و پنجاب اور پشاور کے علاقے اسی فوج کے بھروسہ پر اس نے ساحل سندھ تک اپنی فتوحات کا سکہ بٹھا دیا۔ جیسا کہ صاحب طبقات بھی لکھتے ہیں۔

وتمام ولایت کہ در کنار آب سندھ واقع است در تصرف سلطان در آمد

(ترجمہ) وہ تمام ریاست جو دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے سلطان کے تصرف میں آ گئی۔

حوالہ جات

۱ اندازہ حال تصنیف راج ترنگنی 1148ء یا 1145ء بعد راجہ جے سنگر والی کشمیر

۲ شہاب الدین کا بیٹا حسن خان سندھی بیگم کے بطن سے تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے سندھ کے حاکم کی جو اس زمانہ میں حاکم ٹھٹھ کہلاتے تھے۔ بیٹی سے شادی بھی کر لی تھی۔

۳ باسپ نگر جس کا نام جہانگیر کے زمانہ میں باش نفر تھا۔ معلوم نہیں سرحد کے کس مقام پر واقعہ ہے

۴ عہد حکومت 752ھ تا 789ھ

۵ دیوان کرپارام مدار المہام مہاراجہ رنبیر سنگھ والی جموں و کشمیر

۶ تبت کلاں لداخ سطح سمندر سے ساڑھے گیارہ ہزار فٹ اور اسکردو 7024 فٹ بلند ہے۔ یہاں کے باشندے بدھ اور مسلمان ہیں مسلمان سب سنی تھے۔ مگر بڈشاہ کی وفات کے 22 سال بعد 900ھ میں میر شمس عراقی نے وہاں شیعہ عقائد کی تبلیغ کی۔ اس کے بعد نور بخشی فرقہ میں بھی اکثر لوگ داخل ہو گئے۔ یہاں بعض جاگیردار راجے بھی ہیں جو شیعہ مسلمان ہیں اور اپنے آپ کو سلطان سکندر کاشغری کی اولاد بتاتے ہیں

۷ حصہ دوم ذکر سلاطین کشمیر۔ (ترجمہ)

۸ تاریخ ہند جلد چہارم مؤلفہ مولوی ذکاءاللہ مرحوم میں بھی ان الفاظ کی تائید کی گئی ہے۔ صاحب سیر المتأخرین بھی جلد اول میں لکھتے ہیں۔ جسرت کشمیر سے کشمیری فوج لیکر بہلول لودھی پر دہلی میں حملہ آور ہوا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر کشمیر آیا اور سلطان زین العابدین نے پھر اس کو ایک لشکر جرار فتح پنجاب کے لئے دیا۔ جہاں اس نے اس فوج کی مدد سے خوب دست بردکی

۹ صفحہ نمبر 86

چوتھا باب

بڈشاہ کی پریشانیاں اور موت

بادشاہ کی بیگمات' بادشاہ کے بھائی کی وفات' بادشاہ کے دودھ بھائی۔شہزادیوں کی باہمی خانہ جنگیاں۔باپ بیٹے میں خونریز جنگ سوپور میں جنگ عظیم۔بادشاہ پر ان خانہ جنگوں کا اثر۔بادشاہ کو ہلاک کرنے کی کوشش' قریب المرگ بادشاہ مسند شاہی پر۔امرائے دربار کے حاجی خان سے عہد پیمان۔بادشاہ کی وفات۔بڈشاہ اور اکبر اعظم۔

بادشاہ کی بیگمات:

ہندو کہتے ہیں کے ان کہ مذہب میں ایک عورت کی زندگی میں کوئی شخص دوسری عورت نہیں کرسکتا۔مسلمانوں کو گو چار بیویوں کی اجازت ہے۔لیکن ان کے ساتھ عدل و مساوات سے سلوک کرنے کی ایسی سخت شرائط ہیں۔کہ بہت کم لوگ ان کے پابند ہوسکتے ہیں۔مگر تعجب ہے کے والیان ملک کا درجہ مذہب و اخلاق دونوں سے بالاتر سمجھ لیا جاتا ہے۔اور وہ ایک دو نہیں بلکہ درجنوں سینکڑوں عورتیں کرلیتے ہیں۔اور کوئی مذہب۔اور کوئی اخلاق اور کوئی مولوی۔اور کوئی برہمن انکو اس قسم کی نازیبا حرکت سے منع کرنے کی جراءت نہیں کرتا

اکبر چونکہ خود کئی درجن ''بیگمات'' کا خاوند تھا۔اس کے عہد میں ہندو مسلمان امراء اس سے بھی کئی درجہ بڑھے ہوئے تھے۔چنانچہ راجہ مان سنگھ حاکم بنگال کی بارہ سو رانیاں تھیں۔

تاریخ میں شاذونادر ہی کوئی ایسی مثال ملتی ہے۔کے بادشاہ یا راجہ نے ایک دو بیویوں پر اکتفا کیا ہو۔انہی شاذونادر مثالوں میں ایک نظیر بڈشاہ کی بھی ہے۔بادشاہ کی ایک

بیگم بیہقی بیگم کے نام سے موسوم تھی۔ جو سید میر حسن منطقی بیہقی کے باپ سید نور الدّین کی بہن اور سید تاج الدین [1] کی بلند اختر دختر تھی۔ اس کا نام بی بی [2] خاتون تھا۔ وہ لاولد تھی ۔سید حسین بیہقی نے اپنا سب سے چھوٹا نوزائیدہ بچہ محمد امین اویسی جب بادشاہ کو بطور تبرک بخشا تو بادشاہ نے بیگم کی دلدہی و دل بستگی کیلئے یہ بچہ اس کے سپرد کیا۔ فتحیات الکبرویہ میں لکھا ہے کہ بیگم کو دودھ اتر آیا۔ اور اس نے اپنے دودھ سے اس کی پرورش کی۔ بیگم نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مقبرہ تیار کرالیا تھا۔ بلکہ ایک مقبرہ شیخ بہاؤالدّین گنج بخش کے لئے بھی اسی احاطہ میں تیار کرایا تھا۔ اور ان سے وعدہ لے لیا تھا کے وہ بعد وفات اسی جگہ دفن ہو نگے۔ بیگم نے ایک مسجد بھی یہاں تعمیر کرائی تھی۔ اور یہ اپنی زندگی میں ہی آباد کرائی تھی۔ چنانچہ شیخ گنج بخش اسی جگہ مدفون ہیں۔ بیگم کی اپنی قبر بھی دروازہ کے متصل ہے۔ یہ مقبرہ بیگم نے 840ھ [3] میں تیار کرایا تھا۔

بادشاہ نے دوسری شادی [4] اولاد کے لئے اور غالباً شاہی خاندان میں کی۔ اور شاید یہ بھی اس وجہ سے کی کے محمد امین شاہانہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لئے باوجود سلوک و تصوف کی طرف زیادہ مائل اور امورات مملکت سے بالکل دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ بادشاہ کی دوسری بیوی سے تین بیٹے ہوئے۔ جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

بڈشاہ چاہتا تو دیگر بوالہوس اور عیش پرست بادشاہوں کی طرح عورتوں کے مینا بازار لگا سکتا۔ اور اپنے محل کو نمونہ پرستان بنا کر رنگ رلیاں منا سکتا تھا۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس نیک خصلت بادشاہ نے اپنی دو بیگمات کے سوا کسی تیسری عورت کا منہ نہیں دیکھا۔

بادشاہ کی اولاد:

بادشاہ نے ایک بیٹا محمد امین اویسی لے کر پالا تھا۔ جو اس کے مرشد سید حسین منطقی نے اسے بطور تبرک دیا تھا۔ اور جس کو بیہقی بیگم نے بچوں کی طرح پالا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس ہونہار اور اس نیک زیرک بچہ نے امورات سلطنت کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔

بیہقی بیگم لاولد تھی۔ دوسری بیگم کے بطن سے بادشاہ کے تین بیٹے ہوئے۔ سب سے بڑا ادہم خان تھا۔ دوسرا بیٹا حاجی خان اور تیسرا بیٹا بہرام خان تھا۔ ان لڑکوں نے جوان

ہو کر اپنی بے اعتدالیوں خانہ جنگیوں اور منافقوں سے ایسے اولوالعزم سلطان اور ایسے نیک و ہر دلعزیز بادشاہ کی زندگی تلخ کر دی۔

بادشاہ کے بھائی کی وفات:

بادشاہ نے اپنی آغاز سلطنت ہی سے اپنے چھوٹے بھائی محمد خان کو وکیل مطلق بلکہ بقول صاحب تاریخ فرشتہ ولی عہد مستقل مقرر کر رکھا تھا۔ بھائی نے بھی پوری متابعت سے کام لیا۔ جب زین العابدین تبت کی مہم پر گیا۔ تو محمد خان نے اندرون ملک میں کوئی خرابی نہ آنے دی۔ بلکہ ایسا انتظام کیا کہ بادشاہ نے واپس آ کر اپنی دلی خوشنودی کا اظہار کیا لیکن محمد خان کی وفات نے اس کے دست بازو کمزور کر دئے۔ بھائی کے مرنے کا اس نے بڑا غم لیا۔ اور اس کے فرزند حیدر کو اس کا جانشین بنا کر اسکی دستار بندی کرائی۔ اور بھائی کی جگہ مہمات ملکی کے تمام اختیارات اپنے بھتیجہ کو سونپ دئے۔

بادشاہ کی خیرات اپنی رضاعی بھائیوں کی موت پر:

بادشاہ کو دو کوکے یعنی دودھ بھائی تھے۔ ایک کا نام مسعود تھا۔ دوسرے کا نام شیر دونوں حقیقی بھائی تھے۔ اور دونوں بادشاہ کو اپنی حسن خدمات کی وجہ سے نہایت عزیز تھے۔ بد قسمتی سے قرب سلطانی نے دونوں میں بغض وحسد پیدا کر دیا۔ اور اس نے یہاں تک ان دونوں بھائیوں میں خصومت و عداوت بڑھائی کہ وہ مادرزاد دشمن معلوم ہونے لگے۔ آخر شیر نے موقع پا کر اپنے بڑے بھائی مسعود کو ہلاک کر دیا۔ بادشاہ کو اس واقع کا علم ہوا۔ تو بہت رنج کیا۔ کیونکہ دامن انصاف کو اس نے ہاتھ نہ جانے دیا۔ اس لئے شیر کو اس کے قصاص میں قتل کرا دیا۔ مگر چونکہ دونوں اس کی نظروں میں یکسان عزیز تھے۔ اس لئے سلطان نے ایک کروڑ کشمیری اشرفیاں جن کو صاحب تاریخ فرشتہ نے چار سو شتر بار طلائی'' لکھا ہے۔ ان کی روح کی ترویج کے لئے کم عمر نادار بچوں میں بطور خیرات تقسم کیں۔

شہزادوں کی باہمی خانہ جنگیاں:

اپنے فرزندوں کے باہمی خانہ جنگیوں اور عداوتوں سے بادشاہ کی عمر کے آخری

ایاّم بڑے تلخ گزرے۔ادہم خان سب سے بڑا تھا۔لیکن اپنی شرارتوں اور شوخ چشمیوں سے بادشاہ کی نظروں میں ذلیل حقیر تھا۔منجھلے بھائی حاجی خان سے جس کو بادشاہ بہت چاہتا تھا۔اس کی سخت عداوت تھی۔تیسرا بیٹا بہرام خان بھی اپنے دونوں بھائیوں سے صاف نہ تھا ان کی باہمی رشک وحسد نے جب ایک خوفناک صورت اختیار کر لی۔تو ملک میں تین پارٹیاں شہزدوں کی اور ایک پارٹی بادشاہ کی ہوگئی۔اور بدامنی اور فتنہ فساد کے آثار ظاہر ہونے لگے رفع شر کے لئے بادشاہ نے ادہم خان کو بغاوت تبت کے فرو کرنے کے لئے ایک لشکر جرار دے کر دارالخلافہ سے دور بھیج دیا۔وہ ہوا کی طرح گیا۔اور ملک کو تہہ و بالا اور باغیوں کا قلع قمع کر کے بگولے کی طرح واپس آ گیا بلکہ بہت سا مال غنیمت بھی سلطان کے پاس لایا۔اور مردانگی وشجاعت اور فتح ونصرت کی بدولت نوازش ہائے خسروانہ کا مورد ہوا

باپ بیٹے میں خونریز جنگ:

ادہم خان کے اس طرح مظفر ومنصور ہو کر واپس آئے اور بادشاہ کی نظروں وقار وعزت حاصل کرنے سے حاجی خان کو بڑا صدمہ ہوا۔بھائیوں کی کدورت لڑائی کی صورت میں ظاہر ہونے والے تھی۔کہ بادشاہ نے حاجی خان کو لوہر کوٹ کا حاکم بنا کر سری نگر سے دور بھیجوا دیا۔

درانداز وں اور فتنہ پروروں کا کام اس وقت تک چل سکتا ہے۔جب تک فریقین میں بدمزگی ونفاق قائم رہے۔چنانچہ مفسدوں اور خودغرضوں نے حاجی خان کو باپ اور بھائی کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔باپ کو فتنہ سازوں کی ان حرکات کی خبر ہوئی۔تو بیٹے کو خط وکتابت کے ذریعہ اس کوتاہ اندیشی وخیرہ سری سے باز رکھنے کی کوشش کی۔لیکن حاجی خان کے سر پر تو ''بادشاہ کشمیر'' بننے کا بھوت سوار ہو رہا تھا۔اور اس کے مصائب اس کو مبارک وسلامت کے لغروں سے باپ اور بھائی سے جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے تھے۔ پہلے تو وہ باز نہ آیا۔پھر باپ نے ملائمیت کے ساتھ اس کو سمجھایا۔اور اس کی پچھلی سعادت مندیوں کے حوالے دئے۔اور آئندہ کے لئے امیدیں دلائیں۔اور لکھا کے ہم تم کو خود بلائیں گے۔تم ہماری اجازت کے بغیر لوہر کوٹ سے قدم باہر نہ نکالو۔اور خلق خدا کے خون

سے درگزر رو۔ حاجی خان پر باپ کی اس تحریر کا بڑا اثر ہوا۔ ایک عریض معذرت آمیز لکھنے کو تھا کہ مصاحبوں نے پھر گمراہ کر دیا۔ اور کہا کہ سلطنت کے معاملات میں اس قسم کی باتوں پر یقین اعتبار کرنا آئین عقلمندی کے خلاف ہے۔ غرض وہ لشکر لے کر کشمیر پر حملہ آور ہوئے۔ باپ اور بھائی بھی مقابلے کو نکلے۔ میدان تلیل میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے۔ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک جنگ ہوتی رہی۔ حاجی خان شاہی افواج کی تاب نہ لا سکا۔ ہیر پور کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بہت سے نامی سردار مر چکے تھے۔ اور ایک کثیر تعداد باغیوں کی قتل ہو چکی تھی۔

ادہم خان حاجی خان کی گرفتاری کے لئے اس کا تعاقب کرنا چاہتا تھا۔ مگر باپ نے جو جانتا تھا کہ ادہم خان تعاقب کے بہانے حاجی خان کو جان سے مار دے گا۔ اجازت نہ دی۔

باغیوں کے سروں کا بلند مینار:

حاجی خان تو ہیر پور جا کر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کراتا رہا۔ اور ادھر بادشاہ نے حکم دیا کہ مقتولوں کے سروں سے ایک بلند مینار قائم کیا جائے۔ تا کہ پھر کسی اور ناخلف وخودسر کو بغاوت کی جرأت نہ ہو سکے۔ بلکہ قیدیوں میں سے بھی بہت سے آدمی قتل کئے گئے۔

اس قسم کی سزاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ حاجی خان سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ لڑائی 872ھ مطابق 1467ء میں ہوئی۔ انہی ایام میں بارش طوفان کی صورت میں آئی۔ اور قحط نے موت کا لباس اختیار کر کے راعی و رعایا دونوں کو پریشان کر دیا موسم کھل جانے پر بادشاہ نے قحط انسداد بھی کیا۔ اور لگان میں بھی زمینداروں کو بہت سی رعایتیں دیں۔ اور اکثر مقامات پر مالیہ بالکل معاف کر دیا۔

بادشاہ کے بڑے بیٹے کی بغاوت:

بادشاہ کا بڑا بیٹا ادہم خان اب باپ کا منظور نظر بلکہ ولی عہد تھا۔ بادشاہ نے امور ملکی ومہمات سلطنت میں بھی اس کو شریک کر لیا۔ لیکن اس قسم کے مراحم خسروانہ اور شفقت

پدرانہ نے ایک نا اہل پر کوئی اچھا اثر نہ ڈالا۔ ولی عہدی کے غرور نے اس سے بہت سے نا مناسب وناواجب کام کرائے۔ کامراج کے علاقہ میں تو اس نے کسی کے پاس نقدو جنس بھی نہ چھوڑا۔ لوگوں نے تنگ آ کر بادشاہ کے پاس اس کے ظلم وستم کی فریاد کی بادشاہ رعایا آزار حرکتوں سے اس کو منع کرتا۔ مگر وہ بادشاہی احکام کی ذرا پروانہ کرتا۔ اور چونکہ جانتا تھا کہ بادشاہ اب چراغ سحری ہے۔ اس لئے عملاً اور علانیہ باپ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے۔ کہ حاجی خان کی شکست کے بعد چھ سال تک ادہم خان بڑے استقلال سے بادشاہ کا محبوب بنا رہا۔ یا بہ الفاظ دیگر چھ سال تک رعایا ادہم خان کے ظلم برداشت کرتی رہی۔ آخر وہ بہت سا لشکر لے کر باپ پر حملہ کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ اور قطب الدین پور میں آ کر ڈیرے ڈال دئے۔ سلطان کچھ محبت پدری سے کچھ مصلحت ملکی سے کچھ مخلوق خدا کی بہتری کے لئے اس کی گستاخیوں کو نظر انداز کرتا رہا۔ آخر بغیر اس کے ملاقات کرنے کے بادشاہ نے اسے سمجھا بجھا کر واپس کامراج بھجوا دیا۔

سوپور میں جنگ عظیم:

سوپور سرکاری علاقہ تھا۔ وہاں شاہی دفاتر اور شاہی مکانات بھی تھے۔ ادہم خان جب سری نگر سے واپس کامراج آیا۔ تو اس نے سوپور میں حاکم سوپر سے جنگ کی۔ وہ لڑائی میں مارا گیا۔ ادہم خان نے شہر اور نواحات کو غارت کیا۔ جب باپ کو خبر ہوئی کہ بیٹا یہاں سے تو خاموشی سے چلا گیا ہے۔ مگر سوپور میں جا کر اس نے کھیل کھیلا ہے۔ تو اس نے اپنے منجھلے بیٹے حاجی خان کو جو باپ اور بھائی کے خوف سے چھ سال سے پونچھ اور ہیر پور کے پہاڑوں میں سر چھپائے بیٹھا تھا۔ بہ تعجیل تمام بلوایا۔ اس سے آگے طبقات میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ خود افواج قاہرہ لے کر بیٹے کی سرکوبی کے لئے سوپور روانہ ہوا۔ تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ وہ آپ دارالخلافہ میں رہا۔ اور حاجی خان کو اس نے بھائی کے مقابلے پر سوپور میں بھیجا۔ جس نے بھائی سے شکست کھائی۔ ۵ پھر بادشاہ خود سوپور گیا۔ بہرحال لڑائی ہوئی۔ طرفین سے بہت سے لوگ مارے گئے۔ ادہم خان جان سلامت لے کر نیلاب کی طرف بھاگ گیا۔

پل سوپور جو دریا پر واقع ہے۔اس افراتفری میں ٹوٹ گیا۔جس میں تقریباً تین سو آدمی ۸۶۱ ادہم خان کی فوج کے غرق ہو گئے۔بادشاہ سوپور آیا۔اور رعایا کو دلاسہ دیا۔جو کچھ ہوا اس پر افسوس ظاہر کیا۔اور کہا بغیر اس جنگ کے تمہیں امن وامان ملنا مشکل تھا۔

حاجی خان کو خلعت ولی عہدی:

حاجی خان بارہ مولا میں تھا کہ بادشاہ نے اپنے چھوٹے بیٹے بہرام کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا۔چھ برس کے بعد سوپود میں باپ بیٹے ملے۔سلطان نے بڑی محبت کا اظہار کیا۔اسے اپنے ہمراہ شہر لایا۔اور ایک دربار کر کے بڑے بیٹے کو ولی عہدی سے علیحدہ کیا۔اور حاجی خان کو خلعت ولی عہدی سے علیحدہ کیا۔اور حاجی خان کو خلعت ولی عہد عطا کیا۔حاجی خان نے بھی اخلاص وادب میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔تقصیرات سابق کی تلافی بوجہ احسن کی۔اور اپنے ملازمین کو جو سفر وحضر میں اسکے رفیق تھے۔بادشاہ سے سفارش کر کے منصب ہائے اعلیٰ تک پہنچا دیا۔اور جاگیریں ان کے نام مقرر کرائیں۔باپ نے ایک کمر بند اور ایک شمشیر کہ دونوں جواہرات قیمتی سے مرصع ومطلاء تھے۔عنایت کر کے اپنی مزید خوشنودی کا اظہار کیا۔

ولی عہد کی شراب نوشی:

حاجی خان اب باپ کا خدمت گزار تھا۔اور اس کے خلاف کبھی بغاوت میں حصہ نہ لیتا تھا۔لیکن شراب نوشی کا مرض اس کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہا تھا۔شراب اس کی گھٹی میں پڑ چکی تھی۔ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو رہا تھا۔اور دل ودماغ اپنا صحیح کام کرنے سے عاری ہو رہے تھے۔باپ نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو اسے اس عادت بد کے نشیب وفراز سمجھائے۔مذہب نے جو احکام اس لعنت کے متعلق دے رکھے ہیں۔وہ اس کو بتائے سلطنت پر جو اس کا اثر پڑے گا وہ سمجھایا۔لیکن حاجی خان اس قسم کی نصیحتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔وہ باپ کی باتوں کو اس کان سے سنتا اور اس کان سے اڑا دیتا۔

بادشاہ پران خانہ جنگیوں کا اثر:

بادشاہ بہت ضعیف العمر تھا۔ وہ بیٹوں کی حرکات سے تنگ آچکا تھا۔ حاجی خان کو ولی عہد مقرر کر کے کچھ آرام کا سانس لیا تھا۔ کہ اس کی شراب نوشی نے کاروبار سلطنت میں خلل عظیم پیدا کرنا شروع کر دیا۔ اس رنج اور صدمہ سے بادشاہ اس قدر بیمار ہو گیا کہ اس کو اسہال دموی یعنی خون کے دست شروع ہو گئے۔

امراوزراء نے یہ حالت دیکھی تو بادشاہ کے علم واطلاع کے بغیر ادہم خان کو بلا وا بھیجا۔ وہ آیا باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن باپ نے بیٹے کی طرف کوئی التفات نہ کی۔ بلکہ ضعف کے عالم میں بھی امراء کی اس حرکت پر ناراضگی ورنجیدگی کا اظہار کیا۔

بادشاہ کو ہلاک کرنے کی کوشش:

جہانگیر نے تو اپنی توزک میں بڈشاہ کی خوارق عادات کا جو اہل کشمیر میں مشہور ہیں۔ ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے۔

بادشاہ زینہ لنک کے عبادت خانہ میں تھا۔ کہ ایک ناخلف زادہ اس کو قتل کرنے کے قصد سے عبادت خانہ میں تنہا سمجھ کر شمشیر (کشیدہ تلوار کھینچ کر آیا) مگر جب اپنے باپ پر اس کی نظر پڑی تو صلاحیت پدری اور شکوہ صلاح سے سراسیمہ ہو کر الٹے پاؤں پھرا۔ اسی اثنا میں سلطان بھی عبادت خانہ سے نکل کر اسی بیٹے کو ساتھ لیا اور کشتی میں بیٹھ کر شہر کو روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں بیٹے سے کہا۔ میں عبادت خانہ میں اپنی تسبیح بھول آیا ہوں۔ کشتی پر سوار ہو کر میری تسبیح لے آؤ۔ بیٹا عبادت خانہ میں آیا۔ تو دیکھا باپ بھی وہاں موجود ہے۔ یہ بے سعادت ازروئے شرمندگی باپ کے قدموں پر گرا۔ اور معافی کا خواستگار ہوا۔

بادشاہ بیٹوں کے اوضاع واطوار اور اخلاق وعادات سے واقف تھا۔ کہ وہ حکومت ریاست کی طلب میں میری طبعی موت کے بھی منتظر رہنا نہیں چاہتے۔ توزک جہانگیر کے الفاظ میں اس نے اپنے بیٹے کو معافی کا خوستگار دیکھ کر کہا۔'' ۓ

برمن ترک حکومت چہ بلکہ گذشتن از حیات بسیار آسان است۔ امابعد ازمن کارے نخواہید اساخت ومدت دولت شمایان بقانخواہد داشت۔ وبہ اندک زمانے بہ جزائے عمل

زشت ونیت خود خواہید رسید۔ این سخن گفتہ ترک خوردن وآشامیدن نمود''۔

ترجمہ: میں حکومت کیسے چھوڑ سکتا ہوں بلکہ زندگی سے گزر جانا اس سے آسان ہے' البتہ میرے بعد تم کوئی کام نہیں بنا سکتے' اور تمھاری حکومت کی مدت بقاء ہرگز نہیں رہے گی' بلکہ تمھارے برے عمل اور بری نیت کی وجہ سے تھوڑی مدت سو چلی جائے گی۔ یہ بات کہی اور کھانا پینا ترک کر دیا۔

اس واقعہ کو ملک حیدر چاڈوزہ نے بھی جو کشمیر کا نامور مؤرخ ہے۔ اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ اس نے اتنا اضافہ کیا ہے۔ کہ وہ ناخلف ادہم خان تھا۔ جو سب سے بڑا بیٹا تھا۔ بادشاہ نے اس کو یہ شعر بھی پڑھ کر سنایا تھا۔

پدر کش بادشائی نشیدئی را نشاید و گرشاید بجز شش مہ نباید

بادشاہ کا عبادت خانہ میں موجود ہونا صحیح ہو یا غلط ۸ لیکن اس میں کلام نہیں کہ توزک جہانگیر کے تحریر کے مطابق جو الفاظ اس نے اپنی ناخلف اولاد کے متعلق بیٹے سے کہتے۔ وہ آخر پورے ہوکر رہے۔ یعنی سلطنت اس خاندان کے ہاتھ سے نکل کر چک خاندان کے قبضہ میں چلی گئی۔

بادشاہ کا جانشین مقرر کرنے سے انکار:

تینوں شہزادوں نے باہمی صلح وموافقت کر کے آپس میں کچھ عہد وپیمان کر لئے۔ لیکن چونکہ دل کسی کا صاف نہ تھا۔ اس لئے تمام قول وقرار نقش برآب سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔ اور دل ہی دل میں ہر ایک عہد شکنی کے منصوبے کرنے لگا۔ حالانکہ ہر ایک کے لئے غیب سے صدا آرہی تھی۔

بہ نقص عہد ودلیری کمن کہ چرخ فلک
نتیجہ عملت زود در کنار نہد

ضعیفی بیماری روز بروز بادشاہ پر غالب آرہی تھی۔ خیر خواہان سلطنت نے بادشاہ سے عرض کیا کہ سب شہزادے حضور میں حاضر ہیں۔ حضور والا جس کو لائق وافضل سمجھیں۔ کاروبار سلطنت سپرد کر دیں۔ تاکہ ملک میں نظام امن قائم رہ سکے۔ بادشاہ تمام شاہزدوں کی

نیتوں اوران کی ہنگامی وعارضی صلح آرائیوں سے واقف تھا۔اس نے خیر خواہان سلطنت کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔اورنہ اپنے کس بیٹے کو قابل خیال کیا۔البتہ اس کی خاموشی میں جو معنی تھے۔ان کو ذیل کا شعر شاید صحیح طور پر ادا کر سکتا ہوں۔

عروس ملک کسے در کنار می گیرد

کہ بوسہ برلب شمشیر آبدار زند

ترجمہ: ملک وحکومت کی دلہن کو جو بھی بانہوں میں سمیٹا ہے' اسے تیز دھار تلوار کے ہونٹوں کا بوسہ لینا ہوتا ہے۔

شاہزادوں کی منافقانہ صلح کا خاتمہ:

اہل نفاق کو بھائیوں کے لڑانے کا موقع مل گیا۔مختلف پارٹیاں بن گئیں۔اور ہر شہزادہ اپنی اپنی جگہ ولی عہدی کا دعوی کرنے لگا۔بہرام خان جوسب سے چھوٹا تھا۔ان سب سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔اس نے سخنان نفاق سے دونوں بڑے بھائیوں کو باہم دشمن بنا دیا۔چنانچہ ادہم خان شاہی محلات سے رخصت ہو کر قطب الدین پور میں چلا گیا۔

بادشاہ کی اب یہ حالت تھی کہ کھانا پینا قطعاترک ہو چکا تھا۔ضعف پیری بیماری سے بھی غالب تھا۔اور جب شاہزدوں کی حرکات ناشائستہ کی خبریں اسے پہنچتی تھیں۔تو اسے اور بھی صدمہ ہوتا تھا۔چنانچہ امراء نے شاہزدوں کی باہمی منافقت اور آئندہ فتنہ وفساد کومدّنظر رکھ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کا کوئی بیٹا بادشاہ کے پاس عیادت کے لئے نہ جائے۔

قریب المرگ بادشاہ مسند شاہی پر:

بادشاہ کے انتقال کی روز افواہیں اڑتی تھیں۔اور چونکہ ہر افواہ کے ساتھ بدامنی و بدنظمی کا اندیشہ رہتا تھا۔اس لئے امراء ہر روز ڈھنڈوروں کے ذریعہ ان افواہوں کی تردید کرتے تھے۔اور رعایا کو اپنے مذہبی طریقوں پر بادشاہ کی صحت وسلامی کے لئے دعا کی طرف توجہ دلاتے تھے۔اس ڈھنڈورہ کے علاوہ امراء سلطنت نے ایک یہ تجویز بھی نکالی کہ بیمار بلکہ قریب المرگ اور زندگی سے ناامید بادشاہ کو تکلیف وتکلّف کے ساتھ محل کے ایک بلند مقام پر لے جاتے جہاں اسے سب لوگ بہ آسانی دیکھ سکتے۔وہاں اسے مسند شاہی پر بٹھا

تے اور نقارے بجائے جاتے۔ تاکہ لوگوں کو سلطان کے صحت یاب ہو جانے کا یقین آ جائے۔ اور شورہ پشت اور شاہزادے بدامنی سے باز رہیں۔

رفتہ رفتہ سلطان کے ہوش وحواس میں فرق آنے لگا۔ اور اکثر بے ہوشی بھی طاری ہونے لگی۔ بلکہ ایک دفع سلطان شبانہ روز بے ہوش رہا۔

امرائے دربار کے حاجی خان سے عہد و پیمان:

حاجی خان اور بہرام خان یہ دونوں چھوٹے بھائی اپنے بڑے بھائی ادہم خان کے خلاف تھے۔ ادہم خان انہی کے خوف سے قطب الدین پور میں تنہا رہتا تھا۔ جب اس نے سنا کہ بادشاہ پر اب بے ہوشی طاری رہتی ہے۔ اور معلوم نہیں کہ کس وقت اس کا دم نکل جائے۔ تو اپنی فوج کو شہر کی محافظت کے لئے چھوڑ کر تنہا چند سواروں کے ہمراہ نوشہر میں آیا۔ تاکہ حاجی خان اور اس کے دوسرے دشمن اس پر کچھ بدگمانی نہ کریں۔ فرشتہ لکھتا ہے۔ کہ یہ رات اس نے بادشاہ کے دیوان خانے میں بسر کی۔ طبقات میں لکھا ہے۔ کہ حسن خان کچھی نے جو امرائے بڈشاہی میں بزرگ تر تھا۔ دربار کا رنگ ادہم خان کے خلاف دیکھ کر اس کو کسی آئندہ مناسب وقت کے وعدے پر واپس بھجوا دیا۔ اور امراء کے منشا کے مطابق حاجی خان کو بلوایا۔ اور اس سے عہد و پیمان کر کے سلطان کا اصطبل خانہ جس میں ہزارہا گھوڑے تھے اس کے سپرد کر دیا۔ یہ خبر چشم زدن میں دارالخلافہ بلکہ سارے شہر میں پھیل گئی۔ حاجی خان نے بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ لیکن امراء نے فتنہ وفساد کے خوف سے اجازت نہ دی۔

ادہم خان کی ہجرت کشمیر سے:

ادہم خان نے جب حاجی خان کے استقلال واقبال کا حال سنا تو سمجھ گیا۔ کہ اب نہ صرف تخت کشمیر ہاتھ سے نکل گیا۔ بلکہ میری جان کی بھی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ وہ جان بچا کر ہندوستان کے طرف بھاگ گیا۔ اس کے سپاہ نے بھی مایوس و بے دل ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حاجی خان نے زین لارک اپنے ایک معتبر کو کچھ سپاہ دیکر ادہم خان کے تعاقب میں بھیجا۔ طبقات اور فرشتہ اور دیگر مورخین نے لکھا ہے۔ کہ ادہم خان نہایت شجاع و جونمرد

تھا۔اور کچھ شک نہیں کہ اگر وہ اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے بادشاہ کو ناراض نہ کر لیتا۔تو وہ بادشاہ کا بہترین جانشین ثابت ہوتا۔اس کی شجاعت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ہر چند اس کے تعاقب میں ایک جماعت تھی۔اور وہ بالکل تنہا تھا۔دشمن اس کے سر پر بھی جا پہنچا۔لیکن مردانہ وار دشمنوں کو کاٹتا اور مارتا اور چیرتا ہوا نکل گیا۔[9]

باپ کی ناراضگی کے ایام میں حاجی خان ہیرپور اور پونچھ کے پہاڑوں میں پناہ گزین تھا۔اور چھ سال کے بعد بادشاہ نے اسے بمقام سوپور ملاقات کی تھی۔اور پھر اسے دارالخلافہ ہی میں اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔لیکن حالات چونکہ بادشاہ کی ضعیفی اور بھائیوں کی نا ہنجاریوں کی وجہ سے بد سے بدتر ہوتے جاتے رہتے تھے۔اس لئے بال بچوں کو اس نے پونچھ ہی میں رکھا۔جب اس کے بیٹے حسن خان کو پونچھ میں معلوم ہوا۔کہ ادہم خان کشمیر سے بھاگ گیا ہے۔اور اسکے باپ نے عروج حاصل کیا ہے۔اور اس کا دادا زین العابدین مرنے کے قریب ہے۔تو وہ سری نگر میں اپنے باپ کے پاس چلا آیا۔جس سے حاجی خان کی طاقت وقوت اور بھی زیادہ ہوگئی۔

بادشاہ کی وفات:

ضعیف العمری بجائے خود ایک بیماری ہے۔لیکن جب فرزندان ناہموار باہمی لڑائیوں میں مصروف ہوں۔بلکہ باپ کا مقابلہ کرنے اور اس کی جان لینے سے بھی دریغ نہ کرتے ہوں۔اور امراء اور مصاحبین فتنہ پردازیوں اور فتنہ سازیوں سے ایک دوسرے کو گرانے اور ذلیل کرنے کے درپے رہتے ہوں تو ان روحانی صدمات سے موت وحیات کی جو کشمکش ہے۔اس کو بدنصیب باپ کے لئے دائمی رخصت کا پیام لانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔

879ھ مطابق 1474ء کی ایک رات کا وہ وقت تھا۔جب خدائے قدوس کا نزول اجلال ساری دنیا پر چھا جاتا ہے۔اور رحمت حق اپنے بہت سے مضطر اور جویائے حقیقت قلوب کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے سیماب وار بے قرار ہو جاتی ہے۔ٹھیک اسی وقت ایک جلیل القدر بادشاہ کی مقدس اور سعید روح بقائے محبوب کے شوق میں رفیق اعلیٰ

سے جاملی۔ اوراپنے فداکاروں کوتڑپتاہوا چھوڑ گئی۔

بڈشاہ کہنے کو بادشاہ تھا۔لیکن ایسا بادشاہ نہیں تھا کہ رعایا کے کسی ادنیٰ فرد کی رسائی اس تک ناممکن ہوتی وہ بیوہ عورتوں یتیموں ناداروں محتاجوں اور ستم رسیدہ افراد کادستگیر تھا۔اوراپنے انصاف وعدل میں ہندواور مسلمانوں کو یکساں تصور کرتا تھا۔

اس کی موت دنیا شریعت وطریقت کے لئے ایک سانحہ عظیم تھی۔اسکی موت ملکی امن وفارغ البالی کے لئے صدمہ روح فرسا تھی۔امراء وزراء عالم اور صوفی' مشائخ اور شاعر' ہندو مسلمان سب اس مقدس انسان کے انتقال اور اس متاع عزیز کے لٹ جانے پر جس کو وہ' مرشد عالم و عالمیا'' سے کم نہ سمجھتے تھے۔جس قلب وزبان سے ماتم کناں تھے۔ کاش یہ ہردلعزیزی ومقبولیت اسکے جانشینوں کو بھی نصیب ہوسکتی۔

788ھ یا اس کے پس وپیش کے پیدائش کے مطابق بادشاہ کی عمر نوے سال سے زیادہ تھی۔باون سال اس نے بادشاہی کی سال وفات تو 879ھ سب نے لکھا ہے۔ لیکن یوم وفات کا کسی نے ذکر نہیں کیا رعایا کے ہر طبقہ اور ہر گروہ نے اپنے بادشاہ کا جو ماتم کیا۔اس نے ع'' دل بیگانگاں بہر تو خون است'' کا قول صحیح کردکھایا۔بادشاہ کی الم انگیز وفا ت پرنوح اور مرثیے لکھے گئے۔دوایک نوحوں کے چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔

سلطان زین العابدین	زو خیمہ در خلد بریں
بے نور شد تاج ونگین	بے ہور شد ارض وسماء
از بہر تار تخش عیان	بے سر شدہ اندر جہاں
عدل وکرم علم وحلم دیگر	چاہ وحشم صلح وصفا ا
دریغا بادشاہ مسلمین رفت	امام وقت زین العابدن رفت
جہاں تاریک شد از ماتم او	کہ خورشید زمان زیر وزمین رفت
کشید از آسمان سرہاتف غیب	ندادر داو ماہ ملک دین رفت
آسمان کا سر الف =ا	879=1+880ھ

بڈشاہ کی قبر اس کے باپ کی قبر کے سامنے مزار السلاطین میں بنائی گئی اور وہ

نادرالوجود ہستی جس نے اپنی انصاف پرور علم دوست اور بے تعصب حکومت کی وجہ سے کشمیر کی عظمت کا سکہ تمام ہندوستان اور ہندوستان سے باہر عرب روم اور ایران وخراسان تک بٹھار کھا تھا۔فوجی جاہ وجلال کے ساتھ سپرد خاک کردی گئی۔

زین العابدین عرف بڈ شاہ کی قبر ہی کے باعث آج مزار السلاطین مقبرہ بڈ شاہ کہلاتا ہے۔مقبرہ کے احاطہ کے اندر کشمیر کے کئی بادشاہ کئی شہزادے۔کئی بیگمات۔اور کئی نامی سردار اور مشائخ دفن ہیں۔لیکن مقبرہ بڈ شاہ کی جو حالت آج نظر آرہی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں کسی کو بھی شیخ سعدی کی اس زریں نصیحت۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار!!

کا خیال نہیں ہے۔

بڈ شاہ اور اکبر اعظم:

بڈ شاہ کو کشمیر میں اور اکبر کو سارے ہندوستان میں عظیم شہرت و ہر دلعزیزی حاصل ہے۔اور اس ہر دلعزیزی میں ان دونوں کا مقابلہ بھی کیا گیا ہے۔اکبر چونکہ سارے ہندوستان کا شہنشاہ تھا۔بڈ شاہ کی حکومت صرف کشمیر کاشغر وتبت و پنجاب اور سرحدات کے بعض حصص پر تھی۔اس لئے بقول صاحب '(اسلامک کلچر ان کشمیر) ان کی مماثلت ومشابہت ووسعت ملک کے لحاظ سے نہیں۔بلکہ وسعت اخلاق سے ہونی چاہیے۔

بڈ شاہ کے دربار میں بھی ابوالفضل' فیضی' بدایوانی' اور ٹوڈرمل' جیسے یگانہ روزگار مصاحب موجود تھے۔لیکن دقت یہ تھی کہ بڈ شاہ کے حالات کی کتابیں اور تاریخیں کشمیر کی چاردیواری ہی میں محدود رہیں۔اور انقلاب وروزگار سے آج ان میں سے بھی کئی ایک کو صفحہ عالم سے مٹا رکھا ہے۔اکبر کی عہد کی تاریخیں اس کی توسیع حکومت کے ساتھ سارے ہندوستان میں پھلتی گئیں۔اور جب ہندوستان میں مطالبہ کا اجراء ہوا۔تو ان کی شہرت نے ان کو زیورطبع سے آراستہ ہونے کا موقع بھی دے دیا۔

نیز اس کے دربار میں اہل فرنگ بھی آئے۔اور انہوں نے اپنے ملکوں میں واپس جاکر مشرقی درباروں کا بطہور عجائبات ذکر کیا۔اور بادشاہ کے حالات پر جس نے نصاریٰ کو

اپنے ملک میں ہر قسم کا آرام دیا۔ بلکہ ان کا بڑا اعزاز کیا تھا۔ کتابیں لکھیں اور شائع کیں او، مدارس کی تاریخ ہند نے نمایاں طور پر اکبر کو اپنے صفحات میں جگہ دی۔ پھر اکبر کے حالات جب مولانا آزاد دہلوی نے اردو زبان میں ۱۲ میں لکھے تو انہوں نے اپنی مشہور جادو نگاری سے اس کی شہرت کو بقائے دوام کا خلعت پہنایا۔ ۱۳

چھاپہ کی برکت نے نہ صرف اکبر کے عہد کی بلکہ اس سے ماسبق زمانہ کی کئی کتابیں بھی آج عام طور پر مل سکتی ہیں۔ لیکن کشمیر کی جتنی فارسی۔ کشمیری ۱۴ یا سنسکرت کی تاریخیں اور دیگر علوم وفنون کی کتابیں ہیں۔ اہل کشمیر کی تنگدلی و جہالت کی وجہ سے ہنوز پردہ گمنامی میں ہیں۔ بلکہ اکثر ضائع ہو چکی ہیں کچھ انگریزی اور جرمن سیاح خرید کر لے گئے۔ اور کچھ مالکان کتب کی نہ اہلیت کی وجہ سے کیڑوں کی نذر ہو رہی ہیں۔ ورنہ زین العابدین کے حالات میں زونہ راج زینہ ترنگنی۔ اور سوم پنڈت نے زینہ چرت کے نام سے جو کتابیں سنسکرت زبان میں لکھی ہیں۔ ان کا ترجمہ اگر کہیں شائع ہو جائے تو دنیا کو بڈشاہ کی طرز حکومت اور اس کی لازوال ہر دلعزیزی کا شاید کچھ علم ہو سکے کیا کسی اور مسلمان بادشاہ کے حالات بھی آج تک سنسکرت زبان میں لکھے گئے ہیں۔

یہ دعویٰ نہایت وثوق سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ زین العابدین سوائے توسیع مملکت کے تمام باتوں میں اکبر سے زیادہ مرتبہ رکھتا تھا۔ اور یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ زین العابدین نے 878ھ میں انتقال کیا۔ اور اکبر 963ھ میں تخت نشین ہوا۔ یا بہ الفاظ دیگر اکبر زین العابدین کی وفات کے پچاس سال بعد تخت پر بیٹھا۔ اور جب اس نے 994ھ میں کشمیر پر اقبضہ کیا۔ اور اس بڈشاہ کی ہر دلعزیزی کا علم اور اس کے عہد کی تاریخوں اور کتابوں کا پتا ملا تو اُس نے بڈشاہ کے حالات دریافت کرنے کے لئے کشمیر کی تاریخوں اور کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اور بڈشاہ کی زندگی اور اس کی طرز طرح حکومت سے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا۔

بڈشاہ خود عالم تھا۔ کئی زبانوں سے آگاہ تھا۔ علم وحدیث وفقہ میں درجہ اجتہاد نہ رکھتا ہو لیکن ان علوم پر اس کو کامل عبور تھا۔ مذہبی کتابوں کے لئے سرزمین حجاز تک زاد راہ دیکر لوگوں کو بھیجا تھا علماء ومشائخ کی قدر کرتا تھا۔

حوالہ جات

۱۔ آپ کا سلسلہ نسب چار واسطوں سے سیّد جلال الدین بخاری سے ملتا ہے۔ فتحیات کبرویہ قلمی صفحہ 312

۲۔ از احسن التواریخ قلمی مصنفہ مولوی عزیز الدین صاحب مفتی وقاضی کشمیر مرحوم۔ جو کشمیر کے مشہور مفتی شریف الدین صاحب کے والد تھے۔

۳۔ ماز احسن التواریخ قلمی مصنفہ مولوی عزیز الدین مرحوم

۴۔ صاحب اسلامک کلچران کشمیر صفحہ 88 بادشاہ کی صرف ایک ہی بیگم کا حوالہ دیتے ہیں جو غلط ہے۔

۵۔ فرشتہ بھی اسی واقعہ کی تائید کرتا ہے۔

۶۔ طبقات اور مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم میں تین سو اور تاریخ فرشتہ میں تین ہزار کا ذکر ہے۔

۷۔ صفحہ 46 مطبوعہ ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال۔

۸۔ صاحب اسلامک کلچران کشمیر (صفحہ 98 پر) اس واقعہ کو دلچسپ مگر غلط قرار دیتے ہیں۔

۹۔ حاجی خان الملقب بہ سلطان حیدر شاہ کے زمانہ میں لولی نام حجام کا اقتدار تمام وزراء پر غالب آ گیا۔ اور ملک میں بادشاہ کی غفلت اور وزراء کی خود غرضیوں سے شورش کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ تو ادہم خان ایک فوج کثیر جمع کر کے کشمیر پر حملہ آور ہونے کے لیئے جموں پر پہنچا۔ وہاں اس نے سنا کہ حسن خان کچھی بھی جس کی اعانت مدد سے حاجی خان کو بادشاہی نصیب ہوئی تھی۔ اس حجام کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اسی اثناء میں ملک دیو راجہ جموں پر مغلوں نے حملہ کا ارادہ کیا۔ راجہ جموں نے ادہم خان سے مدد مانگی۔ ادہم خان حملہ کشمیر کا ارادہ فسخ کر کے

راجہ کے ہمراہ مغلوں کی لڑائی میں شامل ہوا۔ دوران جنگ میں ایک تیر اس کے مسند پر آ کر لگا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ سلطان حیدر شاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے بہت افسوس کیا۔ اور راجہ جموّں کی معرفت اسکی لاش مگوا کر بہ اعزاز تمام اپنے باپ کر مقبرہ کے نزدیک دفن کرائی۔

۱۰۔ عدل، کرم، قلم، جاہ، حشم، صلح صفا کو بے سر کرنے یعنی ان لفظوں کا پہلا پہلا حرف اڑانے سے صرف 359 عدد نکلتے ہیں۔ حالانکہ وفات 879ھ میں ہوتی ہے۔ نیز مصرع میں حلم کا لفظ بہ فتح پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بہ سکون ہے۔ البتہ اگر مصرع تاریخ یہ قرار دیا جائے ''ع'' عدل کرم امن امان۔

زیب و خیم صلح صفا تو ہر لفظ بے سر کرنے یا اس کا پہلا حرف اڑانے سے 897ھ برآمد ہوتا ہے۔ جو صحیح سال وفات ہے۔ معلوم نہیں غلط مصرع کس طرح نقل در نقل ہوتا چلا آیا۔

۱۱۔ یہ مقبرہ زینہ کدل کے پل سے چند قدم آگے بر لب دریا ڈاکخانہ مہاراج گنج کے سامنے ہے۔ قبرستان کی چار دیواری تک سلامت نہیں ہے۔ تمام قبریں شکستہ اور خراب ہیں۔ اور روز بہ روز معدوم ہو رہی ہیں۔

۱۲۔ دربار اکبری عہد اکبری کی شاندار تاریخ ہے۔

۱۳۔ اس کے مقابلے میں بڈشاہ کے حالات اردو زبان میں لکھے تو مجھ جیسے بے مایہ و ہیچ مدان نے۔

۱۴۔ دیباچہ اسرار الابرار میں لکھا ہے۔ وتواریخ کشمیر بعضے بہ لغت کشمیر بعضے بہ زبان پارسی۔

پانچواں باب

بڈ شاہ کے ہمعصر سلاطین

جس زمانہ میں کشمیر کی مملکت پر سلطان زین العابدین نہایت جاہ وجلال اور استقلال سے حکومت کر رہا تھا۔ ہندوستان شاہانہ دہلی خصوصاً خاندان تغلق وسادات کی کمزوریوں کی وجہ سے کئی بادشاہوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ دہلی، دکن، مالوہ، گجرات، سندھ، بنگال، و بہار، ملتان، اور ممالک شرق یعنی جونپور وغیرہ سب جگہ الگ الگ بادشاہ تھے۔

شاہان دہلی:

بڈ شاہ کے 52 سالہ عہد حکومت میں دہلی نے چار بادشاہ دیکھے۔ ابوالفتح مبارک شاہ تخت نشینی 823ھ سلطان محمد شاہ 837ھ سلطان علاؤ الدین 849ھ یہ تینوں بادشاہ خضر خان بانئ خاندان سادات کی اولاد سے تھے۔ ان کے زوال کے ایام میں بہلول لودھی کا اقبال اپنے کمال کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ 855ھ میں وہ دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔ اور 893ھ تک حکومت کرتا رہا۔

شاہان دکّن:

دکن میں 825ھ میں یعنی بڈ شاہ سے ایک سال قبل سلطان احمد شاہ بہمنی تخت نشین ہوا اس کے بعد نظام شاہ اور محمد شاہ بہمنی یکے بعد دیگرے 887ھ تک حکومت کرتے رہے۔

شاہان گجرات:

گجرات میں بڈ شاہ کی تخت نشینی کے ایام میں سلطان احمد شاہ (بانئ احمد آباد گجرات) کی حکومت تھی 846ھ میں اس کا بیٹا محمد شاہ اور اس کی معزولی کے بعد 855ھ

میں سلطان قطب الدین تخت احمد آباد پر بیٹھا۔ اسکے بعد 873ھ میں احمد شاہ کے بیٹے داؤد شاہ نے سات دن تک حکومت کی۔ پھر اسی سال سلطان قطب الدین کا چھوٹا بھائی محمود شاہ تخت پر بیٹھا۔

شاہان مالوہ:

مالوہ میں جو راجہ بکرماجیت اور راجہ بھوج کا ملک ہے۔ بڈشاہ کے زمانہ اول میں ہوشنگ اور 838ھ میں اس کا بیٹا محمد شاہ بادشاہ تھا۔ 839ھ میں محمود خلجی نے اس خاندان کو تباہ کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ اور طویل حکومت کے بعد 873ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین اس کا بیٹا بادشاہ ہوا۔ اسی کے زمانہ میں بڈشاہ نے 879ھ میں وفات پائی۔

شاہان بنگال و بہار:

بڈشاہ کے ابتدائی چار سالوں میں بنگال و بہار میں سلطان احمد بن سلطان جلال الدین بادشاہ تھا۔ اسکے بعد ناصر الدین نے ایک ہفتہ اور ناصر شاہ نے (وفات 863ھ) 32 سال باربک شاہ نے ۱۷برس کے بعد 879ھ میں بڈشاہ کی وفات کے سال ہی میں انتقال کیا۔

شاہان جونپور:

سلاطین مشرقی میں بہ زمانہ بڈشاہ ابراہیم مشرقی (سال وفات 844ھ اس کے بعد اس کا بیٹا محمود مشرقی (وفات 863ھ) اس کے بعد اس کے دو بیٹے تخت نشین ہوئے۔ محمد شاہ صرف پانچ ماہ اور حسین شاہ جو بڈشاہ کی وفات کے زمانہ تک زندہ تھا۔

شاہان سندھ:

سندھ وٹھ میں 826ھ یعنی بڈشاہ کے سال جلوس میں جام تغلق بن جام سکندر بادشاہ تھا۔ جام تغلق کے بعد جام مبارک، جام سکندر، جام سنجر اور جام نظام الدین عرف نندا تخت پر بیٹھے۔ جام نند 864ھ میں بادشاہ ہوا اور 26 سال تک حکومت کرتا رہا۔

مملکت پنجاب:

بڈشاہ کے زمانے میں پنجاب ہر قسم کی بدامنیوں اور بے چینیوں کا مرکز تھا۔ کبھی با دشاہ دہلی کی طرف سے یہاں گورنر مقرر ہو کر آتے تھے۔ اور کبھی گکھڑوں کی قوم اس پر قابض ہو جاتی تھی۔ خود بڈشاہ فوجیوں نے بھی جسرت گکھڑ کو یہاں استقلال دیا۔ جسرت گکھڑ شیخا گکھڑ کا نام تیمور کے حملہ ہندو 801ھ سے بھی پہلے ہی صفحات تاریخ پر نظر آ رہا ہے۔ ان کی لوٹ مار سے پنجاب کو کبھی چین نصیب نہیں ہوا۔ جسرت گکھڑ 855ھ تک جب بہلول نے دہلی کی سلطنت پر قبضہ کیا ہے۔ زندہ تھا۔

بادشاہ کشمیر کے تعلقات دیگر بادشاہوں کے ساتھ:

اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ سلطان زین العابدین کے معاصرانہ تعلقات ہندوستان میں یا ہندوستان سے باہر کن کن بادشاہوں کے ساتھ تھے۔ کشمیری فرمانراؤں میں زین العابدین ہی سب سے پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے ممالک غیر بادشاہوں کیساتھ سلسلہ اتحاد قائم رکھنے کی ضرورت محسوس کی۔ بلکہ اکثر بادشاہوں نے خود تحفہ و تحائف بھیج کر اس کے ساتھ تعلقات قائم کئے۔ یہ سب بادشاہ بڈشاہ کی دوستی پر فخر کرتے۔ اور اس کی خوبیوں کے مداح تھے۔

گوالیار:

گوالیار کو اکبر کے زمانہ تک علم موسیقی میں خاص شہرت حاصل تھی۔ تان سین جس نے اکبر کے دربار میں آ کر تمام ہندوستان میں ناموری پیدا کر لی۔ گوالیار کا ہی باشندہ تھا۔ یہاں کے فرمانروا بھی اس فن سے نسبت خاص رکھتے تھے۔ بقول صاحب طبقات راجہ گوالیار کا نام ڈونگر سین تھا۔ جب اس نے سنا کے بادشاہ کشمیر کو علم موسیقی سے بہت رغبت ہے اور وہ موسیقی دانوں کی بہت قدر کرتا ہے۔ اور خود بھی اس علم میں مہارت تامہ رکھتا ہے۔ تو اس نے موسیقی اور سنگیت کی کتابوں کے دو تین نسخے اپنے معتبروں کے ہاتھ کشمیر بھیجے۔ صاحب مختصر التواریخ لکھتے ہیں۔ راجہ گوالیار چوں اطلاع یافت کہ سلطان را کہ علم موسیقی رغبتے است۔

دو سہ کتاب این فن مرسل داشتہ سلسلہ اخلاص واتحاد مرعی داشت ۔“ (ترجمہ: راجہ گوالیار کو جب اطلاع ہوئی کہ سلطان علم موسیقی سے رغبت رکھتا ہے تو اس فن کی دو تین کتابیں اس کے پاس بھیج کر اتحاد و اخلاص کا سلسلہ قائم کیا۔) صاحب طبقات لکھتے ہیں۔ علاوہ کتابوں کے اس نے بڈشاہ کے پاس اور بھی کئی تحائف بھیجے۔ اور سلسلہ ء اخلاص واتحاد قائم کیا۔

راجہ ڈونگرسین 872ھ میں انتقال کر گیا۔ اسکی جگہ اس کا فرزند راجہ کوپ مسند نشین ہوا۔ گوالیار کشمیر کے تعلقات و مراسم قائم تھے۔ ظاہر ہے کہ بڈشاہ نے ڈونگرسین کی تعزیت اور جدید راجہ کی مسند نشینی پر مبارک باد کے لئے ضرور اپنے معتبر گوالیار میں بھیجے ہوں گے۔

خراسان:

سلطان ابوسعید نے جو بابر بادشاہ کا جد امجد تھا۔ بادشاہ کشمیر کیلئے خراسان سے اسپان تازی۔ خچران راہوار اور شتران قوی ہیکل بھیجے۔ اور ایک خریطہ کے ذریعہ دوستانہ خیالات کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے ان تحائف کے عوض زعفران، کشمیری کاغذ، مشک، عطر، گلاب، سرکہ، اعلیٰ قسم کے شال اور بلور کے نفیس برتن اور کئی تحائف سلطان کے پاس بھیجے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بلور کے برتن بھی کشمیر میں تیار ہوا کرتے تھے۔

لاسہ:

والئی لاسہ نے جو تبت سے اوپر چین کی سرحد پر ہے۔ دو جانور جن کو راج ہنس کہتے تھے۔ اور جو نہایت خوش رنگ و خوش شکل تھے۔ جھیل مان سرودر سے پکڑ کر اس کے پاس بھجوائے۔ ان جانوروں کی خاصیت یہ تھی کہ پانی اور دودھ ملا کر ان کے روبرو رکھدیا جائے۔ تو وہ اپنی منقاروں سے دودھ کے اجزا پانی سے جدا کر لیتے تھے۔ بادشاہ نے ان کی اس خاصیت کا خود مشاہدہ کیا۔ اور جب دیکھا کہ ان جانوروں نے پیالوں سے دودھ کے اجزا پی لئے ہیں۔ اور باقی پانی ہی پانی رہ گیا ہے۔ تو وہ اس تحفہ سے بہت محظوظ ہوا۔[۲]

احمد آباد گجرات:

گجرات احمد آباد کے بادشاہ سلطان محمود شاہ نے جب زین العابدین کی رعایا نوا

زی اور علمی سرپستوں کی دھوم سنی۔ تو اس نے بھی اپنے دور دراز ملک سے ایسے نیک و عادل بادشاہ سے دوستی پیدا کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔ چنانچہ اکثر تحائف و نادرات اپنے آدمیوں کے ہاتھ ایک عریضہ شوق کے ہمراہ بادشاہ کو ارسال کئے۔

سندھ:

بڈشاہ کے طویل زمانہ حکومت میں تخت سندھ نے پانچ بادشاہوں کی قدم بوسی کی ہے۔ ان میں جام تغلق نے 28 سال اور جام نندا نے 62 سال بادشاہی کی ہے۔ جام نندا کی حکومت 926ھ تک رہی ہے۔ بڈشاہ نے اسی زمانہ میں 678ھ میں انتقال کیا تھا۔ صاحب طبقات لکھتے ہیں۔ بادشاہ سندھ نے اسپان تھوڑے اور دیگر تحائف اور بہت سا اسباب شاہانہ بڈشاہ کے پاس بھیجا۔ بلکہ ایک قصیدہ بھی بادشاہ کی شان میں لکھ کر ارسال کیا۔ صاحب طبقات رقم طراز ہیں کہ قصیدا پڑھکر بادشاہ کشمیر نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ وہ اس قسم کا بادشاہ ہے کہ خود بادشاہ اس کی شان میں قصیدہ مدحیہ لکھتے اور بہ اعزاز روانہ کرتے ہیں۔

سندھ کا یہ کون بادشاہ تھا۔ اس کی توضیح و تشریح کسی مؤرخ نے نہیں کی۔ غالباً جام تغلق یا جام نندا میں سے کوئی ایک ہوگا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ابوالفضل اور صاحب طبقات کی تحریروں کے مطابق زین العابدین سندھ تک بھی جا پہنچا۔

تخت دہلی:

خاندان سادات کے آخری تین بادشاہوں کے زمانہ ہر صوبہ تخت دہلی سے خودسر ہو رہا تھا۔ بلکہ خود زین العابدین نے اسی زمانہ میں پنجاب و سرہند تک اپنی فوجیں پہنچائیں۔ لیکن جب سلطان بہلول لودھی 855ھ میں دہلی کا بادشاہ ہوا۔ تو اس نے بڈشاہ کے پاس جو پنجاب میں اس کا زبردست ہمسایہ تھا۔ تحائف و نفائس بھیج کر رابطہ مئودت محکم کیا۔[3]

مکہ مصر اور روم:

ہندوستان کے علاوہ بادشاہ کشمیر کے ساتھ بیرون ہند کے اسلامی ممالک سے بھی

رابطہ دوستی قائم تھا۔ جن میں خراسان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ترکستان[۴] سیتان[۵] شریف مکہ۔ خدیو مصر سلطان مصر روم بھی بڈشاہ کی سطوت وشوکت کے قائل تھے۔ چنانچہ صاحب طبقات اکبری صفحہ (603) لکھتے ہیں۔ وحاکم مکہ معظم مکرم ومصر وگیلان وغیرہ آں نیز تحفہ وہدیہ فرستادہ ہمیں شیوہ ''رامرگ'' می داشتند'' (ترجمہ: مکہ منظمہ مصراور گیلان وغیرہ کے حاکم کو ہدیہ تحفہ بھیجا کرتا تھا' اوراپنی موت تک اس کا یہ شیوہ رہا۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ پنڈت پیربر کا ہچرو۔
۲۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم وطبقات اکبری۔
۳۔ طبقات اکبری۔
۴۔ اسلامک کلچران کشمیر (انگریزی)
۵۔ اسلامک کلچران کشمیر (انگریزی)

چھٹا باب

بڈشاہ کا شوق تعمیرات

بڈ شاہی عہد کا فن عمارت ۔شفاخانے مسافر خانے ۔ڈل میں بڈشاہی عمارت ۔باغات وقصبات ۔شاہی محلات بڈ شاہ کے ہفت زینہ بڈ شاہی عہد کے پل وزینہ گیر کی آبادی وشادابی ۔وغیرہ۔

بڈ شاہ کے تعمیری شوق کا ذکر تاریخوں میں:

مرزا حیدر کاشغری [1] جو کشمیر میں صاحب حکومت بھی رہا ہے۔ کشمیر کا سب سے قدیم فارسی مؤرخ ہے۔ جو ہمایوں کے عہد میں گزرا ہے۔ وہ اپنی تاریخ رشیدی میں بڈ شاہ کے شوق تعمیرات کا ذکر کرتا ہوا اس کی کئی عمارتوں اور اس کے کئی باغات بالخصوص زینہ لنک کی دلچسپ کیفیت سے اپنی تاریخ کے اوراق کو زینت دیتا ہے۔ اسی طرح بخشی نظام الدین احمد اپنی کتاب طبقات اکبری میں جو بڈ شاہ کی وفات کے قریباً سوا سو سال بعد لکھی گئی ہے۔ بڈ شاہی تعمیرات کا ذکر کرتا ہے۔ جہانگیر بھی اپنی توزک میں کشمیر کے اس جلیل القدر بادشاہ کی بزرگی و برتری کا ذکر کئے بغیر نہ رہ سکا وہ لکھتا ہے۔

اورا بڈ شاہ کلامی می گویند۔ خوارق عادات او بسیار نقل می کنند۔ آثار و علامات و عمارات او در کشمیر بسیار است [2]۔ (ترجمہ: اس کو بڈ شاہ کلامی کہتے ہیں اس کی خرق عادت باتیں بہت نقل کی جاتی ہیں اس کے زمانہ میں عمارات وغیرہ کشمیر میں بہت قائم ہوئیں۔

بعض دیگر تاریخوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان تین نادر مؤرخوں کے علاوہ زونہ راج اور سری ورد وغیرہ سنسکرت زبان کے قدیم مؤرخوں نے بھی بڈ شاہ کی تعمیری دلچسپیوں کی اکثر جگہ تعریف کی ہے۔ غرض یہ بادشاہ اس قدر تعمیری دلچسپیاں اور جدید

عمارات و باغات کا اس قدر شوق مبداء فیاض سے لے کر آیا تھا۔ کہ یقیناً اس لحاظ سے وہ اپنے زمانے کا شاہجہان تھا۔

اس نے علم طب کو رواج دیا۔ حکیم حاذق اور طبیب کامل جگہ جگہ سے بلوائے۔ دارالخلافہ میں تو شفا خانوں کی تعمیرات کا عام ذکر ہے۔ ممکن ہے دارالخلافہ کے علاوہ بعض دیگر مشہور مقامات میں بھی شفا خانے تعمیر کرائے ہوں۔ آمد و رفت کے رستوں میں منزلیں۔ سرائیں اور مسافر خانے تعمیر کرا کے بادشاہ نے اپنی مملکت کو دارالامان اور کشمیر کو جنت نظیر بنا دیا۔

صاحب اسلامک کلچران کشمیر؎۳ آرکیالوجیکل سروے رپوٹ 1906ء کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

کشمیر میں اسلامی فن عمارات کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) مغلیہ عہد سے قبل طرز تعمیرات (۲) چوبی طرز کی عمارت (۳) خالص مغلیہ طرز عمارت"

قدیم طرز عمارت:

شق اوّل میں دو بڑی شہرہ آفاق عمارتیں اب تک سری نگر میں بڈشاہ کے باپ سلطان سکندر بت شکن اور خود بڈشاہ کے زمانے کی موجود ہیں۔ ایک والدہ زین العابدین یعنی سلطان سکندر بت شکن کی بیگم کا مقبرہ جو مہاراج گنج میں احاطہ مزارالسلاطین کے ساتھ ایک بلند گمٹ (گنبد) کی صورت میں اب تک اقبال سکندری پر نوحہ کر رہا ہے۔ اس عمارت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس میں روغنی اور سانچہ کی ڈھلی ہوئی نیلے رنگ کی اینٹیں جو بیرونی دیواروں میں کچھ کچھ فاصلہ پر لگی ہوئی ہیں۔ اپنی قدیم صنعت کا ثبوت دیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت ایک مندر کے چبوترہ پر تعمیر کی گئی ہے۔

اسی طرح شہر میں حضرت سید مدنی کا مقبرہ ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ جو شاید اپنی شکستگی، و تباہ حالی کی وجہ سے فراموش کر دیا گیا ہے۔ بقول مسٹر نکولسن؎۴ اس کی رنگین ٹائیلوں کا کام ایک قدامت پسند کے لئے غیر معمولی دلچسپی کا سرمایہ ہے۔ اس رنگین کام کے بعض حصے اب بھی مقبرہ کی دیواروں پر اپنے متعدد پہلوؤں میں اپنے متضاد شوخ رنگ مٹے ہوئے

نقش و نگار کی صورت میں دکھا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹائیلوں کا کام مغلیہ عہد سے قبل بھی کشمیر میں رائج تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ 1444ء میں زین العابدین کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ اس قسم کی قدیم صنعت اب کشمیر میں اس درجہ معدوم ہے کہ ان دو عمارتوں کے سوا اس قسم کی کسی اور عمارت کا نشان ملنا قریباً ناممکن نظر آتا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی فتوحات اور ان کی عظیم الشان شوکت وسطوت کا اثر وسط ایشا کے گوشہ گوشہ میں سرایت کر چکا تھا۔ اور خطہ فردوس کا یہ ٹکڑا جس کا نام کشمیر ہے۔ تہذیب اسلام سے بلا واسطہ متمتع ہو رہا تھا۔ اور زین العابدین کے طویل عہد حکومت نے تو اس ملک کی شہرت چار دانگ عالم تک پہنچادی تھی۔

زین العابدین کے زمانہ میں چوبی طرز عمارت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بادشاہ ہنر پرور تھا۔ وہ ذات وصفات کی پرورش کی بجائے علم و ہنر کی قدر دانی میں زیادہ لطف پاتا تھا۔ سمرقند اور بخارا اور وسط ایشیا سے جو اہل ہنر اور صاحب فن اس کے ہمراہ آئے تھے۔ ان میں فن تعمیرات کے ماہرین بھی تھے۔ وہ ان کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اور وہ بھی قدردان بادشاہ کو خوش کرنے لئے اپنے اپنے کمال دکھاتے تھے۔ آج کشمیر کی عمارتوں میں جو بچی کھچی رنگینیاں دیکھ رہے ہو۔ اور چھتوں کے نقش و نگار میں جس صنعت پر احسنت و مرحبا کہتے ہو۔ یہ سب بڈشاہی قدردانیوں کا ظہور ہے۔

تعمیرات بڈشاہی:

بڈشاہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں جس قدر باغات احداث کئے۔ پل بنوائے۔ نہریں کھدوائیں۔ نئے شہر اور محلے اور دیہات آباد کئے۔ مساجد منار آباد اور مرمت و تعمیر کرائے۔ ان کی تفصیل تو بہت طویل ہے۔ مگر چند ایک حسب ذیل ہیں۔ نہروں کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

1۔ ونہ لنک در تالاب ڈل
2۔ زینہ لنک در تالاب وُلر
3۔ زینہ کدل اور نفس شہر سرینگر
4۔ زینہ بازار متصل زینہ کدل
5۔ زینہ ستھو ددر پرگنہ آڈون
6۔ زینہ ڈب درنوشہرہ سرینگر

7۔ زینہ گیر در علاقہ کامراج

8۔ پل سوپور بر دریائے بہت در وسط سوپور

9۔ زینہ مرگ در علاقہ پائین

10۔ زینہ کوٹ متصل اندر کوٹ

11۔ نوشہرہ۔ در سری نگر جانب شمال

12۔ زینہ کنڈل۔ کامراج

13۔ سلطان پورہ۔ کامراج

14۔ باغ بڈشاہی۔ اونتی پورہ

15۔ زینہ پورہ۔ پرگنہ آذون

16۔ جامع مسجد شوپیاں

17۔ جامع بارہ مولا

18۔ مسجد گاذیار اور نفس شہر متصل زینہ کدل

19۔ مزار السلاطین اور نفس شہر متصل زینہ کدل

20۔ مسجد جامع نوشہرہ در محلہ نوشہرہ

21۔ ہفت پل بڈشاہی

22۔ خانقاہ چرار شریف

23۔ خانقاہ اشم، موضع اشم

24۔ خانقاہ سید برخوردار در سری نگر

25۔ خانقاہ مدنی صاحب

26۔ زشٹی شور مندر

ڈل میں بڈشاہی عمارت:

ڈل بظاہر ثقیل ست اور ایک بھدا سا نام ہے۔ لیکن اپنے پانی صفائی اور لطافت اور اپنی بیش بہا پیداوار اور اپنی زمین چرائے جانے کی وجہ سے تمام کشمیر میں بلکہ دور دور مشہور ہے۔ ڈل کا طول مشرقی سمت گگری بل سے لے کر تیل بل تک تخمیناً تین میل ہے۔ اس کا عرض خواجہ یار بل سے لے کر نشاط باغ کے دروازہ تک دو میل۔ اور اس کے دور محیط کا اندازہ محققین نے دس میل تک لگایا ہے۔

زمانہ سلف میں جب کشمیر کا پانی کم ہو کر یہاں خشک زمین نکلا۔ تو ڈل کا موجودہ طول وعرض بھی ایک وسیع میدان بلکہ صحرا تھا۔ پرانی کتابوں میں نام اس صحرا کا تالنی مرگ[5] درج ہے۔ جب راجہ پرورسین[6] نے دریائے وتستہ کا پانی کوہ ماران کے نیچے لانے کی تجویز کی۔ تو نائیو پورہ کے مقام پر ایک طویل ومضبوط بند بنایا۔ جس نے دریا کے پانی کو پہاڑ کے قدموں پر لا کر بچھا دیا۔

راجہ درلب[7] درون کے زمانہ میں جب باوجود بہت سی احتیاطوں کے نہ تھمنے اور

نہ رکنے والی طغیانی آ گئی تو یہی میدان جہاں پر ورسین کے زمانہ سے صرف تھوڑا سا پانی وہ بھی کوہ ماران کے دامن میں جمع رہتا تھا ایک وسیع اور طویل وعریض جھیل بن گیا۔

ڈل میں مصنوعی جزیرہ سونہ لنک:

ڈل تین حصو میں منقسم ہے۔ایک ڈل کلاں۔ جو حضرت بل کے سامنے ہے۔ دو سرے ڈل خورد جس کا احاطہ کوہ سلیمان یا ہری پربت سے لیکر نشاط باغ تک ہے۔ تیسرے سدرہ کھون جو ہری پربت یا کوہ ماران کے نیچے ہے۔ اور نہایت عمیق ہے۔ حصہ اول یعنی ڈل کلان کے درمیان سلطان زین العابدین نے بہت سی بھرتی ڈال کر ایک مصنوعی جزیرہ سو نہ لنک کے نام سے احداث کیا۔ اس پر ایک محل تعمیر کرایا۔ جس کی شکل تاریخوں سہہ آشیانہ دار لکھی گئی ہے۔ چنانچہ صاحب تاریخ حسن لکھتے ہیں۔

''قصرے سہ آشیانہ دار برآن عمارت کردہ بود''

وہ عمارت بڈ شاہ کے زمانہ تک پوری رونق پر رہی۔ بادشاہ جب ڈل کی سیر کو آتا۔ یہاں دیر تک قیام کرتا۔ امراء وزراء ساتھ ہوتے۔ کبھی ملکی مشورے ہوتے۔ کبھی سیاسی گتھیاں سلجھائی جاتیں۔ کبھی معرفت وتصوف کے پھول جھڑتے۔ کبھی اس ظرافت ودل لگی سے بھی کام لیا جاتا جس کو استہزا نہیں بلکہ'' کالملح فی الطعام کہا جاتا ہے۔ بڈ شاہ کے بعد سو نہ لنک کا کیا حال ہوا۔ تاریخ کہتی ہے۔

''بحادثہ زلزلہ بہ شکست''

یہ جزیرہ عہد مغلیہ وافاغنہ میں:

زوال خاندان شہمیری اور تباہی چکان کے بعد جب کشمیر میں مغل اعظم یعنی شہنشاہ اکبر نے کہ وہ بھی کہ بڈ شاہ کی طرح اپنی طبعیت کی بوقلمونیوں سے عجائبات روزگار سے تھا۔ قدم رکھا۔ تو اس کے جانشینوں نے جو بڈ شاہ کی بزرگی اور رعایا پروری اور اس کی شان وشو کت کی قائل تھے۔ مرمت وتعمیر کے بعد سونہ لنک کے کھنڈرات کو پھر قصر شاہی بنا دیا۔

افغانوں کے عہد میں جوان شیر ے امیر خان کشمیر کا ایک نامور گورنر گزرا ہے۔

وہ بڑا امیر طبع اور عیش دوست تھا۔اس نے سونہ لنک کے چھوٹے سے جزیرے کو مغل بادشاہوں اور گورنروں سے بھی زیادہ رونق دی۔صاحب تاریخ حسن لکھتے ہیں۔

''امیر خان آن ترمیم کردہ بہ سبیل دولاب بالائے چنار۔آب کشیدہ در صحن عمارت فوارہ روح افزا برداشتہ۔ بہ تماشائے آں صرف اوقات می کرد'' (ترجمہ: امیر خان نے اس سے ترمیم کردی دولاب کی جھیل سے بالائے چنار پانی کھینچا اور عمارت کے صحن میں روح پرور فوارہ لگایا اس کے نظارے میں اپنا وقت خرچ کردیا۔

تاریخ حسن 1301ھ میں لکھی گئی ہے۔جس کو آج ایک سو سال سے زائد عرصہ گزرتا ہے۔اس زمانے میں سونہ لنک کا کیا حال تھا۔مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے۔''درین زمانہ عمارتش ویران'' لیکن آج اس جزیرہ کی جو حالت ہے۔وہ چونہ اور پتھروں کے ڈھیروں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ایک دو توت کے درخت ہیں۔اور ایک چنار کا درخت۔ اب آپ اپنی کہنگی و قدامت کا اشتہار دے رہا ہے۔

زین العابدین کے ہفت زینہ:

کشمیر میں کئی مقامات ایسے ہیں۔جو بڈ شاہ کے نام سے موسوم ہیں۔مثلاً بڈ مقام[8] بڈ سر[9] لیکن سات مقام ایسے ہیں جو زین العابدین کے نام سے تعلق خاص رکھتے ہیں۔اور کشمیر میں ہفت زینہ کے نام سے مشہور ہیں۔یہاں ان میں سے بعض کا بالا جمال بعض کا بالتفصیل ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) زینہ کوٹ:

اس کا ذکر سب سے پہلے جونراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک 1248ء میں جین کوٹ کے نام سے کیا ہے۔جونراج لکھتا ہے۔یہ گاؤں زین العابدین نے ملہان پورہ[10] (حال مالر) کامراج کے جنوب مشرقی کونہ میں جہاں زمین ہمیشہ دلدلی رہتی تھی آباد کیا تھا۔

ایک پرانی بیاض[11] میں زینہ کوٹ کے متعلق چند سطریں گزریں ہیں۔

صاحب بیاض نے ملا احمد کاشمیری ملک الشعرائے دربار بڈ شاہی کا ذکر کرتے ہو

ئے لکھا ہے۔ موضع زینہ کوٹ میں جب سلطان نے عمارات شاہی کی تکمیل کر لی تو ترکم[12]
چینی نام کی ایک صنعت کار (سنگ تراش) نے بادشاہ کے لئے سنگ سیاہ کا ایک حوض بنایا۔
جس کے فرش میں سنگ سفید لگایا گیا تھا۔ ملا احمد نے اس حوض کی تعریف میں ایک نظم لکھی
افسوس ہے وہ نظم مکمل نہیں مل سکی۔ بیاض بہت پرانی اور بوسیدہ ہے اور اکثر مقامات سے کاغذ
کرم خوردہ اور پھٹا ہوا ہے۔ اس نظم کا صرف ایک شعر سلامت ہے۔

ایک شعر کا پہلا مصرعہ سالم اور دوسرا نصف موجود ہے۔ باقی نظم کیڑوں کی خوراک ہوگئی۔ چنانچہ یہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

حوضے کے دست ترکم چینی زبہر شاہ

باصد صفائے دست زسنگ سیاہ بست

فرش سفید درتہ آب زلال حوض

(پڑھا نہیں[13] گیا) از دل ماہی بہ ماہ بست

زینہ کوٹ میں جو سنبل کے نزدیک ہے۔ بادشاہی عمارت کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ حمام اور حمام کے صحن کے پتھر اور حوض کے نشانات اب بھی ایک دردمند کے سینہ میں زخم بے نشان پیدا کرنے کے لئے تیر بے کمان کا کام دے رہے ہیں۔

زینہ کدل:

اس کا ذکر پلوں کے بیان میں پڑھئے۔

زینہ بازار:

یہ بازار زینہ کدل سے نائد کدل تک چلا گیا ہے۔ اس زمانہ کی رونق و آبادی پر غور کرو۔ اور یہ بھی دیکھو کہ بادشاہ کو اپنے آباد کردہ مقامات سے کس قسم کی دل بستگی و دلچسپی ہوتی تھی۔ پھر اندازہ لگاؤ کے اس بازار میں کیا کچھ رونق نہ ہوتی ہوگی۔

زینہ پور:

اس کا نام سنسکرت کی تاریخوں میں جین پور یا جین نگر درج ہے۔ یہ گاؤں زین

العابدین نے مدوراجیئہ (مراج) میں آباد کیا۔اور بعد میں اپنی رونق وشادابی کی وجہ سے ایک پرگنہ مشہور ہوگیا۔یہ موضع ایک کریوہ پرآباد ہے۔سری نگر سے اس کا فاصلہ بجانب گوشہ جنوب قریباً پندرہ میل ہے۔اس کی بنا کے متعلق مشہور ہے۔کہ شیخ شمس الدین ؒ بغدادی ایک بزرگ تھے۔جو بڈشاہ کے زمانہ میں کشمیرآئے۔جب اس کریوہ پر پہنچے۔تو اس کی غیر آبادی سنسانی کے باوجود جب یہاں ہوآئے دل کشا اور فضائے روح افزاء دیکھی تو اسی ویرانہ کو اپنا مسکن بنالیا۔فقراء کی ایک جماعت بھی ساتھ تھی۔مطبخ ہر وقت گرم رہتا تھا۔اور جو آتا تھا وہ خالی نہ جاتا تھا۔بادشاہ نے بھی شیخ بغدادی کی شہرت سنی۔ان کو بلوانے کی بجائے خود وہاں جاناں مناسب سمجھا۔چنانچہ گیا۔اور ارادت مندی کا تحفہ لے کر گیا۔بادشاہ نے شیخ کی خاطر یہاں زینہ پور کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا۔ایک نہر جاری کی جس کی سد بندی آج تک زینہ ستھو کے نام سے مشہور ہے۔اس نہر کی آبپاشی سے کئی دیہات آباد وسرسبز ہو گئے۔شیخ بغدادی کا مزار بھی زینہ پور ہی میں مرجع خلائق ہے۔

شیخ کے ساتھ بادشاہ کو عقیدت مندی تھی۔اس لئے وہ اکثر یہاں آیا کرتا۔بیان کیا جاتا ہے کہ جب شیخ نے اپنی عبادت میں ہرج آتے دیکھا تو بادشاہ سے فرمایا ''فقیران ہمسر بادشاہاں ہستند و بادشاہ درینجا کجامی گنجند'' (ترجمہ:فقیر بادشاہوں کے ہمسر ہوئے ہیں اور بادشاہ اس جگہ کہاں سما سکتے ہیں) بادشاہ تو عجائبات کا مجموعہ تھا۔اس نے وہاں جانا ترک کردیا۔اسی واقعہ کے بعد بادشاہ نوشہرہ کی راجدھانی کو آباد کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے زین العابدین کی وفات کے قریباً ایک سو سال بعد تک زینہ پورہ کو خاصی اہمیت رہی ہے۔چنانچہ خاندان چک کے بادشاہ حسین شاہ والئی کشمیر نے اپنے آخری عہد میں جب اپنے چھوٹے بھائی علی خان کو مملکت وحکومت سپرد کر کے تخت پر بٹھادیا۔اور آپ موضع زینہ پورہ میں جو زین العابدین کا آباد کردہ تھا۔اور طراوت ونظارت اور باغ و بہار کی وجہ سے دارالسرّ ور تھا چلا آیا اور وہیں 977ھ میں جان بحق ہوگیا۔

علی خان نے بادشاہ ہو کر اپنا نام علیشاہ رکھا 978ھ میں تخت پر بیٹھا۔اس کا بھائی حسن خان ہنگامہ برپا کر کے تخت وسلطنت کے دعویٰ کے لئے ایک جماعت کو اپنا طرفدار بنا رہا تھا۔علیشاہ نے قلعہ زینہ پور میں اس کو محبوس کیا۔تین ماہ کی صعوبتوں کے بعد

حسن خان نے اسی قلعہ میں وفات پائی۔

آج زینہ پور میں نہ وہ قطعہ ہے۔ نہ شاہی عمارات ہیں۔ یہ ایسی اور علامتیں باقی ہیں۔ جن سے یہ شبہ تک بہ نہ ہو سکے۔ کہ یہ مقام بھی کبھی دارالخلافہ کی ہمسری کیا کیا کرتا تھا۔ کیا عجب مرقد بڈشاہ سے آئے جوندا

ہائے زین پور تیرا کیا حال ہوا میرے بعد

تاریخ حسن سے معلوم ہوتا ہے کہ زین پور کے باغہائے دلکشا اور عمارات عالیہ! عجوبہ روزگار تھیں۔ اور یہ سب فراز کریوہ پر تھیں۔ مغلیہ دور حکومت تک ان کے آثاروں میں کچھ نہ کچھ جان موجود تھی۔

زینہ ڈب یا راجدہانی نوشہرہ:

یہ مقام جو آج سری نگر کا ایک دور افتادہ محلہ ہے۔ دارالحکومت شیر گڈھی (سرینگر) سے قریباً چار پانچ کے فاصلے پر ملہ شاہی باغ کو جاتے ہوئے رستہ میں آتا ہے۔ نوشہرہ نئے شہر کو کہتے ہیں۔ اور بڈشاہ نے بھی عالیشان عمارتوں کا ایک رفیع و وسیع سلسلہ قائم کر کے سری نگر کے شمالی پہلو میں ایک نیا شہر آباد کیا تھا۔

چونکہ بادشاہ خود یہاں رہتا تھا۔ اور یہیں دفاتر وغیرہ تھے۔ اس لئے نوشہرہ کو راجدھانی بھی کشمیری زبان میں کہتے تھے۔ دبّ یا ڈبّ کے معنی محل یا منزل ہے۔ اس لئے سرکاری کاغذات میں یہ محلات زینہ دب کے نام سے موسوم تھی۔

بادشاہ نے اس مقام کو جی کھول کر رونق دی۔ نالہ بل کے پاس ایک وسیع خوشنما باغ بنوایا۔ اسی باغ کے کھنڈرات پر شاہ جہاں کے زمانہ نواب علی مردان خان گورنر کمشنر نے ''حویلی ہائے سنگین وفوارہ وآبشار دلنشین برائے بود و باش خود احداث'' کرائے۔ نواب علی مردان خان نے اس کا نام باغ حیدر آباد رکھا۔

بادشاہ نے نوشہرہ میں بارہ منزلہ عمارت کا جو دربار عام تعمیر کرایا۔ صنعت وحرفت، نقش ونگار اور وسعت وسربلندی میں رشک زمانہ اور عجوبہ روزگار تھا۔ ہر منزل میں پانچ حجرے تھے۔ اور ہر حجرے میں پانچ سو آدمی سما سکتے تھے۔ گویا اس مکان میں 25 ہزار

آدمیوں کی گنجائش تھی ۔اور پھر لطف یہ کہ اس تمام عمارت میں اینٹ پتھر چونہ کہیں نام کو نہ تھا۔تمام عمارت لکڑی کی تھی ۔اور کشمیری صنعت کا بے مثل نمونہ تھی ۔مرزا حیدر کاشغری تاریخ رشیدی میں اس عمارت کے متعلق لکھتا ہے۔

عمارتے بہ این رفعت و وسعت در عالم مثل کوشک ہشت بہشت سلطان یعقوب در تبریز۔وکوشک باغ زاغان وباغ سفید وباغ شہر در ہرات اند۔کوشک سرائے نوغاق سرائے وباغ دلکشا وباغ بوللری کہ در سمر قند است دیدہ شدہ ۔اماطرح سیاق ولطافت کہ آن بادارند ۔این ندارد وغرابت ایں عمارت بیشتر ازاں است [15] ''

ترجمہ :ایک ایسی عمارت کہ جس وسعت اور شان شوکت قابل دید ہے۔جیسا کہ تبریز میں سلطان یعقوب کا 'ہشت بیشت محل ہے' ھرات شہر میں باغ زرغاں وباغ سفیر کا محل ہے' اور سمر قند میں سرائے تو قاف وباغ دلکشا کا محل ہے ۔البتہ اس عمارت کی لطافت وباقی عمارتوں سے بہت عمدہ نہ سہی' نئے پہلوؤں کے اعتبار سے ان سے بہتر ہے۔

بادشاہ بز مانہ شہزادگی سمر قند میں کئی سال تک رہا ہے ۔اس نے جس قسم کے باغات وہاں دیکھے ہوں گے ۔ان کا نمونہ اپنے ملک میں بھی تیار کرنے کی کوشش کی ہوگی ۔ مرزا حیدر یہ تسلیم کرتا ہے۔کہ بلحاظ خوبصورتی ووضع کشمیر کا زینہ دب گو سمر قند وہرات اور تبریز کی تعمیرات کا مقابلہ نہیں کر سکا۔تاہم وہ دنیا کی عجیب تر عمارتوں میں سے ہے صاحب طبقات [16] اکبری تعمیرات بڈ شاہی کے دوران میں نوشہرہ کی آبادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دبہ نزدیک کوہ ماران جوے را آوردہ ۔شہرے بنا کردہ ۔کہ آبادانیے اوبنج کردہ بود۔ودیگر شہر بارا آبادان کردہ۔

ترجمہ: کوہ ماراں کے نزدیک پانی کی ایک نہر لایا' شہر کی ابتدا کی ۔اس کی آبادکاری کی ۔کوشش کی اور شہر آباد کئے۔

اس زمانہ میں نوشہرہ کی رونق کس عروج پر ہوگی ۔اس کا اندازہ لگانا آج جبکہ اس محلہ میں سناٹا چھایا رہتا ہے ۔ بہت دشوار ہے ۔ان مقامات پر اس نے علماء وفضلاء

اور مساکین کو خود آباد کیا۔ اور ہمیشہ ان کے حال پر نظر شاہانہ رکھی۔ امراء، وزراء نے بھی بادشاہ کی تقلید میں یہیں مکانات تعمیر کرائے۔

بادشاہ علاقہ لار سے نالۂ سندھ کو کاٹ کر ایک نہر لایا۔ جو محلات زینہ دب کے مختلف صحنوں سے گزرتی اور حوضوں اور فواروں کی خوبصورتی سے محلات کی شان کو دو بالا کرتی تھی۔ المئولف

فیض آب لاہور پہنچا ہے کہاں   قصر بڈشاہی بنا باغ جناں

بادشاہ نے باغات وعمارات کے علاوہ ایک عالی شان مسجد جامع یہاں تعمیر کرائی جو 1153ھ تک یعنی آج 1403ھ ڈیڑھ سو سال پیشتر تک موجود ہے۔ چنانچہ صاحب فتحیات کبرویہ[17] لکھتے ہیں۔ لہذ؟ ز مسجد نمودہ وے از حالات او بومی دہد۔ یہ مسجد چشمہ مختہ ٹھپکری کے بالکل متصل تھی۔

بڈشاہی زمانہ سے اس محلہ میں کاغذ ساز رہتے ہیں۔ بادشاہ نے ان کے مدد معاش کے طور پر پرگنہ پھاگ کی آمدنی بطور جاگیر و پرورش ان کو عطا کر رکھی تھی۔ مغل بادشاہوں کے زمانہ میں بھی کاغذ سازوں نے کشمیری کاغذ کی شہرت قائم رکھی۔

اخوند ملا کبیر (استاد بادشاہ) خواجہ حبیب اللہ اور اخوند ملاّ شمس الدین کی زیارت گاہیں نوشہرہ کے عین وسط میں واقع ہے۔ راجد[18] ھانی یار از دانی جواد پن کے نام سے بھی مشہور ہے کے ٹوٹے پھوٹے آثار ابھی تک نواحات نوشہرہ میں چشم عبرت کو نظر آتے ہیں۔

آسمان سے بھی تھا پایہ جن کی رفعت کا بلند
ہائے کیوں کر کھا گئی ان آسمانوں کو نہ میں

ولر میں زینہ لنک کی تعمیر:

بڈشاہ نے ایک دن سید جان بازوئی کے ہمراہ دریا کی سیر کرتا ہوا ولر[19] کی طرف جانکلا۔ جب عین وسط ولر میں پہنچا۔ تو بادشاہ نے سید صاحب سے کہا۔ کہ یہ جگہ بڑی خوف و دردناک ہے۔ اس کے چاروں طرف دریا حائل ہے۔ جب اس کا پانی موجزن ہوتا ہے۔ اور پھر اس میں تلاطم وطوفان پیدا ہوتا ہے۔ تو لوگوں کو کوئی جائے پناہ نظر نہیں آتی سب

ور لمدئ ہلاکت میں ڈوب جاتے ہیں۔اور کوئی بھی اپنی جان کو ساحل تک سلامت نہیں لے جاسکتا۔(بقول محوی صدیقی) ؎

وہ منظر بھی آلہی کیا قیامت خیز منظر تھا
کہ میں ڈوبا کیا دیکھا کئی احباب ساحل سے

اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ولر کے عین درمیان ایک جزیرہ آباد کروں۔جس پر ایک عبادت خانہ اور ایک احاطہ تعمیر کروں۔تا کہ ولر کے مسافروں کے اندر کچھ تو آرام و آسائش کی جگہ نظر آئے۔لیکن یہ کام بہت مشکل ہے۔اس میں ہمت مردان کے ساتھ دعائے بزرگان کی بھی ضرورت ہے۔کہ"انفاس زندہ دلاں مددگار بادشاہان است [۲۰] (کہ زندہ دلوں کے انفاس طیبہ بادشاہوں کے مددگار ہوتے ہیں۔میں آپ سے اس کام کے لئے فاتحہ خیر کی درخواست کرتا ہوں سید جان باز نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔بادشاہ اور سید رات کو سوپور میں ٹھہرے۔صبح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی سید تو بارہ مولا روانہ ہو گئے اور بادشاہ سری نگر چلا گیا۔

اب یہ شہر ہر برنا و پیر اور ہر کوچہ و بازار تک جا پہنچی تھی۔کہ بادشاہ ولر میں ایک محل تیار کرانے والا۔اس کے لئے ایام زمستان سازگار زمانہ تھا۔کیونکہ اس موسم میں پانی کم ہو جاتا ہے۔اور ماہی گیر بھی اس زمانہ میں کچھ نہ کچھ ایسی چیزیں دستیاب کر لیتے تھے۔جن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کسی زمانہ میں کوئی عظیم الشان شہر آباد رہ چکا ہے۔

جب یہ موسم آیا تو بادشاہ نے بڑے بڑے غواص بلوائے جو چھ چھ سات سات گھنٹوں تک پانی کے نیچے رہ سکتے تھے۔حکم دیا کہ ولر کے سط میں جا کر سطح آب کے نیچے سب کچھ چھان مارو۔جو جگہ بلند اور سخت نظر آئے۔اس کو دیکھو اور بتاؤ تا کہ وہاں بسہولت تمام عمارت بن سکے۔

ایک بت خانہ کے آثار:

چنانچہ بڑی کوشش کے بعد ایک سنگی بت خانہ کے آثار ملے بادشاہ کو اطلاع ہوئی فرطِ خوشی سے خود کشتی پر سوار ہو کر آیا۔خواصوں کو حکم دیا کہ اس بت خانہ کے اندر جائیں۔اور

دیکھیں وہاں کیا کیا ہے۔ خواصوں نے پھر غوطے لگائے۔ پانی کے اندر جا کر بت خانہ کے کونہ کونہ کی تلاش لی۔ آخر غواص دو بت [21] کہ ہندوؤں رن کو مورتیاں کہتے تھے۔ نکال لائے۔

زینہ لنک کی بنیاد و تعمیر:

جہانگیر نے اپنی توزک میں جہاں سلسلہ جشن دویمن نوروز [22] کا ذکر کیا ہے۔ وہاں کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے بڈشاہ کے متعلق بھی بہت لکھا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ ایسا ہی لکھا ہے۔ جیسا ایک بادشاہ کو دوسرے بادشاہ کے متعلق لکھنا مناسب تھا۔ اسی سلسلہ میں زینہ لنک کا ذکر اس نے ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے'' کشمیر میں زین العابدین کی جس کو بڈشاہ یعنی شہنشاہ معظم بھی کہتے ہیں۔ بہت سی علامات و عمارات ہیں۔ منجملہ ان کے ایک آبگیر کے درمیان جس کا نام اولر ہے۔ اور عرض و طول جس کا تین کوس سے زیادہ ہے ایک عمارت زینہ لنک بنائی ہے۔ جس کی بنیاد رکھنے میں بڑی کوشش سے کام لیا گیا ہے اس آبگیر کی تہ عمیق ہے۔ بادشاہ نے اول اول ان میں کشتیوں میں پتھر بھر بھر کے ڈالے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر کئی ہزار کشتیاں پتھروں سے بھر کر اس میں ڈبوئیں۔''

اس کے بعد بقول صاحب اسرار الابرار سلطان نے ایک نہایت طول و طویل کشتی تیار کرائی جس کو دراصل چھوٹا سا جہاز کہنا چاہئے۔ اور جس کی ساخت کے لئے کشمیر کے علاوہ گجرات وغیرہ دور دور مقامات سے نجار بلوائے گئے تھے۔ اس کشتی کو بادبانوں کے ذریعہ جھیل ولر میں اس مقام پر ڈالا گیا۔ جہاں سے وہ بت خانہ نکالا تھا۔ کشتی میں پتھر مٹی اور پتھر بکثرت ڈالا گیا۔ اس کو ہموار و مسطح بنا کر اس پر زینہ لنک کی بنیاد رکھی گئی۔

جہانگیر لکھتا ہے۔ بادشاہ نے پانی کے اوپر اس طریق سے جو زمین پیدا کی۔ وہ سو گز مربع تھی۔ اس کے چاروں طرف اس نے عمارت بنوائیں ایک عبادت کدہ بھی اپنے پروردگار کی عبادت کے لئے تعمیر کرایا۔ اکثر اوقات وہ کشتی میں بیٹھ کر یہاں آتا۔ اور بہت سے چلے کھینچتا۔

زینہ لنک کا قطعہ تاریخ:

یہ عالی منظر کا شانہ جو زینہ لنک کے نام سے موسوم تھا۔ تین طبقوں پر تھا۔ پہلا طبقہ پتھروں سے دوسرا اینٹوں سے اور تیسرا لکڑیوں کی خوشنما عمارت سے تیار کیا گیا تھا۔[۲۳]

بادشاہ نے اس محل اور عبادت کو اور آرام گاہ عوام کی تیاری میں سید جان بازولی" جیسے خدا رسیدہ بزرگ سے دعائے خیر و کامیابی کرائی' خود محنت و جانکاہی سے اس کو اختتام تک پہنچایا۔ ملک کا بہت سارو پیہ اس کام پر خرچ کیا۔ ظاہر ہے جب یہ عمارت تکمیل تک پہنچی ہو گی تو اسے بے انتہا خوشی حاصل ہوئی ہو گی۔ اس چھوٹے سے ٹکڑے کو اس نے علاوہ عمارت کے ایک باغ دلکشا اور مختلف اشجار باثمر و بے ثمر سے سجایا۔ امیراء وزراء نے مبارک بادیں دیں۔ شعراء نے قصائد لکھے۔ جن میں سے صرف ایک قطعہ تاریخ مختلف تاریخوں میں درج ہے اور جو حسب ذیل ہے۔

این بقعۂ چو بنیاد فلک محکم باد ‏ ‏ ‏ مشہور بہ زینہ ڈینب درعالم باد
شہ زین عباد قا کہ درو جشن کند ‏ ‏ ‏ پیوستہ تاریخ خودش خرم باد 847ھ

زینہ لنک کا طول وعرض:

جہانگیر جس کی حکومت کشمیر کا زمانہ بڈشاہ سے قریباً ڈیڑھ سو سال بعد ہوا ہے اس جزیرہ کی وسعت سو مربع گز لکھتا ہے۔ مرزا حیدر جو بڈشاہ سے قریباً ستر سال بعد کشمیر میں سلطان نازک شاہ کے نام پر حکومت کرتا رہا ہے۔ اس حکومت کی وسعت دو سو مربع گز اور اس کی بلندی 30 فٹ یا دس گز لکھتا ہے۔

اور یہ بھی لکھتا ہے۔ اس جزیرہ میں بادشاہ نے دلکش محل کے علاوہ بہت سے درخت بھی نصب کرائے۔ یہاں تک کہ اس خوشنما نظارہ کا اور ایسی موزون جگہ کا کوئی اور مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔[۲۴]

اس کے بعد پیرزادہ حسن شاہ اپنی تاریخ حسن میں اس جزیرہ کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

جزیرہ وسیع کہ طول آں از شمال تا جنوب یک صد درعہ و عرض ۷۵ درعہ می باشد بلند افراشتہ''

ترجمہ جزیرہ اتنا وسیع تھا کہ شمال سے جنوب ایک سو گز لمبا اور 75 گز چوڑا تھا اور بلند تھا۔'' جزیرہ کی وسعت کے متعلق تینوں مؤرخوں کے بیان مختلف ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تینوں صحیح ہیں۔ مرزا حیدر کے زمانہ میں جو بڈشاہ کا قریب تر زمانہ ہے۔ جزیرہ لنک اپنی پوری شان و شوکت پر ہوگا۔ اس لئے اس کی وسعت اور اس کو خوشنمائی میں بھی چنداں فرق نہ آیا ہوگا۔ جہانگیر کے زمانہ میں جس کو بڈشاہ کے بعد ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گذر چکا تھا پہلے باہمی خانہ جنگیوں پھر انقلاب سلطنت کے بعد زینہ لنک کسمپرسی کی حالت میں رہا ہوگا اس لئے اس کی خرابی و بربادی کی وجہ سے عمارت جوں جوں کرتی جاتی ہوگی۔ پانی نزدیک آتا ہوگا۔ اور اس طرح اس جزیرہ کی وسعت کم ہوگئی ہوگی۔ تاریخ حسن کا مصنف بھی جو وسعت اس کی لکھتا ہے۔ وہ صحیح سمجھنی چاہئے اس لئے کہ عمارت اور چاردواری اور اشجار وغیرہ کے انہدام سے تمام کھنڈرات تہ آب ہوگئے ہوں گے۔

زینہ لنک کی موجودہ حالت:

تاریخ حسن میں جس کی تصنیف کو آج صرف 47 سال گذرے ہیں۔ لکھا ہے ''مسجد رنگین تا حال موجود است'' تعمیر ساخت وہی مسجد ے رنگین ہے۔ جس کو جہانگیر نے اپنی توزک میں لکھا ہے۔

''عبادت کدہ بہ جہت پرستش پروردگار خود ترتیب دادہ اسی طرح خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ اعظمی میں جس کی تصنیف کو دو سو سال کا عرصہ گذرا ہے زینہ لنک کے قطعہ تاریخ ''پیوستہ چو تاریخ خودش خرم باد'' کے چاروں مصرعوں کے متعلق لکھتے ہیں ۔ یہ تاریخ تا حال ایک پتھر پر منقش ہے۔ لیکن جب راقم السطور 1337ھ مطابق 1918ء میں زینہ لنک کے کھنڈرات دیکھنے گیا۔ تو نہ وہاں قطعہ تاریخ کسی پتھر پر منقش تھا اور نہ مسجد اپنی رنگینیوں کے ساتھ موجود تھی۔

زینہ لنک جس کے تین آشیانے تھے یعنی ایک پتھروں کا ایک اینٹوں کا ایک لکڑی

کا۔ان میں سے کوئی بھی سلامت نہ تھا۔دو بالائی آشیانوں کا تو وجود ہی نہیں تھا۔جو طبقہ سب سے نیچے تھا۔اس کے کچھ برے بھلے آثار قائم تھے۔چوہے ہر طرف دوڑ رہے تھے پتھروں کے ڈھیر چاروں طرف لگے ہوئے تھے اور توتوں[۲۵] کے چند درخت اپنے خشک پتوں اور بوسیدہ وجود سے اپنی کہنگی کا ثبوت دے رہے تھے۔اور اس عالی شان عمارت پر جس کے متعلق جہانگیر نے لکھا ہے کہ کشمیر کے اور بادشاہوں نے بھی زینہ لنک کے تین ضلعوں میں عمارتیں بنائیں۔لیکن کوئی عمارت زین العابدین کی عمارت کے پایہ کو نہ پہنچی تھی حسرت و افسوس کے بادل چھا رہے تھے۔

زینہ لنک یا خرم آباد:

قطعہ تاریخ ''خرم آباد''[۲۶] کی وجہ سے اس عمارت کا نام خرم آباد بھی مشہور ہو گیا۔ بادشاہ اس کو زینہ لنک بھی کہتا تھا۔اور خرم آباد بھی۔لیکن عوام میں زینہ لنک کے نام نے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔

سوپور سے صفاپور تک طویل ستھو:

سوپور سے صفاپور تک دس میل کا فاصلہ ہے۔بادشاہ نے زینہ لنک یا خرم آباد کی حفاظت کے لئے اس طویل فاصلہ پر ایک طویل ستھو بنایا۔اور ایک گاؤں رادوگام اس ستھو کی مرمت وغیرہ کے لئے وقف کر دیا۔بقول صاحب وجیز التواریخ ایک گاؤں نہیں بلکہ دو تھے۔اور سالہا سال تک ان کا مالیہ اس ستھو کی مرمت و حفاظت پر صرف ہوتا رہا۔آج بھی شاہ گنڈ اور جہانگیر گنڈ اور حاجن میں اس ستھو کا وجود موجود ہے۔

اس ستھو پر جو پتھر صرف ہوا ہے وہ بت خانہ تاپر[۲۷] سے جس کو سلطان بت شکن نے مسمار کر دیا تھا۔حاصل کیا گیا تھا۔جیسا کہ سطور ذیل سے ظاہر ہوگا۔

از صفاپور[۲۸] تا سوپور سد محکمے بنا کردہ سنگ ہائے بت خانہ تاپر کہ پیش از عمل او خراب شدہ بود۔آوردہ استحکام نمود''

ترجمہ: صفاپور سے سوپور تک ایک مضبوط دیوار بنائی۔تاپر کے بت خانہ کے پتھر

کہ قبل ازیں عمارت سے خراب ہو چکے تھے۔ لائے گئے اور اس دیوار کو مضبوط کیا گیا۔

زینہ لنک میں جشن عظیم:

جب یہ شاہی عمارت تکمیل کو پہنچی۔ تو بادشاہ نے ایک جشن عام کی تیاریاں کیں۔ اسباب نشاط وسرور اور آلات عیش وطرب حکم شاہی کے ساتھ ہی مہیا ہو گئے۔ ارکان دولت حاضر ہوئے۔ نذرونیاز اور پیشکش کا دربار منعقد ہوا۔ بادشاہ نے داد ودہش کے منہ کھول دئے۔ غریب امیر سب نہال ہو گئے۔ شعرآء نے قصائد لکھے۔ اور انعامات حاصل کئے۔ بلکہ مستحقین کو توقع سے زیادہ ملا۔ بقول شاعر

وہ لوگ تری داد ودہش دیکھ لیں آکر
جو کہتے ہیں ملتا نہیں قسمت سے زیادہ

بادشاہ کو میر سید اویسی سے بہت محبت تھی۔ لیکن وہ باوجود بادشاہ کا منہ بولا فرزند کہلانے کے بادشاہوں کی صحبت سے کنارہ کش رہتے تھے۔ اور ذوق تنہائی پر دونوں جہاں کی مسرتیں قربان کر دیا کرتے تھے۔ بادشاہ نے اس جشن عظیم کی شرکت کے لئے ان کو باصرار بلوا بھیجا۔ بعض امرآء نے پیغام دعوت کے ساتھ ہی یہ فقرہ بھی جڑ دیا کہ بادشاہ کا مزاج آپ سے رنجیدہ ہے۔ اس دعوت کو نہ ٹالئے۔ نیز یہ دعوت ایک عجیب وغریب عمارت کی تکمیل پر شکرانہ الٰہی کے سلسلہ میں ہے۔ اس کی ابتداء بھی ایک بزرگ (سید جان بازولیؒ) کے ہاتھوں میں ہوئی تھی۔ اس کی اختتامی رسم میں بھی آپ جیسے صوفی منش شہزادہ کی شرکت باعث برکت ہے۔ غرض امراء وزراء کسی نہ کسی طرح میر اویسی کو اس بزم میں لائے۔ وہ بظاہر شریک تھے۔ مگر یہ باطن سے سب الگ تھے۔

ہر کسے جام تنعم بہ کف و ساغر عیش
فارغ از عیش و تنعم دل غمگین من آت من آست

رنگ میں بھنگ:

تقسیم انعامات اور پیشکش کی رسومات کے بعد جب ہنگامہ شادی وطرب شروع

ہوا۔اور مجلس نشاط وسرور گرم ہوئی اور بعض امور نا مشروعہ کا اظہار ہوا[۲۹] تو بقول صاحب اسرار لابرار۔میر کی غیرت یہ حرکت برداشت نہ کر سکی۔مچھلی کی طرح تڑپے اور ایک ہی جست میں ولر میں ایسے غائب ہو گئے کہ غواصان شنادر کیش اور ملا حان سیاحت اندیش کی تمام کوششوں کی باوجود وہ دریگانہ اس بحر بیکران سے نہ نکل سکا۔سلطان کا سارا عیش منقص ہو گیا۔مجلس طرب درہم برہم ہو گئی۔نہایت آندوگین ہو کر واپس شہر کو روانہ ہوا۔جب اشم پر گنہ محمد آباد میں شنکر ریشو بار کے پر از انہار واشجار باغ کے برابر پہنچا جو لب دریا واقع ہے۔تو کیا دیکھتا ہے کہ میر قدس سرہ دریا کے کنارے کنارے جلد جلد قدم اٹھائے چلے جا رہے ہیں بادشاہ کشتی میں سوار تھا۔یہ دیکھ کر اس کے قالب مردہ میں جان آئی۔کشتی سے اتر کر باغ میں آیا۔بہت ندامت وافسوس اور بے حد اظہار کیا۔کشتی پر سوار کر کے اپنے ہمراہ لایا۔ارکان دولت نے مبارکبادیں دیں۔بادشاہ نے اس خوشی میں شہر کے تمام غرباء کے لئے بادشاہی دعوت کے احکام جاری کئے۔[۳۰]

زینہ گیر کی رونق وآبادی:

زینہ لنک یا خرم آباد کی تعمیر 847 ھ کے چند سال بعد جب بادشاہ لولاب کی سیر کو نکلا اور رستہ میں اس نے وڈہ لب سے لے کر نالئہ پہرو کے بائیں ہاتھ میلوں تک کف دست میدان دیکھا۔اور پانی کا نام ونشان نہ پایا۔خصوصاً اس وسیع علاقہ میں جو چند ایک مواضعات تھے ان کے باشندوں کی تباہ حالی اور ان کی فصلوں کی بربادی نے اس پر بڑا اثر کیا۔چنانچہ اسی وقت اس نے اس خشک پژمردہ علاقہ کی سرسبزی وشادابی کا ارادہ کر لیا۔

اس علاقہ کو آباد کرنے سے پیشتر اس نے پہرو کے مقام سے ایک نہر نکالی۔جس کا ذکر نہروں کے بیان میں آئے گا۔ساتھ ہی پہاڑ کے دامن اور میدان میں کئی جدید گاؤں آباد کرائے۔جن کو اس نہر نے مالا مال کر دیا۔

(۱) زینہ گیر کی رونق وآبادی میں بادشا نے حد سے زیادہ سرگرمی دکھائی۔اس علاقہ میں جو باغ اس نے تعمیر کرایا۔وہ دو میل مربع میں تھا۔درختوں پھلوں اور نہروں سے آراستہ باغ کے چاروں کونوں پر بلند عمارات تھیں۔اردگرد امیروں اور سرداروں کی عمارات

گلزاروں کی ترتیب سے آراستہ تھیں۔[۳۱]

جونراج اور شری ور نے بھی اپنی راج ترنگنیوں میں زینہ گیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔بادشاہ نے لولاب کے اس جنوبی علاقہ کو آباد کر کے اپنے نام پر موسوم کیا تھا۔اور یہاں بکثرت نہریں جاری کرائی تھیں۔[۳۲]

مکمل تاریخ کشمیر میں تو اور بھی وضاحت سے زینہ گیر کی آبادی کا ذکر ہے۔لکھا ہے"بادشاہ نے نو آبادی زینہ گیر میں موضع گام[۳۳] کے متصل ایک وسیع اور فراخ باغ بنوایا۔جو پورے دو مربع میل میں واقع تھا۔اس کے چاروں گوشوں پر عالی شان اور سر بفلک قصر جن میں سے ہر ایک اعجوبہ روزگار تھا۔بنوائے۔ان کے اردگرد اراکین دولت اور اعیان مملکت نے بھی اپنی اپنی بے نظیر عمارتیں بنوائیں۔جنہوں نے اس باغ کو باغ رضوان بنا دیا۔علاوہ ازیں دیگر ممالک قریب و بعید سے قسم قسم کے میوہ دار بوٹے اور رنگ برنگ کے خشبودار پھول منگا کر لگائے۔جس سے یہ باغ وادئے کشمیر میں بے مثال ہو گیا۔

(2) مرزا حیدر نے بھی باغات و عمارات زینہ گیر کی بہت تعریف لکھی ہے۔[۳۴]

(3) لارنس صاحب نے بھی اپنی کتاب "ویلی آف کشمیر" میں زینہ گر کے باغ کا ذکر کیا ہے۔وہ لکھتا ہے زین العابدین جہاں کہیں گیا۔باغات و عمارات بناتا گیا۔باغات میں اس کے چار باغ اپنے زمانہ میں بہت مشہور تھے۔(1) باغ زینہ گیر (2) باغ نوشہرہ راجدہانی (3) باغ زینہ پورہ (4) باغ زینہ کوٹ لیکن آج ان باغات کا کھوج ملنا بھی ناممکن ہے۔

کشمیر میں گنا کی پیداوار:

نیشکر یعنی گناہ سرد ملکوں میں نہیں ہوتا۔آج بھی اس کی کاشت کشمیر میں صرف مظفر آباد تک ہے۔جو پہاڑی ملک ہے۔اور گرمیوں کے موسم میں جس کی گرمی پنجاب سے کم نہیں ہوتی۔مگر وادی کشمیر میں جو بارہ مولہ سے اسلام آباد اور پہلگام اور ویری ناگ اور ادھر سے سوپور سے زینہ گیر ولولاب اور اوتر مچھی پورہ کے وسیع علاقے تک پھیلی ہوئی ہے۔اس کی کبھی پیداوار نہیں ہوئی۔زین العابدین پہلا بادشاہ تھا۔جس نے زینہ گر کے وسیع

باغ میں اس کی کاشت کا تجربہ کیا۔نیشکر کی فصل ہوئی تو سہی۔مگر کچھ اچھی نہ ہوئی۔اس لئے بادشاہ نے اس پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی۔

زینہ گیر کا اجراز ینہ گیر میں:

زینہ گیر کی آبادی کے لئے بادشاہ نے نالہ پہرو سے جو نہر نکالی۔اس کی بڑی شاخ تو دامن کوہ کے مواضعات کو سرسبز وشاداب کرتی ہوئی سیدھی ولر میں داخل ہوئی۔ اوراس کی شاخوں نے تمام دیگر ملحقہ دیہات کو جن میں زیادہ تر بادشاہ کے اپنے آباد کردہ تھے۔اور جو اس وسیع میدان میں پھیلے ہوئے تھے۔نہال وآباد کردیا۔اس زمانہ کے کئی گاؤں انقلاب زمانہ کے ہاتھوں تباہ ہو گئے۔کئی مٹ گئے۔لیکن آج بھی زینہ گیر میں چالیس گاؤں آباد ہیں۔

زینہ گیر کی آمدنی وقف تھی:

بادشاہ خود عالم تھا۔وہ علم کا عاشق تھا اور عالموں کا قدردان تھا۔اس کے دربار میں ہندو مسلمان دونوں قوموں کے عالم زانو بہ زانو اور دوش بہ دوش بیٹھتے تھے۔اور بادشاہ کو اپنے علم کے کمالات سے خوش کرتے تھے۔بادشاہ نے جب زینہ گیر کو آباد کیا۔تو اس کی آمدنی اوراس کے تمام محصولات اوراس کی تمام فصلیں علماء فضلا کے لئے وقف کردیں۔ ۳۵

باغ زینہ گیر وعمارات بڈشاہی کی تباہی:

وٹلب سے درگہہ مولا اور پہرو تک جو میدان بالکل خشک آباد اور کشمیر کا گرم ترین حصہ تھا۔بادشاہ نے نہروں کے اجراء باغات کے احداث۔جدید دیہات کی بستیوں اوراپنے قیام سے خطۂ جنت بنادیا تھا۔مگر افسوس چشم فلک اس کو سرسبز وشاداب نہ دیکھ سکی۔ اور بادشاہ کی زندگی ہی میں دوتین مرتبہ اس کے محبوب ترین باغ زینہ گیر اور شاہی محلات کو تباہی وبربادی کا منہ دیکھنا پڑا۔

جس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے۔کہ موضع یگام میں جو زینہ گر سے ۲۳، ۲۴ میل کے فاصلے پر ہے۔قوم چک کا رئیس پانڈو چک جو بڑا ذی اقتدار تھا۔رہتا تھا۔زینہ

گیر میں شاہی عمارات کی تعمیر اور بادشاہ کی بکثرت آمد ورفت سے اس کو اپنی رہزنی اور لوٹ مار میں تکلیف محسوس ہونے کا اندیشہ معلوم ہوا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب بادشاہ دارالخلافہ میں تھا۔ پانڈو چک نے اپنے اٹھائی گیروں کے ساتھ رات کو آ کر تمام عمارتوں کو جلا کر خاکستر کر گیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اسنے فوج بھیج کر تریگام کی انیٹ سے اینٹ بجادی۔ لیکن پانڈو چک ہاتھ نہ آیا۔ وہ اپنی جماعت کو لے کر اپنے اصلی وطن دروستان کی طرف بھاگ گیا۔ اور پر خطر اور ہیبت ناک پہاڑوں میں زندگی بسر کرنے لگا۔ بادشاہ نے عمارات منہدمہ کی ازسرنو تعمیر کرائی۔ پانڈو چک کو بھی خبر ہوئی۔ اس لئے اب یہ کام شروع کیا۔ کہ پہاڑوں سے نکلتا۔ دن کو چھپ رہتا۔ اور رات کو سفر کرتا۔ یہاں تک کہ وہ اسی طرح زینہ گیر کی شاہی عمارات تک پہنچتا۔ اور نظر بچا کر آگ لگا جاتا۔ اور پھر دروستان میں بھاگ جاتا۔

بادشاہ ان عمارات کی پھر مرمت کرتا۔ اور پانڈو چک کی گرفتاری کے احکام سختی سے جاری کرتا۔ آخر بادشاہ نے حاکم دروستان کے نام ایک تاکیدی حکم بھیجا۔ کہ پنڈو چک تو سلطنت کا بدخواہ اور باغی ہے۔ اور لوٹ مار پر گزارہ کرتا ہے تمہارے کوہستان میں چھپا ہوا ہے بہتر ہے کہ اس کو جلد تر گرفتار کر کے دارالخلافہ میں بھیج دو۔ ورنہ دروستان تباہ کر دیا جائے گا۔ حاکم دروستان کی بادشاہ کے آگے کیا ہستی تھی۔ اس نے پہاڑوں میں پانڈو چک کی گرفتاری اور انعام کا ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ چنانچہ وہ بدکردار اپنی جماعت کے ہمراہ گرفتار ہوا۔ اور پا بہ جولان بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔

بادشاہ پانڈو چک کی شرارتوں اور بدکرداریوں سے برافروختہ بلکہ آگ بگولا بنا ہوا تھا۔ حکم دیا کہ اس بدنہاد کو تازیانے لگاؤ۔ اور جب تک اس کے ناپاک جسم سے اس کی روح علیحدہ نہ ہو جائے ضرب تازیہ میں کوئی کمی نہ ہو۔

چنانچہ جب اس کے ناپاک وجود سے دنیا پاک ہوگئی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی جماعت اور اس کے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے لاؤ۔ اور تلوار کے گھاٹ اتارتے جاؤ۔ صرف ان کی عورتیں اور ان کے بچے زندہ چھوڑے گئے۔ بادشاہ نے ان کو موضع ہرل پرگنہ وتر میں رہنے کی اجازت دی۔ اور ان کے گذارہ کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا۔

بادشاہ کی زندگی میں شاہی عمارات زینہ گیر کو جو صدمات پہنچے تھے۔ بادشاہ ازسرنو

مرمت وتعمیر کر کے ان کی تلافی کر دیتا تھا۔لیکن جب چکوں کا زمانہ آیا۔اور وہ کشمیر کے بادشاہ ہو کر خانہ جنگیوں میں مصروف اور ملک کی آبادی وفلاح سے غافل رہنے لگے۔تو ان عمارات کو نا قابل برداشت صدمہ پہنچا۔خصوصاً غازی چک 1554 لغایت 1563ء کے زمانہ میں باہمی حسد وعداوت کی وجہ سے یہ عمارتیں ایسی نزرآتش ہوئیں کہ پھر ان کا وجود قائم نہ رہ سکا۔اور نہ کسی نے ان کی طرف توجہ کی۔ چک بھی آئے اور اپنی نوبت بجا کر چلے گئے۔ان کے بعد مغل بادشاہ آئے۔جو شوق تعمیرات میں بڈشاہ کی طرح دلچسپی رکھتے تھے۔ مگر ان کو جنوبی کشمیر اور خاص دارالخلافہ کی رونق وآبادی اور دل بستگی نے زینہ گیر جیسے خشک علاقہ کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ دی۔ان کا دور بھی ختم ہوا۔تو درآنی خاندان نے یہاں اپنے قدم جمائے۔ان کے عہد میں صرف اتنا ہوا کہ حضرت سید حسین قمی رضوی کی زیارت مبارک کی جو باغ زینہ گیر کے اندر تھی۔مرمت ہوگئی۔

افغانوں کے بعد کشمیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔اور سکھ یہاں کے بادشاہ بنتے ہیں۔جن کو قدرتاً اسلامی عمارات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔غرض شاہی عمارات وباغات کے جو تھوڑے بہت نشان باقی تھے۔وہ بھی رفتہ رفتہ مٹ گئے۔یہاں تک کہ اور تو اور زینہ گیر ہی کے بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔کہ اس چھوٹے سے موضع سیدہ پورہ میں کبھی بادشاہی باغات ومحلات بھی تھے۔

راقم الحروف 8 اگست 1928ء کو خود سیدہ پورہ گیا۔اور سید حسین صاحبؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوا۔سید پورہ چھوٹا سا گاؤں ہے۔جہاں اڑھائی سو یا تین سو نفوس کی آبادی ہے۔ایک محلہ سنیوں کا ہے۔ایک شیعوں کا اور دونوں کی آبادی قریباً قریباً مساوی ہے۔شیعہ محلہ کے متصل بہت سے قدیم آثار ملتے ہیں۔نہر کے کنارے جو آج مسدود ہے۔اور بڈشاہ کے زمانہ میں باغ کے تمام رقبہ کو سیراب کرتی تھی۔شمال کی طرف ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔جو قدیم پتھروں سے اٹا ہوا ہے۔اس پر توت کے دو درخت ہیں۔یہ جگہ جو شاہی مسجد تھی۔آج صرف مٹی کا ایک ٹیلہ ہے۔

اس ٹیلہ سے ذرا آگے حضرت کا مزار ہے۔جس کے بیرونی دروازہ کے ساتھ بعض ایسے پتھر ہیں۔جو تراشیدہ ہیں۔ایک پتھر تین گز سے بھی زیادہ طویل دیکھا گیا۔

زیارت کے باہر چنار کا ایک درخت ہے۔ جو بہت پرانا ہے۔ ارقم الحروف کو بتایا گیا ہے۔ کہ یہ درخت بڈ شاہ ہی کے زمانہ کا ہے۔ اور حضرت سید حسین اس کے نیچے کبھی کبھی قیام فرمایا کرتے تھے۔

زیارت کے عقب میں مسدود نہر کے اندر ایک کنواں ہے۔ جس کا پانی نہایت سرد اور شیرین ہے۔ اس کی ساخت بتاتی ہے کہ یہ بہت قدیم ہے۔ کنوؤں کے منڈیروں پر لکڑیوں کی بجائے لمبے لمبے قدیم وضع کے پتھر رکھے ہوئے ہیں۔

کنویں کے بالمقابل نہر کے پار مگر نہر کے عین کنارے زیارت سے مغرب کی طرف مسجد کے ٹیلہ کی طرح ایک بلند ٹیلہ ہے۔ جس کو بادشاہی ٹینگ یعنی بادشاہی ٹیلہ کہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں بڈ شاہ کا محل تھا۔ اس ٹیلہ کے ساتھ ہی ایک قبرستان ہے۔ جہاں سے پتھر وغیرہ نکلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ راقم الحروف نے بھی ایک جگہ سے تازہ پتھر نکلے ہوئے دیکھے۔ جو کسی دیوار کی صورت میں معلوم ہوتے تھے۔ قیاس کہتا ہے کہ بادشاہی ٹینگ اور اس قبرستان کی زمین ہی میں شاہی محلات واقع تھے۔

بادشاہی فاصلے سے کچھ فاصلہ پر جنوب کی طرف نشیب دار زمین ہے۔ جس کو وزیر ڈب کہتے ہیں۔ اور جس کا ترجمہ اردو میں وزیر منزل ہو سکتا ہے۔ غالباً یہاں وزیر اعظم یا دیگر وزراء کے مکانات ہوں گے۔

حضرت سید حسین قمی کے روضہ پر سُنی مسلمان بھی آتے ہیں۔ لیکن اہل تشیع میں روضہ کی بڑی وقعت ہے۔ کشمیر کے علاوہ سکردو بلقستان تک کے شیعہ یہاں آتے ہیں۔ لارنس صاحب نے اسی زیارت کی وجہ سے دو ہندو بستیوں تک اس گاؤں کو مالیہ میں رعایت دیدی تھی۔

راقم الحروف کو بتایا گیا کہ موضع براٹ (متصل سید پورہ) سے لیکر نارہ پہر و یعنی شمالی حدود سوپر تک جو دو اڑھائی میل کا فاصلہ ہے۔ پرانے زمانہ کے کچھ آثار کبھی کبھی ملتے رہتے ہیں۔ مثلاً زمین کھودنے پر مٹی کے بڑے بڑے برتن اور تراشیدہ پتھر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باغ اور اس عمارات کی حدود موضع براٹ تک تھیں۔ جہاں اب بھی قدیم زمانے کے کئی پتھر پڑے ہوئے ہیں۔

گاؤں کے اکثر مکانات کی پہلی منزلیں پتھر کی ہیں۔اور گاؤں کے نزدیک جس قدر کھیت ہیں۔ان سب کی چاردیواری بھی پتھروں ہی سے بنی ہوئی ہے۔حالانکہ سید پورہ کوہستانی نہیں۔بلکہ میدانی علاقہ ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ زینہ گیر کی چار دیواری یاسرکاری عمارات کے جو پتھر تھے۔وہ انہدام کے بعد گاؤں والوں نے آپس میں تقسیم کر لئے۔آہ! سچ کہا مرزا داغ نے

فلک نے لوٹ کے لٹوا دیا حسینوں سے
سمجھ لیا کسی مردہ کا اس نے مال مجھے

کشمیر میں پُلوں کی تاریخ:

کشمیر کے ایسے مقامات میں جہاں دریاؤں اور نالوں نے خشکی کا سفر تکلیف دہ بنا رکھا ہے۔زمانہ قدیم میں کشتیاں چلتی تھیں۔یہ کشتیاں جو مسافروں کو دریاؤں اور ندی نالوں سے آر پار لے جایا کرتی تھیں۔بعض مخیّر لوگوں کی طرف سے بھی رفاہ عام کے لئے ہوا کرتی تھیں۔اور اکثر والئے ملک کی طرف سے عوام کی آسائش کے لیئے ہوتی تھیں۔آج بھی یہ کیفیت نالہ پہرو اور بعض دوسرے نالوں پر جہاں پل کم ہیں یا نہیں ہیں۔دیکھی جا سکتی ہے۔

ہندوؤ عہد قدیم کے پُل:

کشمیر میں سب سے پہلے راجہ ہرش ۳۶ء نے دریا پر ایک پل بنانے کی ضرورت محسوس کی۔یہ پل کشتیوں کا پل کہلاتا تھا۔اور راجہ کے محل کے عین مقابل تھا۔اگر یہ معلوم ہو جائے کہ راجہ کے محلات فلاں مقام پر تھے۔تو پل کا جائے وقوع بھی معلوم ہو سکتا ہے۔لیکن افسوس ہے پل اور محل کے جائے وقوع کا کسی مؤرخ نے پتہ نہیں بتایا۔

اس کے بعد راجہ پرورسین ثانی ۳۷ء کے زمانہ میں کشتیوں کے ایک بہت بڑے پل کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔جس کا نام راجہ نے بھرت ستور رکھا برہت یا بھرت کون تھا۔اور پل کا نام اس نام پر کیوں رکھا گیا اس کے متعلق اوروں کا تو کیا ذکر کشمیر کا قدیم اور نامور

مؤرخ پنڈت کلہن تک بھی خاموش ہے۔ یہ پل دریا کے کس حصہ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کا کچھ پتہ نہیں۔ تاہم اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ مائسیمہ [۳۸] میدان سے جس کا نام اس زمانہ میں ''ماشکا سوامن'' تھا۔ اور جزیرہ کی صورت میں تھا۔ تھوڑے ہی فاصلہ پر تھا۔

سٹین صاحب کا خیال ہے کہ پرورسین کا پل موجودہ چوتھے اور پانچویں پل کے قریب قریب کہیں واقعہ ہوگا۔

1163ء میں راجہ سسل کا عہد تھا۔ کہ سرینگر میں عظیم آتش زدگی کا وقوعہ ہوا۔ شہر کے مٹھ مندر' مکانات' منڈیاں اور دوسری عمارات سب جل کے راکھ ہوگئیں۔ آگ کے خوف سے بہت سے دریائی غسل خانے اور کشتیوں کے پل ہٹالئے گئے۔ لیکن یہ بھرت ستو جو کشتیوں کا عظیم الشان پل تھا اس تباہ کن آتش زدگی سے نہ بچ گیا۔ اور تباہ ہوگیا۔

اسلامی عہد کا سب سے پہلا پل:

علی شاہ کی سلطنت چھ سات سال سے زیادہ نہ رہی۔ تاہم (826ھ) یعنی مرنے سے پیشتر جو چند کام اس نے اچھے کئے ان میں دریائے بہت کا ایک پل بھی تھا۔ جو اس نے کشتیوں کے بجائے لکڑیوں کا تعمیر کرایا۔ اور اس کا نام اُس نے اپنے نام پر عالی کدل رکھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندو عہد قدیم کے پل یا تو آتش زدگی کی نذر ہو چکے تھے۔ یا طوفان آب کے باعث دریا میں بہہ گئے تھے۔ کیونکہ کوئی مؤرخ اس وقت کسی قدیم پل کی موجودگی کا پتہ نہیں بتاتا۔ بلکہ ایک مؤرخ جس کی تصنیف کو آج تقریباً ڈھائی سو سال گذر چکے ہیں۔ لکھتا ہے جب زین العابدین تخت نشین ہوا تو شہر میں صرف ایک ہی پل تھا۔ جس کا نام عالی کدل تھا۔ اور بڈشاہ کے بھائی علی شاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ لوگ بالعموم دریا کو سفینوں اور کشتیوں کے ذریعہ عبور کیا کرتے تھے۔

بڈشاہ کا زینہ کدل:

زین العابدین نے بادشاہ ہوکر دریا کو کشتیوں کے ذریعہ عبور کرنے کی جو مشکلات

تھیں۔ان پر غور کیا۔اور اس مقام پر جہاں مہاراج گنج آباد اور مزار السلاطین واقع ہے ایک مستقل پل دریا پر تعمیر کرایا۔اور نام اس کا اپنے نام پر زینہ کدل رکھا۔اور اس کو اس شوق اور محنت اور لاگت سے بنوایا۔کہ یہ پل بھی اس کے ہفت زینوں میں شمار ہونے لگا۔

سری نگر میں دریائے جہلم پر سات پل ہیں۔سب سے پہلا 826ھ سے پیشتر تعمیر ہوا۔اور اس کے بعد مختلف بادشاہوں نے پلوں میں اور اضافہ کیا۔چنانچہ پانچ سو سال سے یہی سات پل سرینگر میں بغیر کسی کمی بیشی کے موجود ہیں۔زینہ کدل[39] آج دریا کا چوتھا پل ہے۔اور امیرا کدل کے بعد جو دارالخلافہ کا بہترین خوبصورت مضبوط اور وسیع پل ہے۔سب پلوں سے زیادہ بارونق اور آباد ہے۔اور اس پر ٹم ٹانگہ چل سکتا ہے۔[40]

شری ور نے بھی اپنی راج ترنگنی میں اس پل کا ذکر کیا ہے۔سٹین صاحب اپنی مترجمہ راج ترنگنی کے نوٹوں میں لکھتے ہیں۔''اس کی ساخت ایسی ہے جیسے آج کل کشمیر کے پلوں کی ہوتی ہے۔ہندو انجینئر پتھر کا کام کرنے اور سنگ تراشی کے فن میں صاحب کمال تھے۔اس زمانہ میں دریا پر اتنا لمبا چوڑا پتھروں کا بننا چونکہ دشوار تھا۔اس لئے وہ کشتیوں کے پل بنا کر کام لیتے رہے۔لیکن جب مسلمان آئے تو وہ لکڑی کا کام زیادہ اچھی طرح کر سکتے تھے۔اس لئے وہ باآسانی اس مشکل پر غالب آ گئے۔

بڈشاہی ہفت پل:

اس پل کے علاوہ اس بادشاہ نے نالۂ مار پر سات حجری پل تعمیر کرائے۔جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

نائد کدل۔بہوری کدل، صراف کدل۔قادری کدل۔راجو[41] ری کدل کا وڈارہ کدل۔ان کے علاوہ بادشاہ نے نالہ شادی پورہ۔سوپور۔نائد کھائی۔بارتار۔جوگی لنکر (سرینگر) اور کئی مقامات پر بہت سے پل تیار کرائے۔جن میں سے اکثر غیر معروف تھے۔انقلاب گیتی نے آج ان کو بھی معدوم کر دیا ہے۔

اندرکوٹ کی دوبارہ آبادی اور بڈ شاہ کا شاندار محل:

کلہن نے راج ترنگنی میں اس شہر کے متعلق لکھا ہے۔ کہ راجہ جیا پیڈ نے اس کو جھیل کے وسط میں راکششول کی مدد سے تعمیر کرایا تھا۔ یہاں بہت سے مندر تھے۔ راجہ کے علاوہ وزراء کی عمارتیں بھی تھیں۔ جیا پیڈ کے نام کی رعایت سے اس کا نام جے پور رکھا گیا۔ مگر وہ زیادہ مشہور نہ ہوا۔ بلکہ جھیل کے وسط میں ہونے کی وجہ سے عوام اس کو ابھینتر کوٹ یا اندرونی قلعہ کہنے لگے۔ اور یہی نام اس شہر کا مشہور مقبول ہو گیا۔ ابھینتر کا لفظ رفتہ رفتہ اندر کے لفظ سے بدل گیا۔ اور ابھینتر کوٹ کی جگہ اندرکوٹ کے نام شہرت حاصل کر لی۔ یہ شہر راجہ جیا پیڈ نے دریائے وتشتہ کے بائیں کنارے پر شادی پورہ سے نیچے کی طرف پانچ کے فاصلے پر آباد کیا۔ اسکے چاروں طرف پانی تھا۔ اس راجہ کے بعد کئی اور راجاؤں نے بھی یہاں سکونت رکھی ہے۔

کشمیر کی آخری ہندو ملکہ رانی کوٹا اسی اندرکوٹ میں رہتی تھی۔ اور یہیں اس نے 1339ء میں اپنے آپ کو خنجر سے ہلاک کر دیا تھا۔ اس زمانہ تک یہ مقام کچھ آباد تھا۔ لیکن جب سلطنت کا انقلاب ہو گیا۔ اس شہر میں بھی تغیر عظیم واقعہ ہوا۔ یہاں تک کے رفتہ رفتہ یہ اپنے انتہائی زوال کو پہنچ گیا۔

بڈ شاہ کا زمانہ آیا۔ تو جہاں رعایا کو امن و چین سے سانس لینا نصیب ہوا۔ وہاں قدیم عمارت کی بھی خدا نے سنی۔ چنانچہ اندرکوٹ کے متعلق شری در اپنی راج ترنگنی کے ترنگ نمبر ایک میں لکھتا ہے۔ کہ سلطان زین العابدین نے اس شہر کو جو زوال پزیر ہو چکا تھا۔ از سر نو بحال کیا۔ یا بہ الفاظ دیگر جو مندر مہندم ہو گئے تھے۔ ان کی مرمت کرائی۔ شاہی مکانات کی جن کی کھنڈرات ان کی فلک نمائی کا پتہ دیتے تھے۔ سابقہ شان پیدا کر دی۔ لوگ جو شکستہ دل تھے۔ ان کی ہر طرح تسلی کی۔ اور ان کو وہاں آباد کیا۔

اسکے بعد شری در لکھتا ہے۔ بادشاہ نے اس کے بعد جھیل کے کنارے اپنے لئے ایک نیا شاندار محل بنوایا۔ بادشاہ کو فن تعمیرات سے جو ذوق ہے۔ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ وہ لکڑی منقش کام لینا خوب جانتا ہے۔ جس کو شری در شاندار محل لکھتا ہے۔ اُس میں خدا جا

نے بادشاہ نے اپنی خوش سلیقگی اور خوش مذاقی اور تعمیر دلچسپیوں کے کیا کچھ ثبوت نہ دئے ہوں گے۔

اندرکوٹ آج بھی موجود ہے اور نالہ شادی پور[۲۲] کے کنارے آباد ہے۔ یہاں شیعہ مسلمانوں کی بستی ہے۔ قدیم زمانے کے آثار بھی دیدۂ عبرت کے لئے بڑے بڑے گوانڈیل پتھروں کی صورت میں بکھرے پڑے ہیں۔

یہ مقام سنبل سے جنوبی و غربی گوشہ کی طرف واقعہ ہے۔ بڈشاہ کا شاندار محل راجہ جیاپیڈ کے فلک مرتبہ ایوانات امراء وزراء کی عالیشان عمارتیں سب اپنے بانیوں کے ساتھ پیوند خاک ہو چکی ہیں۔ اگر کچھ پتہ ملتا ہے۔ تو انہیں بکھرے ہوئے پتھروں کی زبان بے زبانی سے جو بقول شاعر۔ ع

مرمٹوں کا نشان ہے گویا۔

بڈشاہی عہد کی خانقاہیں اور مسجدیں جامع مسجد بارہ مولا:

یہ معلوم نہیں کس سال بادشاہ نے بارہ مولا کی جامع مسجد تعمیر کی لیکن اس قدر سب مئورخ لکھتے ہیں۔ کہ "بنائے اوّلش از بڈشاہ بود"۔ بڈشاہی خاندان تک اس کی حالت اچھی تھی۔ چکوں کے عہد میں مسمار ہونے لگی۔ جب مغل حکومت کا یہاں دور دورہ ہوا تو اس کی از سر نو مرمت ہوئی، سکھوں کے زمانے میں شیخ محی الدین ناظم کشمیر نے اس کی چھت کو درست کیا۔ 1302ھ میں کثرت بارش۔ وزالہ باری نے اس کو سربسجود کر دیا۔ 1302ھ تک یہی حالت رہی۔ 1313ھ میں خواجہ عبدالصمد گگڑ و مرحوم و رئیس بارہ مولہ نے اس کو پھر زندہ کر دیا۔ مرمت مسجد کا قطعہ تاریخ حسب ذیل ہے۔

سجدہ شکر سر کن اے سامع	کاختر انما شدہ لامع
کرد اندر بنائے مسجد جد	خواجہ عبدالصمد ذہے یامع
زدئد اللہم از سر تعمیر	گشتہ معمور مسجد جامع

تصنیف کتاب کے دوران میں جامع بارہ مولہ کی حالت 1313ھ میں پھر خستہ و خراب دیکھی گئی۔

جامع مسجد سری نگر:

اس مسجد کی بنا جو آج روئے زمین کی بہترین اور قابل دید عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔ حضرت میر سید محمد ہمدانی قدس اللہ سرّہ کے ایماء سے سلطان سکندر بُت شکن نے رکھی تھی۔ حضرت خواجہ صدرالدین کہ خراسانی الاصل تھے۔ اور کشمیر میں اقامت گزین تھے۔ اس کے میر عمارت تھے۔ ابھی مسجد ناتمام تھی کہ سلطان بت شکن کا انتقال ہوگیا۔ آخر بادشاہ روئے زمین ۳ھ حضرت سلطان زین العابدین قدس اللہ سرہٗ کے عہد میں یہ مسجد خواجہ صدرالدین ۴ھ کی زیر نگرانی کہ در صنعت معماری نظیرش نہ بود'' تکمیل کو پہونچی۔ سچ ہے۔ ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔

بڈشاہ نے تکمیل جامع کی طرف تخت نشین ہوتے ہی توجہ کی۔ جیسا کہ صاحب تاریخ خلیل لکھتے ہیں'' وے در 838ھ مسجد جامع را مرمت کرد۔ ترمیم المسجد تاریخ اوست '' بادشاہ نے مسجد سے شمال کی طرف ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔ جس کی نگرانی اور اعلیٰ مدرس قاضی محمد علی بخاری کے سپرد ہوتی۔ اور جنوب کی طرف دارالافتاء قائم کیا۔ جہاں چار عالم اور مفتی احکام شریعت کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ۵ھ یہ مسجد کئی دفعہ بوجہ آتش زدگی وغیرہ خراب ہوگئی۔ اور اس کی مرمت بھی ہوتی رہی۔ لیکن جس تدبر حکمت عملی اور ہمدردی سے اس مسجد کو دنیا کی لاثانی عمارتوں میں شمار کرانے کے لئے بعہد مہاراج پرتاب سنگھ خان بہادر' شیخ مقبول حسین ۶ھ صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ ریونیو منسٹر نے اس کی مرمت کا انتظام کیا۔ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آخر یہ مسجد کئی سالوں کی مرمت و تعمیر کے بعد قریباً گیارہ لاکھ روپے سے بعہد مہاراجہ ہری سنگھ بہادر تکمیل کو پہنچی۔

تاریخ حسن میں ہے'' از سلطان سلطان زین العابدین بارہا ترمیم یافت'' صاحب تاریخ خوارق السالکین لکھتے ہیں۔ حضرت سید محمد بودستانی بھی اپنے مرشد خواجہ صدرالدین کے ہمراہ بعہد بڈشاہ کشمیر میں اقامت گزین تھے۔ جامع شوپیان کے زمانہ میں مزدوری کرتے تھے۔ لیکن ان کے اندرونی حالات سے کوئی باخبر نہ تھا۔ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ جو کچھ کماتے تھے۔ فقراء کو تقسیم کر دیتے تھے۔ ان کی فیاضیوں بلکہ ان کی کرامتوں کے

متعلق مشہور ہے۔

گدائے درِ مے خانہ طرفہ اکبراست
گر ایں عمل بہ کنی خاک زر توانی کرد

خانقاہ شیخ العالم:

بادشاہ حضرت شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کا کہ عوام میں ''شیخ العالم'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ بہت عقید تمند تھا۔ ان کا عالیشان مقبرہ سب سے پہلے اسی نے تعمیر کرایا۔ جس محبت خلوص سے بادشاہ نے اس مزار مبارک کی تعمیر میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور جو نقل و نگار اس نے مزار کی عمارت میں پیدا کئے۔ اور نجاروں نے لکڑی کے کام میں اپنے فن کا کمال جس خوبی سے نمایاں کیا۔ اگر بڈ شاہی عہد کی عمارت آج بجنسہ موجود ہوتی تو اس زمانہ کی صنعت کاری آج ہمارے لئے سبق آموز واقع ہوتی۔ لیکن افسوس بقول صاحب تاریخ حسن ''ابن قطعہ در عہد چکاں سجادۂ آتش افروختہ شد'' یعقوب شاہ چک بادشاہ کشمیر نے اپنے غیر مطمئن عہد حکومت میں اس تعمیر کی پھر تجدید کی۔ 1139ھ میں مغلوں کی حکومت تھی۔ اور محمد شاہ بادشاہ سر برآرائے سلطنت ہند تھا۔ پھر اس کو حادثہ آتش سے دوچار ہونا پڑا۔ حکومت کی طرف سے اس خانقاہ مبارک کی طرف کہ ایک وسیع اور دو منزلہ چوبی مسجد بھی اس کے ساتھ ملحق تھی۔ کوئی توجہ نہ کی گئی۔ آخر خدا کے دو بندوں خواجہ نظام و خواجہ محمود نے کہ اہل دل رئیسوں میں سے تھے۔ اس خانقاہ کی تجدید 1826ء میں اس عالیشان روضہ کی مرمت پھر پبلک چندہ سے ہوئی۔ اور باوجود حکومت یا کسی بہت بڑے رئیس کے حصّہ نہ لینے کے بہت بڑے پیمانہ پر ہوئی۔

خانقاہ فیض پناہ:

میر محمد امین اویسی اپنے پیر طریقت سید بلال کہ صاحب علو حال اور بدر آسمان کمال تھے۔ کے پاس موضوع اشم میں جو پرگنہ محمد آباد کے نام سے بھی موسوم تھا۔ اکثر رہا کرتے تھے۔ اور چونکہ بادشاہ کو میر اویسی کی خاطر حد سے زیادہ محبت تھی۔ اس لئے بادشاہ نے موضع مذکور میں ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کرائی۔ جو نقش و نگار سے آراستہ اور فن تعمیر کا

ایک بہترین نمونہ ۷ے ۱۴ تھی۔اس خانقاہ میں مسجد مدرسہ اور طلباء کے لئے حجرے اور درویشوں اور خادموں کے لئے مکانات تھے۔نام اس خانقاہ کا تاریخوں میں خانقاہ فیض پناہ درج ہے

یہ خانقاہ دریائے بہت کے مشرقی کنارہ پر تھی۔ ۱۴۸۸ حضرت میر اویسی کے انتقال کے بعد اس کی رونق کم ہوگئی۔ جہانگیر کے زمانہ میں حضرت خواجہ خاوند محمود اس کے چوب ،چگل اٹھا کر شہر میں لے آئے اور خانقاہ نقشبندیہ کی بناء ڈالی۔

خانقاہ سیدؒ برخوردار:

اس عمارت کی 869ھ میں بادشاہ نے تکمیل کی۔سید برخوردار اور اس زمانہ میں بہت بڑے صاحب یمن و برکت بزرگ تھے۔بادشاہ نے ان خادموں اور ان کے لنگر وغیرہ کے لئے محلہ دانا میں یہ عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی۔

خانقاہ سیدؒ مدنی:

اس قدیم خوبصورت مگر مٹی ہوئی عمارت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔حضرت سید محمد مدنی بہت بڑے عالم بزرگ تھے۔سلطان نے 848ھ میں جو 1444ء سن کے مطابق ہے یہ خانقاہ بصورت مسجد نبوی اس لئے کہ حضرت سید محمد مدینہ شریف کے رہنے والے تھے آپ کے خدام کے لئے تعمیر کرائی۔

اسرا الابرار میں آپ کے حالات بالتفصیل درج ہیں۔آپ سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں امیر تمیور صاحب قرآن کی طرف سے بطور رسالت بادشاہ کشمیر کے پاس آئے تھے۔یہ مقامات بہت پسند آیا۔اس لئے وطن واپس جا کر اہل و عیال کو ہمراہ لے آئے اور رانیواری میں قیام فرمایا۔سکندر نے جب اپنے امراء وزراء اور جاسوسوں کے ذریعہ معلوم کیا۔کہ آپ انیس الورع و رئیس شرع اور عارف حق اور موحد مطلق ہیں۔تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے قرب و جوار میں ان کے لئے عالیشان خانقاہ تیار کرائی۔ چنانچہ آپ رانیواری سے نوشہرہ میں تشریف لے آئے۔آپ کا مزار بڈشاہ کے زمانہ میں تعمیر ہوا۔

بیج بھاڑہ میں بڈشاہی عمارت:

بیج بھاڑہ میں بادشاہ نے کسی بزرگ کے لئے خانقاہ تعمیر کرائی۔ یا اپنے لئے کوئی محل تعمیر کرایا۔ یا سیر و سیاحت کے لئے رستہ میں کوئی آرامگاہ بنائی۔ اسکے متعلق کوئی صحیح حالات نہیں ملے۔ البتہ مولانا داوٗ دمشکوتی جو بڈشاہ سے قریباً پونے دوسوسال کے بعد شاہ جہان کے زمانے میں ہوئے ہیں۔ بیج بھاڑہ میں بڈشاہی عمارت کا پتہ بتاتے ہیں‘ چنانچہ لکھتے ہیں۔ سیر و تبت سے واپس آ کر جب میں حضرت شیخ نصر الدین ابو الفقراء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو شنگر ریشی کہ وہ بھی حضرت کے مریدوں میں تھے۔ حضرت کی ملازمت میں موجود تھے۔ شنکر ریشی نے مجھ سے کہا۔ تمہارے آنے سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت شیخ نے بیج بھاڑہ میں ایک شاندار عمارت بنائی ہے۔ اور اُس جگہ جہاں سلطان زین العابدین علیہ رحمتہ نے اپنے زمانے میں ایک عمارت کر منظر ہائے گوناگوں رکھی تھی۔ آپ نے بھی برج ہائے بلند اور مینار ہائے فلک نما قائم کئے ہیں۔ مولانا داوٗ دمشکوتی فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یہ جگہ خوب ہے۔ یہیں قیام ہونا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت شیخ ابو الفقرا نے میرے جواب کو قبول فرمایا۔ لیکن فرمایا اس خواب کی تعبیر اگر تم بتا سکتے ہو تو بتاوٗ۔ میں نے عرض کیا۔ قصر سلطان رتبہ عالی کی علامت ہے۔ شنکر ریشی نے کہا۔ یہ بھی خوب ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ حضرت شیخ اب ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔ اس لئے ان کا آخری قیام اس بیج بھاڑہ میں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سوپور میں بادشاہی محل:

راجہ اونتی ورما کے انجینیر سویہ نے سوپور کو آباد کیا۔ پہلے اس کا نام سویہ پور تھا۔ رفتہ رفتہ سوپوا ہو گیا۔ اسی مقام پر قدیم زمانہ ہنود کا دریائے وتستہ مسلمان عہد حکومت کا دریائے بہت اور زمانہ حال کا دریائے جہلم جھیل ولر کے بحر بے پایاں سے باہر نکل کر پنجاب کو روانہ ہوتا ہے۔ سوپور کسی زمانہ میں بہت نامور شہر رہا ہے۔ اب بھی اس کی آبادی بیس پچیس ہزار سے کم نہیں۔ اس کی آتش زدگیاں زمانہ قدیم ہی سے مشہور چلی آتی ہیں۔

زین العابدین نے سوپور کو بہت رونق بخشی تھی۔ بقول مؤرخ شری در کرم راجہ یعنی کمراز کا سرکاری ہیڈ کوارٹر ان دنوں سوپور تھا۔ تمام دفاتر اور تمام سرکاری محکمے اسی جگہ تھے۔ بادشاہ نے خود بھی دریا کے کنارے ایک قصر شاہی تعمیر کرا رکھا تھا۔ اور جب کبھی اس طرف آتا تھا اسی جگہ قیام کرتا تھا۔

شری در لکھتا ہے۔ بڈشاہ کے زمانے میں یہاں ایک عظیم آتش زدگی ہوئی۔ سارا شہر بلند و رفیع تر مکانات سے آراستہ تھا۔ چشم زدن میں خاک اور خاک سے راکھ ڈھیر ہو گیا ۔ سرکاری دفاتر اور محکمہ جات کی عمارتوں کے ساتھ ہی تمام سرکاری کاغذات بھی جل گئے ۔

صرف محل شاہی جو عام مکانات سے بہت دور دریا کے کنارے پر ایک طرف واقعہ تھا، بچ رہا۔

بادشاہ کو خبر ہوئی۔ بہت افسوس کیا۔ اور اس شہر کو از سر نو بڑی شان و شوکت سے تعمیر کرایا۔

وانتی پورہ میں باغ بڈشاہی:

یہ مشہور آباد قریہ سری نگر سے جانب جنوب بفاصلہ بیس میل دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر اسلام آباد کو جاتے ہوئے بر سر راہ آتا ہے۔ راجگان ماسبق کے عہد حکومت میں ورما خاندان کے نامور راجہ اونتی ورما کا دار الحکومت بھی رہا ہے۔ امتداد زمانہ اور انقلاب حکومت کے ہاتھوں یہ بھی بے رونق و غیر آباد ہو گیا۔ بڈشاہ نے جہاں اور پرانے استخوانوں میں جان ڈالی۔ اس قریہ کی طرف بھی توجہ کی۔ چنانچہ یہاں اعلیٰ اور وسیع پیمانہ پر ایک باغ تعمیر کرایا۔ اس باغ کے عین وسط میں تعمیرات شاہی سے قریہ کی رونق دوبالا کر دی۔ میر سید حسن منطقی بیہقی کے لئے بھی باغ میں ایک مکان تعمیر کرایا۔ چنانچہ اسی باغ میں میر منطقی نے وفات پائی۔ اور یہاں مدفون ہوئے۔[1]

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ ہمایوں بادشاہ کا خالہ زاد بھائی تھا۔

۲۔ توزک جہانگیری مرتبہ سر سید احمد خان ۔مطبوعہ 1865ء صفحہ 46

۳۔ صفحہ 209 درذکر فن تعمیرات۔

۴۔ از اسلامک کلچر کشمیر صفحہ 209۔

۵۔ تاریخ حسن صفحہ 76۔

۶۔ عہد حکومت 102 للغایت 162۔

۷۔ عہد حکومت 617 لغایت 453

۸۔ سری نگر کا مشہور پل امیرا کدن کے نام پر ہے۔عہد حکومت 1717ء لغایت 1772ء بر مان احمد شاہ ابدالی

۹۔ یہ دونوں مقام بڈ مقام و بڈ سر موضع ہر دو شیوہ زینہ گیر کے سر پر واقع ہیں۔ بڈ مقام نہایت سر سبز بلند پہاڑ ہے۔ان دونوں مقات کو راقم الحروف نے دیکھا ہے۔ بڈ سر بالکل خشک تالاب ہے۔کبھی بارش ہوتی ہے تو تالاب میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔رام پور راج پور جہاں محکمہ جنگل کا بنگلہ بھی ہے۔ یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔لولاب یہاں سے بارہ تیرہ میل ہے۔ بڈ مقام سے تمام وادی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ بڈ مقام ہی میں خادم صاحب کا اخروٹوں کا باغ ہے۔

۱۰۔ یہ دونوں مقام بڈ مقام و بڈ سر موضع ہر دو شیوہ زینہ گیر کے سر پر واقع ہیں بڈ مقام نہایت سر سبز بلند پہاڑ ہے۔ان دونوں مقامات کو راقم الحروف نے دیکھا ہے۔ بڈ سر بالکل خشک تالاب ہے۔کبھی بارش ہوتی ہے۔تو تالاب میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔رام پور راجپور جہاں محمکہ جنگل کا بنگلہ بھی ہے۔ یہاں سے ڈیڑھ میل

کے فاصلے پر ہے۔لولاب یہاں سے بارہ تیرہ میل ہے۔ بڑ مقام سے تمام وادی کا منظر آنکھوں کا سامنے آجاتا ہے۔ بڑ مقام ہی میں خادم صاحب کا خروٹوں کا باغ ہے۔

۱۱ آباد کردہ راجہ جیاپیڈ۔

۱۲ یہ بیاض خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی تبت بقال سرنگر کے پاس ہے۔

۱۳ معلوم ہوتا ہے کسی چینی صنعت کار کا نام تھا۔اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ بادشاہ نے فن تعمیرات کے سلسلہ میں چین تک سے بھی اہل صنعت طلب کئے تھے۔

۱۴ مولانا شمس الدین حیرت پاندانی سری نگر نے ایک پیوند لگا کر مصرع کو اس طرح روشن کیا ہے۔ ع ''پیوند نور از دل ماہی بہ ماہ بست۔''

۱۵ تاریخ خواجہ اعظم مئولف خواجہ محمد اعظم دیدہ مری۔

۱۶ بحوالہ تاریخ حسن۔

۱۷ صفحہ 602۔

۱۸ شیخ عبدالوہاب نوری گنائی مصنف فتحیات کبرویہ سال تصنیف۔ 1152ھ غیر مطبوعہ۔

۱۹ وجیز التواریخ قلمی مصنفہ ملا عبدالغنی سال تصنیف 1274ھ

۲۰ ولر کشمیری زبان میں سوراخ کو کہتے ہیں۔اور چونکہ زمین میں سوراخ ہو کر ایک عظیم چشمہ نکلا تھا۔اس لئے اس جھیل کا نام ولر مشہور ہو گیا۔

۲۱ اسرار لابرار در حالات سید جان بازولیؒ۔

۲۲ تاریخ ملا بہاؤالدین میں چار بتوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ ملا بہاؤالدین لکھتا ہے۔ غوآصان بہ کوشش تمام در بت خانہ رفتہ میں چہار بت یافتند و برآوردند دو بت روئیں بودند۔ دو بت طلائی لیکن صاحب الابرار صاحب تاریخ حسن اور مئولف مکمل تاریخ کشمیر اور دوسرے مئورخ صرف دو مورتیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

۲۳ صفحہ 45 مرتبہ سرسید احمد خان مرحوم۔ مطبوعہ 1845ھ

۲۴ے مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم راقم الحروف مطبوعہ 1910ء

۲۵ے بحوالہ اسلامک کلچران کشمیر صفحہ 213

۲۶ے تاریخ ملا بہاؤ الدین میں لکھا ہے ''سلطان مذکورہ بر آں جزیرہ درخت ہائے توت وغیرہ اشجار میوہ دار و گلہائے رنگا رنگ نہالی کرد'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں توتوں کی بنیاد اسی زمانہ سے ہے۔

۲۷ے از فتحیات کبرویہ سال تصنیف 1153ھ غیر مطبوعہ و تاریخ خواجہ اعظمی۔

۲۸ے مکمل تاریخ کشمیر۔ اس مندر کا نام نریندریشور تھا۔ اس کو راجہ پرتاب پیڈ 653ھ لغایت 703ھ نے موضع تاپر میں بنایا تھا۔

۲۹ے از مختصر التواریخ کشمیر مصنفہ پنڈت بیر بر کاچرو (غیر مطبوعہ) بعہد راجہ گلاب سنگھ۔

۳۰ے صاحب اسرار الابرار۔ تاریخ اعظمی۔ تاریخ حسن وغیرہ نے لکھا ہے۔ کہ میر نے امور نامشروعہ دیکھ کر غیرت شریعت کے ثبوت میں اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ البتہ صاحب فتحیات کبرویہ لکھتے ہیں کہ اسی دوران میں میر پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی۔ کہ وہ تڑپ کر دریاء میں جا پڑے۔

۳۱ے میر سید محمد اویسی کے باقی حالات مشائخ و علما میں پڑھو۔

۳۲ے از تاریخ کشمیر اردو قلمی مصنفہ خواجہ حسن ملک (پبلک لائبریری سری نگر کشمیر)۔

۳۳ے راج ترنگنی مترجمہ سٹین صاحب کا اردو ترجمہ صفحہ 305۔

۳۴ے حصہ دوم در ذکر سلطنت زین العابدین (مصنفہ راقم الحروف)

۳۵ے راقم الحروف اپنی اسی تصنیف یعنی تاریخ کشمیر کے حولہ سے 1928ء کے سفر کشمیر میں ترہیہ گام گیا۔ جو میری اقامت گاہ موضع سم پور زیل سوپر سو قریبا 26 یا 27 میل دور لولات کے متصلہ پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ تریہہ گام سے دو میل کو یہ وارہ کی جانب اور تین میل ترہ گام سے آگے موضع شاپورہ کی طرف بعض قدیم عمارتوں کے آثار سنے۔ جو آثار قدیمہ ترہ گام اور کپوارہ کے درمیان سڑک کے کنارے دوسرے اور تیسرے میل کے درمیان تھے۔ وہ میں نے ترہگام آتے

ہی رستہ ہی میں دیکھ لئے تھے۔ دوسرے کھنڈرات جن کا پتہ موضع شلورہ کی طرف تھا۔ دیکھنے کے لئے میں 9 اگست کو گیا۔ وہاں بہت سے لوگ بلوائے گئے جن میں ایک ضعیف پنڈت بہت واقف کار تھا۔ وہاں ایک قلعہ کے آثار اور کھنڈرات نظر آتے تھے۔ جس کی چاردیواری کے اندر مکی کی پیداوار اور قلعہ کی ویرانی کی خبر دے رہی تھی۔ قلعہ مہاراجہ گلاب سنگھ بانی ڈوگرہ نے راجہ شیر احمد خان والئی کرناہ کی دستبرد سے اپنے ملک کو بچانے کے لئے بنایا تھا اس موضوع میں بہت چشمے ہیں۔ لیکن دو چشمے بہت پرانے ہیں۔ جو ایک قدیم مسجد کے پاس ہیں۔ جن کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ یہاں حضرت مخدوم صاحب" آئے تھے۔ اور اس کو ان کے مرید بابا عبداللہ نے آباد کیا تھا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ 25‘30 سال ہوئے۔ یہ مسجد جل گئی تھی۔ جب خواجہ عزیز جو گکڑ و رئیس بارہ مولہ نے اس کی مرمت کرائی تو اس کے نیچے سے قدیم زمانہ کے دو بہت بڑے بڑے مٹ‘ گھڑے نکلے تھے۔ بہر حال میں غرض کے لیئے گیا تھا‘ وہ پوری نہ ہو سکی جس زمانہ 1910ء میں میں نے تاریخ کشمیر لکھی تھی۔ میں خود تریگام نہیں جا سکا تھا۔ اب تحقیق و تفتیش اور موقعہ پر خود جانے سے معلوم ہوا ہے۔ کہ تریگام کے متصل بڈشاہ کا عظیم الشان باغ نہیں تھا۔ بلکہ وہ زینہ گیر کے عین مرکز میں تھا۔ یعنی وہاں جہاں موضوع سید پورہ آباد تھا۔ اور جہاں مولانا سید حسین قمی رضوی نے باغ زینہ گیر میں بادشاہ کی دعوت اقامت قبول کی تھی۔ جیسا کہ صاحب اسلامک کلچران کشمیر" کے فاضل مصنف نے بھی لکھا ہے۔

۳۶ے از تاریخ خواجہ اعظم سال تصنیف 1148ھ

۳۷ے از مکمل تاریخ کشمیر اردو حصہ دوم مطبوعہ و تاریخ کشمیر اردو وغیرہ مطبوعہ مصنفہ خواجہ حسن ملک (پبلک لائبریری سری نگر۔

۳۸ے عہد حکومت 1103ء لغایت 1114ء۔

۳۹ے عہد حکومت 102ء لغایت 142ء۔

۴۰ے بالسیمہ جو 1123ء میں ایک جزیرہ تھا۔ اور اسلامی عہد کشمیر میں جو ایک وسیع

میدان ہونے کی وجہ سے میدان جنگ بھی بنا رہا ہے۔ آج ایک آباد اور بارونق اور ایک گنجان محلہ ہے۔ وسیع سڑکیں اور عالیشان عمارتیں یہاں موجود ہیں۔ گاؤ کدل سے چند قدم آگے دائیں طرف کچھ تھوڑا سا حصہ ممبل کا موجود ہے۔ وہا ں بھی بھرتی ڈال کر خشک زمین پیدا کی جا رہی ہے۔

۴۱ فیجیات کبرویہ۔ مصنفہ شیخ عبدالوہاب گنائی سال تصنیف 1153ھ (کتاب غیر مطبوعہ)

۴۲ صاحب اسلامک کلچران کشمیر صفحہ 244 پر لکھتے ہیں'' کسی مؤرخ نے اس پُل کی تعمیر کے سنہ کا ذکر نہیں کیا۔'' لیکن تاریخ حسن حصہ اوّل میں زینہ کدلی کی تعمیر 822ھ بتائی گئی ہے۔ جو راقم الحروف کے خیال میں اس لئے غلط ہے کہ بڈشاہ کی تخت نشینی ہی 826 میں ہوئی تھی۔ تو 822ھ میں وہ اپنے نام پر پُل کس طرح تعمیر کر سکتا تھا۔ صاحب احسن التواریخ (مولوی عزیز الدّین صاحب قاضی کشمیر مرحوم) اس کا سال تعمیر 807ھ بتاتے ہیں۔ اور بڈشاہ کی تخت نشینی 826ھ کے مطابق وہ بھی غلط ہے۔ بہر حال صحیح یہی ہے۔ کہ سنہ تعمیر کا کوئی پتہ نہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس نے اپنے ابتدائی عہد ہی میں اپنی رعایا پروری کی وجہ سے زینہ کدل کی ضرورت شہر میں محسوس کی ہو۔

۴۳ اس پل پر لوگوں کا اس قدر اجتماع رہتا ہے۔ اور شام کو اس قدر ہوائی باتیں یہاں ہوتی رہتی ہیں۔ کہ سری نگر میں پھیل جاتی تھیں۔

۴۴ کہا جاتا ہے کہ راجوری کدل راجوری کے راجہ کی لڑکی نے بادشاہ کی اجازت سے تعمیر کرایا تھا۔ اور اسی کے نام پر راجوری یا روجوری یا راجور کدل کہلایا۔

۴۵ بہت قدیم نالہ تھا۔ بڈشاہ نے اس پر ایک پُل بھی بنوایا تھا۔ 1917ء تک یہ نالہ چلتا تھا۔ بلکہ سری نگر سے سوپور تک چھوٹی کشتیاں اسی نالہ کہ ذریعہ آیا جایا کرتی تھیں۔ مگر اب یہ نالہ بند کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا پل یہاں سے اکھاڑ کر ہندواڑہ کے مقام کلن گام میں نالہ پہرو پر لگا دیا گیا ہے۔

۴۶ تواریخ خوارق السالکین سال تصنیف 1109ء تک مطبوعہ۔

۴۷ فتحیات کبرویہ صفحہ ۳ میں لکھا ہے۔آپ 22 ربیع الاوّل 1121ھ کو انتقال فرما گئے۔مدفن زینہ کدل محلہ قطب الدین پورہ۔صاحب فتحیات نے خواجہ صدر الدین کا سال وفات 821ھ غلط لکھا ہے۔اگر وہ بڈ شاہ کے زمانے میں موجود تھے۔اور مسجد شوپیاں اور مسجد جامع سری نگر ان کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی ہیں۔تو ان کا سال وفات 821ھ یا کے 841ھ یا اس کے بعد ہونا چاہیے۔اور ممکن ہے 821ھ یا 841ھ یا کے بجائے 821ھ غلطی سے لکھا گیا ہے۔

۴۸ از تاریخ خلیل غیر مطبوعہ مصنفہ محمد خلیل مرجانپوری۔

۴۸ شیخ مقبول حسین صاحب ضلع بارہ بنکی کے تعلقہ دارا اور صوبہ اودہ کے رئیس ہیں۔1909ء میں کشمیر آئے۔اور 1917ء تک ریونیو منسٹری کے عہدے پر ہے۔جامع مسجد کی تعمیر میں آپ نے گورمنٹ ہند سے بھی بہت روپیہ لیا۔اور ہز ہائی نیس مہاراجہ پرتاب سنگھ آنجہانی سے بھی بہت سی امداد حاصل کی۔اور تعمیر و مرمت کی مستقل امداد کا یہ طریقہ تجویز کیا۔کہ مالیہ کے ساتھ فی روپیہ دو پیسہ تا اختتام مرمت وصول کیا جاتا رہا۔یہ رقم سالانہ قریباً 40 ہزار تک پہنچتی تھی۔اور یہ ایسا سلسلہ تھا کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد بھی جاری رہا آپ کشمیر سے واپس آ کر یورپ میں رجسٹرار کواپریٹو سوسائیٹیز سات سال تک رہے۔پھر بھڑائچ میں ڈپٹی کمشنر پر گئے۔1962ء سے جون پور میں کلکٹرو مجسٹریٹ ضلع ہیں۔اور کونسل آف سٹیٹ میں اپنی گورنمنٹ کے نمائندہ ہیں۔سری نگر کی جامع مسجد کی جدید تکمیل کشمیر میں آپ کی بہترین یادگار ہے۔اور کشمیر کے لوگ آپ کے اس احسان کو دلی شکر گذاری کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

۵۰ تاریک خواجہ اعظمی مؤلفہ خواجہ محمد اعظم۔

۵۱ تاریخ حسن قلمی صفحہ 254ء

۵۲ سرینگر سے اسلام آباد کو جاتے ہوئے سڑک کے دائیں طرف مرتفع زمین پر یہ مزار معہ چند درختوں کے موجود ہے۔

ساتواں باب

کشمیر کے سکّے اور اوزان

کوڑیوں کا رواج:

زمانہ قدیم میں ہندوستان کے دیگر ممالک کی طرح کشمیر میں بھی کوڑیوں کا رواج سکوں کے طور پر چلا آیا ہے۔ پنڈت کلہن نے اپنی راج ترنگنی میں اور کیشمند رآ در جونراج نے اپنی تاریخوں میں کوڑیوں کا ذکر کیا ہے۔ آج تم کسی کی حیثیت پر حرف گیری کرنا چاہتے ہو تو کہتے ہو کہ وہ دو کوڑی کا آدمی بھی نہیں۔ لیکن غور کرو جب اپنی کوڑیوں میں بادشاہ وقت زمینداروں سے مالیہ اور رعایا سے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔ اور یہی کوڑیاں وزراء امراء اور فوج کے سپاہیوں اور دیگر اہل کاروں کو تنخواہوں میں ملا کرتی تھیں۔ یہ قدرتی سکہ جو سمندروں اور دریاؤں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ آج انقلاب زمانہ کے ہاتھوں نہ صرف کشمیر سے بلکہ ہندوستان کے ہر حصے سے نابود ہو رہا ہے۔[1]

کشمیر میں سب سے پہلا سکہ:

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ راجہ تورمان[2] (راجہ ہرنیہ کے بھائی) نے سب سے پہلے کشمیر میں سکہ رائج کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ ایک ٹکسال بنایا گیا۔ جہاں سکے مسکوک کئے گئے۔

تورمان کا سکہ قیمت پر چلتا تھا۔ اسکے متعلق کوئی صحیح واقفیت نہیں مل سکتی۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تورمان کے بعد بھی تورمان سکہ عرصہ دراز تک مختلف راجاؤں کے زمانے میں کشمیر میں رائج رہا۔ بلکہ سلطان زین العابدین بڈشاہ کے زمانہ اور اسکے پوتے سلطان حسن شاہ کے زمانہ 1472ء لغایت 1484ء تک بھی اس سکہ کے کچھ نہ کچھ نشان ملتے رہے۔[3]

ہندو عہد قدیم کے سکّے:

اگر تورمان سکہ تانبے کا تھا۔تو اس کو تانبہ کی کان کہاں سے ملی۔اس پر بھی پنڈت کلہن نے کوئی روشنی نہیں ڈالی۔البتہ راجہ جیاپیڈ[4] کے حالات میں لکھتا ہے۔کہ جھیل مہا پدم (وُلر) کے ناگ کی ہدایت پر اس کو تانبہ کی جو کان ملی تھی وہ کرم راجیہ[5] کے پہاڑ میں تھی۔اس سے جیاپیڈ کو اس قدر تانبہ ملا۔جو ایک کروڑ دینار[6] مسکوک کرنے کے لئے کافی تھا۔

اس تانبہ کے سکے کی موجودگی میں کوڑیوں کا سکہ بھی جاری تھا۔کیشمندر کی کتاب لوک پرکاش کی تصنیف نویں صدی عیسوی کے وسط زمانہ کی ہے۔اس کتاب کے دوسرے پرکاش میں تجارتی ٹھیکوں دستاویزوں اور سرکاری احکام وغیرہ کے متعدد کاغذات سنسکرت کے اُن حروف میں ملتے ہیں۔جو قدیم راجگان ہنود کے ایام اواخر میں اہل کاروں کی خط و کتابت میں پائے جاتے ہیں۔اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری وغیر سرکاری حساب و کتاب اور لین دین میں کوڑیاں بھی مستعمل رہیں۔اور تانبہ کا سکہ بھی۔

سکّوں کا وزن:

البتہ سوائے تورمان سکّہ کے جس کا وزن ۱۱۰ گرین تھا۔باقی تمام راجگان کشمیر کے سکوں کا اوسط وزن ۹۱ گرین ہوتا تھا۔ایک مرتبہ جب کشمیر کی سیاسی حالت نہایت اضطراب افزا تھی تو کلہن کی راج ترنگنی اور بعد کی تاریخوں سے پیا جاتا ہے۔کہ راجہ ہرش[7] نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر دیوتاؤں کی مورتیوں کو جو سب تانبے کی تھیں۔اور جن کی کشمیر میں بہتات تھی۔تڑوا کر گلا ڈالا تھا۔اس زمانہ میں سکہ کا وزن مالی مجبوریوں کی وجہ سے ضرور نسبتاً کم رکھا گیا ہوگا۔

یہ تمام سکہ جات صرف دارالخلافہ (سری نگر) میں ڈھالے جاتے تھے۔اس کے سوا کسی اور مقام پر ٹکسال نہ تھی۔ہندوؤں کے عہد میں بھی اور مسلمانوں کے زمانہ میں بھی کشمیر میں سب سے چھوٹا سکہ ۲۵ دینار کا تھا۔اور تانبہ[8] کا تھا۔اس سے کم وزن کا کوئی سکہ کشمیر میں (سوائے کوڑیوں کے) استعمال نہیں ہوا۔

سکّوں کا تعلق لباس سے:

پانچویں چھٹی صدی عیسوی کے کچھ قدیم کشمیری سکے دستیاب ہوئے ہیں، جن سے اس زمانہ کے قدیم لباس پر روشنی پڑتی ہے۔ سکوں کے ایک طرف راجہ کی تصویر ہے۔ جس میں راجہ کھڑا ہو ہے۔ اس نے ایک چھوٹا سا جامہ پہنا ہواہے جو بتدریج ایک بہت بڑے ڈھگلے کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ سکہ کی دوسری طرف ایک بیٹھی ہوئی دیوی کی مورت ہے۔ اور دونوں طرف سنسکرت یا سنسکرت نما زبان میں کچھ حروف بھی درج ہیں۔

کشمیر کے اسلامی سکّوں کی عبارتیں:

کنگھم کے تاریخ کے حوالہ سے مصنف ''اسلامک کلچران کشمیر'' لکھتے ہیں۔ کشمیر کے مروجہ سکوں کی قیمت مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت تک قریباً یکساں اور غیر مبدل ہی رہی ہے، البتہ جوں جوں مسلمان بادشاہوں کے پاؤں مضبوط ہوتے گئے۔ اوران کا دائرہ حکومت وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ ان سکوں میں بھی بتدریج ترقی واصلاح ہوتی گئی۔ چنانچہ اسلامی عہد حکومت میں ان سکوں کی کیفیت اس طرح تھی۔

(1) بعض سکہ جات پر سنہ دو طریقوں یعنی حروف واعداد میں لکھا جاتا تھا۔ بعض پر صرف حروف ہی تھے۔

(2) بعض سکوں میں پر سنہ عربی حروف میں ہے۔ بعض پر فارسی میں ہے۔

(3) سکہ جات پر اسلامی عہد کے قریباً یکسان ہیں۔ ان میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔

(4) ان کی شکل مربع ہے اوران کی پشت پر ُضرب کشمیر درج ہے۔

(5) بعض سکہَ جات پر نائب خلیفہ الرّحمان بعض پر نائب امیر المؤمنین بطور شاہی خطاب استعمال کیا گیا ہے۔

(6) بعض سکوں پر منیر الدین اور نصیر الدین کے اعزازی خطابات بھی شامل ہیں۔ بعض سکوں پر دار الضرب یعنی سری نگر کو ''خطہ'' اور بعض پر شہر لکھا ہو دیکھا گیا۔

(7) ہندوؤں اور مسلمانوں میں کشمیر کا سب سے پہلا بادشاہ زین العابدین ہے جس

نے تانبہ کے علاوہ طلائی ونقرئی سکہ جات بھی رائج کئے۔

(8) کشمیری مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں نقرئی سکوں کا وزن 91 سے 96 گرین تھا۔اور پیتل کے سکوں کاوزن اوسطا83 گرین۔

کشمیر کے سرکاری عجائب خانہ میں مغل شہنشاہوں سلاطین کشمیر۔اور افغان فرما نرواؤں کے عہد میں طلائی سکہ جات کا ایک ذخیرہ ہے، اکبر کے عہد میں طلائی ونقرئی سکوں نے خوشنما صورت اختیار کر لی تھی۔اور یہ سب سکّے کشمیر(سری نگر)ہی میں تیار کئے جاتے تھے۔عہد جہانگیر کے سکہ جات مغلیہ عہد کے جملہ سکوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔اور ان میں سے بعض تو مصوری اور صنعت گری کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

بڈشاہی سکّوں کی قیمت عہد اکبر میں:

ذیل میں ایک جدول درج کیا جاتا ہے۔جس سے زمانہ معلوم ہوگا کہ جو سکے زین العابدین سے پہلے زین العابدین کے عہد میں اور اس کے بعد کے زمانہ میں جاری رہے۔ان کی قیمت ابوالفضل کی تحریر کے مطابق اکبر کے عہد میں کیا تھی۔یہ سکے راجگان قدیم کے سکوں کے نمونہ پر ہی تھے۔فرق صرف یہ تھا کہ ہندو راجگان قدیم کے سکوں پر راجگان کی تصویریں یا دیوی دیوتاؤں کی تصاویر ہوتی تھیں۔اور حروف سنسکرت یا سنسکرت نما ہوتے تھے۔مسلمان بادشاہوں کے سکے عربی اور فارسی حروف میں ہوتے تھے۔اور تصویروں کی بجائے ضرب کشمیر یا بادشاہ کا نام اور سنہ درج ہوتا تھا جدول حسب ذیل ہے۔

نام کشمیری سکہ	دیناروں کی تعداد مالی قیمت کے اعتبار سے	عہد اکبری میں ان کی قیمت
دوادوش (باہ گنی)	12	1/8 درم یا 1/320 روپیہ
پنج ذشنک (پونتشو)	25	1/4 دام یا 1/160 روپیہ
ہتھ	100	ایک دام 1/40 روپیہ
سہسر (ساس)	1000	دس دام 1/4 روپیہ
لکش (لاکھ)	100000	25 روپیہ
کوٹی (کروڑ)	10000000	2500 روپیہ

ان کے علاوہ کوڑیوں کا سکہ حسب ذیل تھا۔

8 کوڑی کی ایک باہ گنی یا ایک دوادوش۔16 کوڑی یا دو باہ گنی یا دو دوادوش۔ ایک پونشتو یا25 دینار یا ایک پنج ذشنک۔

ابولفضل نے بعض اور قیمتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔مگر ان میں کشمیری سکوں کا نام نہیں لکھا۔دیناروں کی تعداد کے ساتھ عہد اکبری کی قیمت لکھدی ہے۔مثلاً۔

دیناروں کی تعداد	نام کشمیری سکہ	عہد اکبری میں اسکی قیمت
500		۵دام یا1/8 روپیہ
2000		20دام یا1/2 روپیہ
2500		25دام یا25/40 روپیہ
12500		دام یا 1/8 -3 روپیہ

زین العابدین کا جدید سکّہ:

سلطان سکندر اور علیشاہ کے زمانہ میں جو چاندی اور سونا مندروں اور مورتیوں کو غارت کر کے جمع کیا جاتا تھا۔اس کو ٹکسالوں میں مضروب کیا جاتا تھا۔چونکہ یہ سکہ کم درجہ کا ہوتا تھا۔اس لئے رائج الوقت سکوں کی کساد بازاری ہوگئی تھی۔

مورتیوں اور مندروں کا سونا ہلکی قسم کا تھا۔یہ ایسا ہی سونا تھا۔جیسا اس زمانے میں شادی بیاہ میں صرف ہوتا تھا۔لڑکے والا لڑکی کو پانچ تولے سونا یا اتنے وزن کی طلائی زیورات دیتا تھا۔اور لڑکی والا اپنی لڑکی کو صرف ایک تولا سونا دیا کرتا تھا۔یہ رواج بڈشاہ سے پہلے بھی چلا آتا تھا۔اس قسم کے سونے کو ''کوری سُن'' کہتے ہیں۔اور اب بھی کہیں کہیں اس کا نام سنا جاتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔کہ یہ سونا ہلکی قسم کا ہے۔

سلطان ان نقائص کو دور کرنے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔چونکہ اسے ملک کی ترقی اور معدنیات کی تلاش کا خاص شوق تھا۔آخر اس نے اپنی ذاتی تگ ودو اور کوہ نوردی سے مس کی ایک کان تلاش کی۔پرانے سکے موقوف کر کے خالص دھات کا سکہ جاری کیا۔

۱۰ اور پرانے ضرب کو موقوف کردیا۔ طبقات اکبری میں بھی لکھا ہے۔ کہ جب زر کی کساد بازاری ہوگئی۔ تو اس نے حکم دیا کہ مس خالص پر جو اس کی اپنی کان سے پیدا ہوتا ہے۔ سکہ بنایا جائے۔ چنانچہ اس کے طویل عہد میں اسی پر عمل ہوتا رہا۔

بڈشاہی دارالضرب:

صراف کدل کے پاس جو بڈ شاہی کا تعمیر کردہ ہے۔ ایک محلہ ہے۔ اس کو ٹنکی سرائے کہتے ہیں، مہارج گنج اسی محلہ کے قرب وجوار میں ہے۔ اسی ٹنکی سرائے میں بڈ شاہ کی دارالضرب ۱۱ تھی۔ بلکہ دارالضرب ہی کی وجہ سے اس مقام کو ٹنکی سرائے کہتے تھے۔ یعنی ایسی سرائے جہاں ٹکے بنتے ہیں۔ چونکہ صراف کدل یہاں زرونقرہ فروخت کرنے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے پل کا نام بھی صراف کدل ہوگیا۔

بڈشاہی سکہ کی شکل وصورت:

خالص چاندی کا بڈ شاہی سکہ بہ شکل مربہ ہے۔ اس کے ایک طرف بخط عربی السلطان بن سلطان بن زین العابدین درج ہے۔ اور پشت پر ''ضرب خطہ کشمیر'' کی عبارت مکتوب ہے۔ ۱۲

بڈشاہی اوزان اور پیمانے:

سلطان نے دیکھا کے اس کی مملکت میں گز۔ جریب اور پیمانے اور اوزان پوری مقدار کے نہیں ہوتے۔ گزوں اور پیمانوں کی کمی سے عوام کا نقصان ہوتا ہے۔ اور جریب کی کمی سے زمیندار خسارہ میں رہتے ہیں۔ اس نے زمینداروں کے پاس خاطر سے جن کی ہمدردی سے اس کا دل ہمیشہ لبریز رہتا تھا۔ اور جن کو اصلی معنوں میں ملک کی ریڑھ کی ہڈی تصور کرتا تھا۔ جریب کو مروجہ جریب سے زیادہ بڑھا دیا۔ گز اور پیمانے اور اوزان پوری مقدار کے رائج کئے۔ آئین اکبری میں بڈ شاہی عہد کے اور مابعد کے اوزان و پیمانہ جات کی مندرجہ ذیل کیفیت درج ہے۔

ایک تولہ۔ 16 ماشہ یا 96 رتی (ایک ماشہ چھ رتی کے مساوی) اوزان حسب

ذیل ہیں۔

1/2 = 7 پال = ا سیر = 2 سیر = 1/2 من = 4 سیر۔ایک ترک 16 ترک = ایک خروار۔خروار اس کا نام اس لئے رکھا گیا۔کہ یہ وزن گدھے کے بوجھ کے برابر ہے۔ ایک گھوڑے کا بوجھ 22 ترک قرار دیا گیا۔قریباً یہی اوزان اور پیمانے اکبر کے عہد میں بھی جاری تھے۔

موجودہ زمانے میں ایک ترک پانچ سیر 3 چھٹانگ کے برابر اور ایک خروار دو من پانچ سیر 3 چھٹانگ کے مساوی ہے۔

حوالہ جات

۱ آج سے دو سال پیشتر 1148ھ کے مؤرخ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کاشمیری نے جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں ہوا ہے۔ اپنی تاریخ اعظمی میں کوڑیوں کے سکہ کے رواج کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ تو بہت دور کی بات ہے۔ اب سے چند سال پیشتر راقم الحروف نے پنجاب اور کشمیر میں کوڑیوں کے سکہ کا رواج دیکھا ہے۔ ایک پیسہ 16 گنڈے ہوتے تھے۔ اور ہر گنڈہ میں 64 کوڑیاں ہوتی تھیں۔

۲ راج ترنگنی حصہ اوّل صفحہ 210 مصنفہ پنڈت کلہن مترجمہ انگریزی سٹین صاحب وارد۔ ٹھاکر اچھر چند صاحب۔

۳ فہمیمہ نوٹ جلد دوئم صفحہ 130 راج ترنگنی۔

۴ عہد حکومت 764ء لغایت 797ء۔

کرم راجیہ کمرازیا کامراج کا نام ہے۔ جو کشمیر کا شمال حصہ ہے۔

۵ جس میں آج کل سوپور۔ بارہ مولا۔ علاقہ کھوئی ہامہ۔ زینہ گیر علاقہ لولاب۔ علاقہ حمل۔ ترہیہ گام غرض ساری تحصیل اوتر مچھی پورہ ہے۔

۶ بقول ابوالفضل ایک ہزار دینار ایک ساس یا 1/4 روپیہ یا دس دام کے برابر ہے۔ ایک کروڑ دینار کی قیمت 1/2 - 2 ہزار روپیہ دس کروڑ کی پچیس ہزار اور سو کروڑ دینار کی قیمت 1/2 2 لاکھ روپیہ کے برابر ہوتی ہے۔

۷ عہد حکومت 1089ء لغایت ۱۱۰۱ء۔

۸ سری درکی راج ترنگنی کے ترنگ ۳ شلوک 214ء میں پنج وتشتہ یا ۲۵ کے سکہ کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے۔ وہ ایک تانبے کا سکہ تھا۔ حسن شاہ 1472ء لغایت 1474ء نے مالی مشکلات کے باعث کھوٹ ملا کر رائج کیا۔ (از ضمیمہ نوٹ ہائے راج ترنگنی صفحہ نمبر 110)۔

۹ دجیز التواریخ غیر مطبوعہ ملا عبدالنبی کاشمیری۔ سال تصنیف 1274ھ

۱۰ بڈشاہی اس فلوسوں یعنی پیسوں کا وزن ایک پاؤ پختہ کے برابر تھا۔

۱۱ ازاحسن التواریخ (غیر مطبوعہ) مصنفہ مولوی عزیزالدین صاحب قاضی کشمیر مرحوم۔

۱۲ ازاحسن التواریخ غیر مطبوعہ مصنفہ قاضی مولوی عزیزالدین مفتی اعظم کشمیر المتوفی شوال 1314ھ۔

آٹھواں باب

آبپاشی اجرائے انہار اور سڑکیں

لال کھوہل ۔شاہ کوھل ۔شاہ کوھل اور ڈوگرہ حکومت ۔ نالہ ماریا مہاسرت ندی۔
نھر زین گنگا۔ بڈ شاھی سڑکیں۔

بڈشاہ کی زرعی دلچسپیاں:

سلطان کو تعمیر عمارات ۔ فلاح زراعت اور احداث انہار کا شوق نہیں بلکہ عشق تھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا۔ کہ چند اہل کاروں کے سوا میرے ملک کی آبادی وخوشحالی کا حقیقی باعث وہی فرقہ ہے۔ جو امیر وغریب سے لے کر بادشاہ تک کو اناج پیدا کر کے دیتا ہے۔ زمینداروں کی بہبود کا اس کو اس قدر خیال تھا۔ کہ ایک قانون کے ذریعہ اس نے مالیہ وصول کرنے والے افسروں کو زمینداروں سے کسی قسم کا نذرانہ قبول کرنے کی سخت ممانعت کر رکھی تھی ۔ اور چونکہ بادشاہ خود بھی اس حکم کی تعمیل کی نگرانی رکھتا تھا۔ اور زمینداروں سے بھی محابا ملتا رہتا۔ اور ان سے ان کی شکایات سنا کرتا تھا۔ اس لئے دیہاتی اور کسان لوگ حکام مال کی تعدیوں سے نہایت محفوظ ہو گئے۔[1]

غرض رعایا بالخصوص زمینداروں کی فارغ البالی کو ترقی دینے میں جو دلچسپی اس نے لی۔ کشمیر کے کسی بادشاہ کو اس کی توفیق نہ ہو سکی۔ چنانچہ صاحب طبقات اکبری بھی[2] اس کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دور تعمیر ولایت وتکسیر زراعت کندن جو یہا توفیق کہ او یافت ہیچ کس از حکام کشمیر رادست نداده بود“ ۔

زہر کس نہ آید ایں کز ابر رحمت   نہال عہد را سر سبز دارد

(ترجمہ: اس کے دور میں ریاست کی تعمیر اور زراعت کی ترقی کی جو کوشش ہوئی کسی اور حاکم کشمیر کے دور میں نظر نہیں آتی' وہ رحمت کا بادل کہ جس نے اس کے عہد میں سر سبزی وشادابی پیدا کی وہ کسی اور کے زمانے میں نہیں ہوئی۔

بڈ شاہ سے پہلے کشمیر کے مشہور انجینیر سویہ بانی سوپور نے آبپاشی کے اہم کام میں دلچسپی لی ہے۔لیکن بڈ شاہ کا انتظام اس کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے بہت اعلیٰ پیمانہ پر تھا شین بھی زین العابدین کے طویل و پر امن عہد میں آبپاشی کے جو اہم کام سر انجام ہوئے ہیں۔ان کی تعریف کرتا ہے۔اور لکھتا ہے۔جونراج اور شری در کی تاریخوں میں اس سلطان کے عہد کی تعمیر شدہ نہروں کی طویل طویل فہرست مل سکتی ہے۔لیکن ان میں سے چند ایک خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ہم سب کا تھوڑا تھوڑا ذکر تاریخوں کی ورق گردانی سے معلوم ہو سکا ہے۔ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

لالہ کوہل:

نالہ[3] پہرو۔لولاب[4] کے خوشگوار اور سر سبز وشاداب پہاڑوں سے نکلتا ہے۔اور تقریباً چالیس میل کی مسافت طے کر کے دوآبگاہ (متصل سوپور) کے پاس دریائے جہلم میں جا ملتا ہے۔بڈ شاہ نے زینہ گیر کی آبادی کے لئے ینہ گام پہرو کے پاس اس نالنہ پر پتھروں کا ایک مضبوط بند بنایا۔اور ایک نہر نکالی۔جس کی بڑی شاخ تو دامن کوہ کے تمام موضعات زولرہَ۔ہارون۔لیٹ۔شارٹ۔نوپورہ۔نجر۔زینہ پورہ۔لبے۔گوری پورہ۔سم پور۔ڈور اور دار پورہ وغیرہ کو سیراب کرتی تھی۔اور جسکی دیگر شاخوں کا تمام زینہ گیر میں جو زین العابدین کا اپنا آباد کردہ علاقہ تھا۔جال پھیلا ہوا تھا۔

علاوہ دیگر مؤرخین کشمیر کے آخری نامور مؤرخ پیرزادہ حسن شاہ بھی اپنی تاریخ میں پہرو اور نالہ پہرو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔نالہ پہرو کے درمیان دردَ کامراج می گذرد منبع آں کوہستان و چشمہ سار لولاب است۔بڈ شاہ در عہد خود نالہ پہرو را من مقام پہرو[5] از مجرای خود مسدود کردہَ۔آب آں فیض بخش پرگنہ زینہ گیر ساختہ۔'' (ترجمہ: نالہ پہرو جو

درۂ کامراج کے درمیان سے گزر رہا ہے''۔اس کا منبع کوہستان اور وہ چشمہ جولولاب میں بہہ رہا ہے۔بڈشاہ نے اپنے زمانے میں نالہ پہرو کو پہرو کے مقام سے چلا کر اپنے آبپاشی کے مقام پر بند کر دیا تھا۔اس کا پانی پرگنہ زینہ گیر کی زمین کو سیراب کرتا تھا۔)

یہ نہر اپنی شاخوں کے علاوہ چودہ پندرہ میل تک لمبی تھی۔اس نے زینہ گیر کو جو رونق دی۔اس کا ذکر زینہ گیر کے حالات میں بیان کیا جاچکا ہے۔

نہر کے تعمیر ہونے پر کئی شعراء نے بادشاہ کی خوشنودی مزاج کے لئے نظمیں لکھیں۔قصائد لکھے۔قطعات تاریخ قلمبند کئے۔بادشاہ علم وفضل کا قدردان تھا۔اس کے دربار میں کئی شاعر موجود تھے۔ظاہر ہے کہ اس نے کئی شعراء پر اعلیٰ قدر مراتب نوازش شاہانہ کی برکھا کی ہوگی۔لیکن تاریخوں میں جس قطعہ تاریخ کا ذکر آیا ہے۔وہ صرف ایک ہی شعر ہے۔اور تعجب بلکہ افسوس ہے۔کہ تاریخ گو شاعر کا نام بھی تک کسی تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا۔شعر حسب ذیل ہیں۔

چو شد تعمیر آں جوئے گرامی   خرو تاریخ گفتہ جوئے خورم ۶

اس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ یہ نہر 859ھ میں تیار کی گئی تھی۔

قریباً پانچ سو سال گذر جانے کے باوجود بھی اس قدیم نہر کے آثار سم پور لمبے ڈور اور تجر کے متصل نظر آتے ہیں۔جو سڑک سوپور سے ہندواڑہ کو جاتی ہے۔وہ دسویں میل پر اسی قدیم چشمہ فیض یا''جوئے خورم کے سینہ بے کینہ کو روندتی اور پامال کرتی ہوئی گذر جاتی ہے۔فوق بار بار کشمیر آیا۔اور بارہا اس نے جوئے خورم کے پانی کے روح پر فتوح پر دعائے خیر پھول نچھاور کئے۔لیکن بند (ستھو) کے آثار سب سے پہلی مرتبہ اس نے ۱۹۲۴ء میں دیکھے۔جو سڑک سے ذرا نیچے بائیں ہاتھ کی طرف اور باغ وزیر سوبہا رام کے عقب میں ہے ستھو کے بہت سے پتھر زمینداروں نے اپنے کھیتوں کے گرد باڑ کے طور پر لگا دیئے ہیں۔تاہم ستھو کا بہت سا حصہ اپنی گذشتہ شاندار تاریخ کے دریدہ بوسیدہ اوراق کے ذریعہ دیدۂ عبرت کو اب بھی اپنی اصلی جگہ پر پہاڑ کی مضبوط چٹان کی طرح نظر آرہا ہے۔

جہاں سے وزیر سوبہا رام کا باغ شروع ہوتا ہے۔وہاں ایک پرانا گلاسڑا چنار کھڑا ہے۔جو صورت یہ بین حاکم میرس کے مطابق ہے۔اس کے نیچے ایک ٹوٹا ہوا ایک کالے

رنگ کا پتھر پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ چنار اور پتھر دونوں بڈشاہ کے زمانے کے ہیں۔ پتھر کے متعلق تو یہ مشہور ہے۔ کہ جب احداث نہر کے ایام میں بڈشاہ یہاں آیا کرتا تھا۔ تو اسی پتھر پر نماز پڑھا کرتا تھا۔ اس چنار اور سنگین جا نماز کے پاس ہی ایک قدیم قبرستان کے آثار نظر آتے ہیں۔ متصلہ باغ کا بہت سا حصہ بے چین دنیا کے رہنے والوں نے اسی خاموشی آبادی کے رین بسیروں کو کھود کھود کر حاصل کیا۔ اب بھی باغ کے اندر اور اس کے دائیں جانب بہت سی قدیم قبروں کے نشان ملتے ہیں۔ بلکہ قبروں کے ساتھ جو زمین زیر کاشت ہے۔ اور جہاں آج ہل چلائے جا رہے ہیں۔ وہاں بھی راقم الحروف نے آج سے کئی سال پیشتر شکستہ قبریں دیکھی تھیں۔ ایک پیر مرد سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ بزمانہ بڈشاہی دامن کوہ میں ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ اسی برباد شہر کے لوگوں کو فرشتہ اجل نے تھپک تھپک کے یہاں سلا رکھا ہے۔

شاہ کوہل:

مشہور ہے کہ کریوۂ مارتنڈ کی بنجر اور غیر آباد سطح مرتفع کو سب سے پہلے بڈشاہ نے "شاہ کوہل" کے اجراء سے آباد کیا تھا۔ لیکن جب ہم تاریخوں کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ بڈشاہ سے بہت عرصہ پیشتر کشمیر کے مشہور اور نامور راجہ للتا دتیہ 715ھ لغایت 752ھ نے اس کریوہ پر اپنا شاندار مندر مارتنڈ تعمیر کرایا تھا۔ اور اس مندر کی آبادی اور رونق کے لئے اس نے دریائے لدر کے اس مقام سے جہاں موضوع گنیش پور آباد ہے۔ اور جو کریوۂ مارتنڈ سے 16 میل کے فاصلہ پر نہایت بلند پہاڑ پر واقع ہے۔ ایک نہر جاری کی تھی۔

اس نہر سے کئی گاؤں سیراب ہوتے تھے۔ پنڈت کلہن پرجاہٹ اور شک۔ جو ہندو عہد قدیم کا نامور مؤرخ تھے۔ مارتنڈ کے میدان پر انگوروں کے باغ کا ذکر کرتے ہیں لیکن جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ راجہ مذکور کے جانشینوں کے زمانہ میں ان کی عدم توجہی اور لاپرواہی کی وجہ سے ایک وقت ایسا آیا۔ کہ نہر بند ہوگئی۔ پانی کی بجائے اس میں مٹی اور پتھر نظر آنے لگے۔ مندر بھی ویران اور اجاڑ ہوگیا۔ کریوہ پر جو مکان آباد تھے۔ وہ

خاک کا پیوند ہو گئے لیکن اِدھر اُدھر جا کر کسی اور جگہ کاشت کرنے لگے۔

راجہ للتادتیہ کے قریباً سات سو سال کے بعد جب بڈ شاہ کا زمانہ آیا۔ تو ملک کے سوئے ہوئے نصیب جاگ اٹھے۔ خشک اور اجاڑ ارضیات پہاڑوں اور جنگلوں کو چیر کر آباد کی گئیں۔ زینہ گیر کے لئے اگر اس کا وجود بارش کرم بن کے آیا تو کریوہ مٹن کیلئے وہ ابر رحمت ثابت ہوا۔

ہزار ہا مزدور نہر کی کھدائی پر لگا دئے گئے۔ بادشاہ کی طرف سے مزدوری بھی دی جاتی تھی۔ جو اس زمانہ میں شاید تین چار پیسہ روزانہ سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم سرکاری اہل کار جو نہر کی کھدائی پر مامور تھے۔ کبھی کبھی لوگوں کو بیگار میں پکڑ لیا کرتے تھے۔

بابا زین الدین حضرت شیخ نور الدین ولیؒ کے مرید تھے۔ اور اپنے خلوص خدمت کی وجہ سے بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے اپنے کسی خادم کو کسی کام کے لئے کہیں بھیجا۔ جب وہ اس مقام پر پہنچا۔ جہاں بڈ شاہ کے اہل کار شاہ جو یعنی شاہی نہر کی کھدائی کا کام کر رہے تھے۔ تو انہوں نے خادم مذکور کو بہ زور و جبر بیگار میں پکڑ لیا۔ جب چند دنوں کے بعد اسے بری خدمت سے نجات ملی۔ تو حضرت بابا صاحب کی خدمت میں آیا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت یہ واقعہ سن کر ملول خاطر ہوئے۔ غضب ناک ہو کر اپنے عصا کو دریائے لدر میں جس کا پانی نہر شاہی میں جانے والا تھا۔ زور سے گاڑ دیا۔ اور کلاہ مبارک کو سر پر ٹیڑھا کر دیا۔ اُدھر یہ ہوا۔ اِدھر دریا کا پانی کم ہو کر خشک ہونا شروع ہوا۔ آخر یہ خبر بادشاہ کو بھی پہنچی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ سرکاری آدمیوں نے حضرت بابا صاحب کہ ایک خادم کو بیگار میں پکڑ کر اس سے زبردستی کام لیا تھا۔ بادشاہ ایک جمعیت بزرگان کے ساتھ حضرت کی خدمت میں گیا۔ اور عذر تقصیر کیا اور اپنے آدمیوں کو نہ صرف حضرت کے خدام بلکہ کسی آدمی کو بھی بیگار میں پکڑنے سے منع کر دیا۔ حضرت نے بادشاہ کی معذرت قبول فرمائی۔ عصا دریا سے باہر نکالا۔ اور کلاہ کو سر پر سیدھا کیا۔ اور پانی دریا کا اسی طرح جاری ہو گیا۔ جس طرح پہلے تھا۔

بادشاہ چونکہ ایک عجیب طبیعت لے کے آیا تھا۔ وہ جس طرح جوگیوں اور سادھوؤں کا عقید تمند تھا۔ اسی طرح مسلمان درویشوں اور صوفی منش بزرگوں کی خاک پا کہ

طوطیائے چشم تصور کرتا تھا۔ حضرت بابا صاحب ضرور خفا ہوئے ہونگے ۔اور سلطان نے فرط مسرت سے ضرور معذرت کی ہوگی ۔ بلکہ بیگار کے اس جبری واقعہ میں قدرت نے یہ حکمت بھی پوشیدہ رکھی تھی ۔کہ بادشاہ سے اس واقعہ بیگار کے بعد بیگار کی ممانعت کے احکام جاری کرادئے تھے۔ جس سے سیکنڑوں اور ہزاروں لوگوں کو اس جبری خدمت سے نجات مل گئی۔

باقی رہا قصہ عصا کے دریا میں گاڑھے جانے سے دریا کے پانی کا خشک ہوجانے کا۔اس کو عقید تمندوں کے حسن ارادت پر محمول کردیا بزرگان دین کی روحانی طاقتوں سے اپنی لاعلمی تصور کرو۔ بابا صاحب کی عظمت بزرگی میں اس سے کوئی کمی یا کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

شری ۸ ور نے اپنی راج ترنگنی میں بڈ شاہ کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ نہر کے اجراء اوراس کی خوش انتظامی کی وجہ سے انگوروں کے باغات اس کریوہ پر بکثرت تھے۔اور وہ اپنی شیرینی اور موٹائی کی وجہ سے دور دور تک مشہور تھے۔ 9

شاہ کوہل اور حکومت ڈوگرہ:

کریوہ مارتنڈ پر یہ نہر مواضعات زنبیر پورہ۔ رامپورہ۔ گوپال پورہ۔ امرگڈھ۔ سنگھ پورہ اور دیوی پورہ کے دیہات کو سیراب کرتی ہے۔ 1919ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اس کریوہ کو ازسرنو آباد کیا۔ یہاں پٹھان۔ پنجابی اور ڈوگرے آباد ہیں۔ جن کا اکثر حصہ فوجوں سے آیا ہوا ہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ان سب کو 1/3 مالیہ معاف کردیا۔ جن کا اب تک بھی بدستور ہے۔

1938ء ب لغایت 1940ء میں معرفت وزیر پنون مہاراجہ موصوف نے بڈ شاہی نہر کی تعمیر شروع کی۔ لیکن پانی موضع سالیہ سے نیچے نہ اتر سکا۔ بعد مہاراجہ پرتاب سنگھ 1955ء ب میں پھر اس کریوہ کی سرسبزی کے لئے کوشش کی گئی۔ اور 1960ء میں بہت سی لاگت اور بے حد جانفشانیوں کے بعد آخر پانی زنبیر پورہ تک آگیا۔ پہلے اور دوسرے سال لوگوں کو آبیانہ معاف کردیا۔ 63, 1966 ب میں 1/3 حصہ اور 1964ء ب میں آبیانہ سالم لیا جانے لگا۔

تقسیم آب کے لیئے اس نہر پر ڈویژنل انجینیر کے علاوہ ایک ضلعدار ایک امین تین پٹواری اور ایک چپڑاسی مقرر تھا۔

نالہ ماریا مہاسرت ندی:

مہاسرت ایک ندی ہے۔ جو ڈل کے چشمہ سے سیراب ہوتی ہوئی دارالخلافہ کے ساتھ آملتی ہے۔ اسکا ذکر کشمیر کی قدیم روایتوں کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے۔ مہاسرت کا اتصال وتشتہ (جہلم) کے ساتھ جس مقام پر ہوتا ہے۔ وہ شاہی محل شیر گڈھی کے عین مقابل ہے۔ یہ جگہ زمانہ قدیم ہی سے ایک مشہور تیرتھ چلی آتی ہے۔ سکھوں کے زمانہ میں یہاں بسنت باغ تھا۔ قدیم ہندوؤں مؤرخوں نے اس سنگم (اتصال) کا نام ''مہاسرورتشتہ سنگم'' اور شری در پنڈت نے اس کا خلاصہ کر کے'' ماری سنگم'' لکھا ہے۔ یہی لفظ شک اور پرجا بھٹ نے بھی استعمال کیا ہے۔ مہاسرت سے ماری اور ماری سے مار مشہور ہو گیا۔ اور اب یہ نالہ اسی نام سے نامزد ہے۔

یہاں تک تو سٹین صاحب کی تحقیقات کا نتیجہ تھا۔ اب مسلمان مؤرخین نے جو کیفیت نالہ مار اور مار کی وجہ تسمیہ میں لکھی ہے۔ وہ بھی درج کی جاتی ہے۔ شیخ عبدالواہاب نوری گنائی اپنی کتاب فتحیات کبرویہ میں لکھتے ہیں۔ زمانہ سابق میں تالاب ڈل کا پانی بررہ نمبل ۱۰ کی راہ سے محلہ علاؤالدین پورہ ۱۱ سے ہو کر گذرتا تھا۔ بادشاہ نے غور کرنے کے بعد اس پانی سے فائدہ اٹھانے کی دو تجویزیں سوچیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے پرگنہ ۱۲ اچھن کو آباد و سرسبز کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ عیدگاہ تک کسی طرح یہ پانی پہنچایا جائے۔ تاکہ لوگوں کو وضو وغیرہ کے لئے تکلیف نہ ہو۔ لیکن یہ دونوں تجاویز بظاہر بہ خوش سلوبی سے طے ہوتی نظر نہ آتی تھیں۔

آخر بادشاہ نے ایک شب خواب میں دیکھا۔ کہ ایک سانپ نکلا ہے۔ اور وہ دوڑتا جاتا ہے۔ اور پانی کا رستہ دکھاتا جاتا ہے۔ چونکہ بادشاہ کو صفائے باطن کا درجہ بھی حاصل تھا۔ اس نے یہی واقعہ بعد میں عالم بیداری میں مشاہدہ کیا۔ دیکھا کے ایک سانپ نکلا ہے۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور وہ بھاگا جاتا ہے۔ اور کسی کے قابو نہیں آتا۔

یہاں تک کہ میدان عیدگاہ تک پہنچا۔ وہاں سے ہوتا ہوا اچھن میں جا کر غائب ہو گیا۔ یہ واقعہ نالہ کی تیاری کے لئے ایک اشارہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے اسی رستہ پر کھدائی شروع کرائی۔ اور چونکہ سانپ کو فارسی میں مار کہتے ہیں۔ اس لئے اس آبجو کا نام نالہ مار مشہور ہو گیا۔ دیگر تمام مسلمان مؤرخین نے بھی نالہ مار کی وجہ تسمیہ میں قریباً یہی لفظ دہرائے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندو عہد قدیم کا اس نالہ سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن جیسا کہ سٹین صاحب کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے۔ عہد قدیم میں مہاسرت نالہ موجود تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ نالہ کریوہ مارتنڈ کی نہر کی طرح مٹ گیا ہو۔ یا بہت چھوٹا ہو۔ اور بعد میں زین العابدین نے اسی نالہ کو از سرے نو جاری کیا ہو۔ جیسا کہ شری در پنڈت کی راج ترنگنی کے شلوک ۴۴ کے حوالہ سے جغرافیہ قدیم کشمیر میں لکھتا ہے۔ کے مغرب کی طرف نالہ مار کی جو توسیع ہے۔ وہ زمانہ مابعد کی ہے۔ سلطان زین العابدین نے اس کو کشتی رانی کے قابل بنا دیا تھا۔

یہ نالہ شہر کی اندرونی آمد و رفت کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے ڈل تک پہونچنے کے لئے ایک آسان گزار شاہراہ تیار کر دی ہے۔ اس کے ذریعہ ڈل کی تمام پیداوار دوسرے مقامات خصوصاً شہر (سری نگر) کے ہر گلی کوچہ تک بہ آسانی پہنچ رہی ہے۔

مکمل تاریخ کشمیر میں اس نالہ کی کھدائی کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی۔ کے جھیل ڈل کا پانی بڈشاہ کے زمانہ میں حبہ کدل کے مقام پر دریائے جہلم میں ملتا تھا۔ بادشاہ نے مٹی اور پتھر ڈلوا کر اس جگہ کو بند کرا دیا۔ اور جھیل کا پانی باہر نکالنے کے لئے نالہ مار تیار کیا۔ جس سے پرگنہ اچھن کی زراعت اور آبادی کو بھی بے شمار فائدے پہنچے [۱۳]۔ بادشاہ نے آمد و رفت کے لئے اس نالہ پر سات پل بھی تیار کرائے۔ [۱۴]

اس نالے سے تین چار شاخیں بھی نکالی گئیں۔ مثلاً کاوڈارہ۔ بارہ پل دولت کل۔ اس نالے کا دور 3-1/2 میل تک بتایا جاتا ہے۔ میدان عیدگاہ کی عالیشان مسجد [۱۵] جو آج اپنی بے سروسامانیوں کی وجہ سے کشمیر اور سری نگر خاص کے مسلمان کے احساس ملی پر نوحہ کناں اور اپنے بانی کے جانشین فرماں روا کی چشم خسروانہ اور امداد شاہانہ کی منتظر و محتاج ہے۔ بڈشاہ کے بھائی علی شاہ بادشاہ کشمیر نے تعمیر کرائی تھی۔ اور نام اس کا عالی مسجد رکھا تھا۔

یہاں پانی کی بڑی کمیابی تھی۔ بڈشاہ نے پرگنہ اچھن کی آبادی کے ساتھ ہی عیدگاہ کو بھی پہنچانے کا انتظام کیا۔ چنانچہ نالہ مار کا پانی میدان عیدگاہ سے ہوکر پرگنہ کو جایا کرتا تھا۔

نالہ مار پر کئی بزرگ آسودہ خاک ہیں۔ جن میں حسب ذیل دو خاص طور پر مشہور ہیں۔ (ا) حضرت سید محمد بیہقی جن کے مزار پر خواجہ محمد اعظم مئولف تاریخی اعظمی 1148ھ کے زمانہ میں بڑی رونق ہوا کرتی تھی۔ دوسرے میر سید حبیب سرخابی جو نہایت جلالی شان کے صوفی اور اغنیا وٴ احکام کی صحبت سے سخت تنفر تھے۔

نہر زین گنگا:

جنوبی کشمیر کا نام عہد قدیم میں مدوراجیہ تھا۔ اُسی کا بگڑا ہو نام آج تک مراز چلا آتا ہے۔ یہاں ادون کے عظیم علاقہ کا جوکراں کے نام سے بھی مشہور ہے۔ کچھ حصہ سطح مرتفع پر واقعہ ہے۔ جو باوجود قریب دریا کے پانی سے محروم تھا۔ بقول شاعر؎

اے سمندر دیکھ لی ہم نے تیری دریا دلی
ایک قطرہ کے لئے ساحل ترستا رہ گیا

جب سلطان زین العابدین نے اس علاقہ میں سلسلہ انہار کو وسعت دی۔ تو اس کا شمالی حصہ ایک جداگانہ پرگنہ بن گیا تھا۔ اس نے اس علاقہ کو آباد کرنے کے لئے اس سطح مرتفع پر اپنے نام سے زین پور ایک قصبہ آباد کیا۔ جس کو سنسکرت زبان کے مئورخین نے جین پور اور جین نگر دونوں ناموں سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ جونراج یا زونہ راج اپنی راج ترنگنی کے شلوک نمبر 1153 نمبر میں جین نگر یا جین پور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے'' اس کو زین العابدین نے اپنے نام پر آباد کیا تھا۔ اور کیشمند رمئورخ نے اپنی پرکاش نمبر 2 میں اس کی تائید کی ہے 16۔

زین پورہ کو آباد و شاداب بنانے کے لئے زین العابدین نے ایک نہر جاری کی۔ جس نے زین پور کو وہ رونق دی کہ زین پور جو ایک قصبہ تھا۔ پرگنہ قرار دیا گیا۔ بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ اپنے نئے آباد کردہ مقامات پر کوئی نہ کوئی سرکاری مکان بھی تعمیر کرادیتا تھا۔ اور اس کی دیکھا دیکھی امیر و وزیر بھی چھوٹے موٹے مکان بطور ریسٹ ہاؤس (آرام

گاہ) بنالیا کرتے تھے۔ یہاں بھی بادشاہ نے یہی عمل کیا۔ بلکہ کئی لوگوں نے باغات احداث کر کے اس کو نمونہ رشک ارم بنادیا۔ 47

جونراج اپنی تاریخ کے شلوک نمبر ۸۷۲ میں لکھتا ہے'' کہ زین العابدین نے جین نگری کے لئے جو نہر تعمیر کرائی اس کا نام جین (زین) گنگا رکھا۔ اور اس کو اس قدر وسعت دی کہ رن سوامن کے مندر تک لے آیا۔ جو راجہ رانا دتیہ نے سرینگر میں تعمیر کرایا تھا۔

اس نہر کا منبع جہاں سے یہ شروع کی گئی تھی۔ قصبہ شوپیاں بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہے کہ اس کا آخری مقام رن سوامن کا مندر واقعہ سری نگر تھا۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس نہر کی لمبائی 30 میل سے کم نہ تھی۔ اور اس سے صرف زینہ پور ہی سیراب نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اور کئی دیہات و مقامات کے تشنہ لب کھیت اس سے اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ 18

رن سوامن کا مندر سری نگر میں کس مقام پر واقعہ تھا۔ اس کے متعلق سٹین صاحب جو سنسکرت راج ترنگنی مصنفہ کلہن انگریزی کے مترجم ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لچھی کوہل وہی نہر ہے جو دریائے سندھ (علاقہ لار) سے نوشہرہ اور سنگین دروازہ تک آتی ہے۔ اور جامع مسجد کے پاس سے گزر کر قاضی کول نامی پل کے قریب نالہ مار میں جاملتی ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو سکے کہ لچھمہ کول کا موجودہ انتہائی مقام آج بھی وہی ہے۔ جو بقول جو نراج زین العابدین کے زمانہ میں تھا۔ تو میں اس قدیم شکستہ مندر دون سوامن'' کے کھنڈرات کو جو نالہ مار اور لچھمہ کول کے مقام اتصال پر ایک کونہ میں موجود ہیں۔ رن سوامن کا مندر سمجھنے کے لئے تیار ہوں۔

بڈشاہی سڑکیں:

جس بادشاہ کو ملک کی آبادی اور فارغ البالی کے لئے ہر وقت کوئی نہ کوئی مفید تجویز سوچنے سے سروکار ہوتا رہتا۔ جس نے تپتے ہوئے میدانوں اور خشک قطعات زمین پر پانی کے دریا بہادئے ہوں۔ جس نے ویران اور اجاڑ اور خاموش اور سنسان مقامات کو جہاں ہر وقت سناٹا چھایا رہتا ہے۔ بارونق قصبے اور شہر بنادیا ہو۔ جس نے

ایسی زمینوں کو جہاں ایک دانہ پیدا نہ ہوتا تھا۔ ہزار ہا خروار اناج پیدا کرنے کے قابل کر دیا ہو۔ اس بادشاہ نے لوگوں کی آمد ورفت اور تجارتی فوائد کے لئے کیا ملک کی سڑکوں کا انتظام نہ کیا ہوگا۔ قیاس کہتا ہے کہ ضرور کیا ہوگا لیکن جب اس زمانہ کی راج ترنگنیوں اور مابعد کی تاریخوں سے کوئی شہادت طلب کی جاتی ہے کوئی شافی جواب نہیں ملتا۔

غالباً اس کی ایک وجہ تھی۔ اس زمانہ میں نہ بگیاں اور موٹریں تھیں۔ نہ ٹانگے اور لاریاں۔ صرف گھوڑے کی سواری ہوتی تھی۔ اور یہی جانور بار برداری کے کام آتا تھا۔ اور گو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پرانے کشمیر میں موجودہ زمانہ کی طرح فراخ اور چوڑی سڑکیں نہ تھیں۔ اور نہ ان پر ایسے عظیم الشان پل تھے۔ جیسے آج نظر آ رہے ہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاتا کہ ایسے وقف عام بادشاہ نے بار برداری کیلئے ضرور ایسے راستے بنا رکھے تھے۔ جن پر سے بیل خچریں اور گھوڑے لدے ہوئے اسباب کے ساتھ بہ آسانی گذر سکتے تھے۔ ایک دیہات دوسرے دیہات اور ایک قصبہ دوسرے قصبہ کے ساتھ انہی رستوں یا پگ ڈنڈیوں کے ذریعہ ملتا تھا۔

ان پگڈنڈیوں کے دو رویہ خوب گھنے سایہ دار اور ثمر دار درخت نصب کئے گئے تھے۔ جن میں کہیں کہیں چنار بھی ہوتے تھے۔ شہتوت زرد آلو۔ سیب۔ ناشپاتی اور اخروٹ کے درخت سایہ کا کام بھی دیتے تھے۔ اور اپنے موسم پر مسافروں کو پھل بھی پیش کرتے تھے۔ راہ گزروں کیلئے کسی قسم کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ پانی پینے کو بے شمار چشمے تھے۔ جن کا میٹھا اور شیرین اور سرد پانی ''شکر نعمت ہائے تو چندان کہ نعمت ہائے تو'' کے مصداق تھا۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ سری نگر کے صفا کدل سے ایک کشتی مسافروں کی بھری ہوئی سوپور جانے کے لئے شام کے وقت روانہ ہوا کرتی تھی۔ چار آنہ فی مسافر کرایہ تھا۔ کشتی کے اندر اس قدر مخلوق ہوتی تھی کہ دم گھٹ جاتا تھا۔ پھر سونے بلکہ بہ آرام بیٹھنے تک کو جگہ نہ ملتی تھی۔ اور دس گیارہ بجے دن کے قریب سوپور میں لنگر انداز ہوتی تھی۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ موٹر لاری تقریباً تین روپیہ فی مسافر کرایہ لے کر ایک گھنٹہ میں سری نگر سے سوپور پہنچا دیتی ہے۔ بڈشاہ کے زمانہ میں کشتیوں کے ذریعہ بھی بہت آمد و رفت ہوتی تھی۔ اور شاید فراخ اور پختہ سڑکوں کی عدم موجودگی ایک وجہ یہ بھی ہو۔

حوالہ جات

۱ اسلامک کلچران کشمیر مصنفہ خواجہ غلام محی الدین صوفی صفحہ نمبر 272

۲ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۰۱

۳ وادی لولاب میں جو کپوارہ سے چندی گام تک چودہ میل لمبی ہے۔ اس نالہ کا نام گنڈا چھٹر ہے۔ وادی کے اور بہت سے نالے اسمیں ملتے ہیں۔ آفن کا نالہ جو ورنو کی طرف سے آتا ہے۔ مقام گنگام بک کے نزدیک اس میں آملتا ہے۔ دوسرا نالہ کلاح روچ ہے۔ جو کھمبر کے متصل آکر شامل ہو جاتا ہے۔ گنڈما چھر نالہ آفن اور نالہ کلاروچ کا پانی نے بر وادی کے اکثر مواضعات کو سیراب کرتا ہوا جب وادی سے باہر قدم رکھتا اور کپوارہ کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو اس کا نام پہرو ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر اسکے ساتھ ایک اور نالہ کیمل نام جو کاغان سے آتا ہے۔ تریگام کو سیراب کرتا ہوا اسمیں آملتا ہے۔

۴ لولاب کشمیر کی مشہور اور زرخیز وادیوں میں سے ہے۔ اس کے اندر قدرت نے کئی اور چھوٹی چھوٹی وادیاں' دامن دل مے کشد'' کی لئے بنا رکھی ہے۔ سب سے پہلے یکم اگست 1928ء کو اس وادی میں داخل ہوا۔ اور اسکے آخری مقام تک پہونچا۔ یہ وادی ایک سو پچیس میل مربع ہے۔ اسمیں 77 دیہات اور 18325 نفوس آباد ہیں۔ 179868 ایکڑ اس میں جنگل کا رقبہ ہے۔ جس کی سالانہ آمدنی چار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ مالیہ ہزار کے قریب ہے۔ اس میں مشہور گاؤں لعل پور۔ ورنو اور سوگام ہیں۔ لعل پور میں مدرسہ ڈاکخانہ اور پولیس چوکی ہے۔ ورنو ہندوستان کے برگزیدہ عالم شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ صاحب کاشمیری سابق مدرس دیوبند کا وطن ہونے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ سوگام میں ڈسپنسری اور رینج کوارٹرز ہیں۔ اس وادی میں آبادی سب مسلمانوں ہی کی ہے۔ پنڈتوں کی تعدان 77 دیہات میں شاید سو سے بھی زیادہ نہیں ہے۔ ورنو سے اوپر ایک میل کے فاصلہ پر ہندو زمانہ قدیم کی بہت سی مورتیاں ملتی ہیں۔ لولاب کی تمام چھوٹی بڑی وادیوں میں محکمہ جنگلات والوں نے سڑکیں بنا کر جنگل میں منگل بنا رکھا ہے۔ چنانچہ لولاب میں موٹریں گھومتی پھرتی ہیں۔ یہ جگہ سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ بلند ہے۔ یہاں کی

زیادہ پیداوار شالی اور مکی ہے۔ شکاران جنگلوں میں بہت ملتا ہے۔ مدارس کی تعداد وہ بھی پرائمری اٹھارہ ہزار سے زیادہ آدمیوں کی آبادی میں صرف چھ ہے۔ لولاب سنسکرت نام ولا اور کشمیری نام لولو اور عام طور پر لولاب بولا جاتا ہے۔ اور کاغذات میں بھی لولاب ہی لکھا جاتا ہے۔ یہ علاقہ راجہ لور 2042 ق م لغایت 1982 ق م کا آباد کردہ ہے۔ جیسا کہ تاریخ میں حسن میں صفحہ نمبر ۱۳۰ پر لکھا ہے۔ پتنہ لولاب درہ است سرحد شمالی کشمیر کہ از چارسو کوہستان دارد۔ راجہ لو آباد کردہ است۔

۵ پہرو اور رینہ گام بالکل آس پاس ہیں۔ اور سڑک بند واڑہ پر جاتے ہوئے۔ جہاں ستھو باندھا گیا ہے۔ وہاں نالہ سے پاراب بھی یہ دونوں مواضعات موجود اور آباد ہیں۔

۶ از مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم۔ مصنفہ راقم الحروف۔

۷ تواریخ خوارق السالکین قلمی وغیر مطبوعہ سال تصنیف 1105ھ۔ صفحہ 93

۸ جغرافیہ قدیم کشمیر۔ صفحہ نمبر 172 راج ترنگنی۔

۹ اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں بھی مارتنڈ کا انگور بہت مشہور رہا ہے۔ (اس زمانہ میں ایک دام یا 1/2/1-1 پیسہ کے 8 سیر خام یا چار سیر پختہ انگور آتے تھے۔ کشمیر سے دہلی تک ایک ڈالی لے جانے کی مزدوری دو روپے تھے۔ اس زمانہ میں بھی اسی قسم کی اتنی ہی بڑی ڈالیاں ہو کرتی تھیں۔ جیسی آج نظر آرہی ہیں۔ کشمیر سے لاہور اور لاہور سے دہلی تک کی مسافت کا اندازہ کرو اور پھر یہ بھی خیال کرو۔ کہ اس زمانے میں رستے کس قدر ناہموار تھے۔ اور پھر دو روپے اجرت پر بھی نظر ڈالو۔ لیکن یہ بھی دریا ہے کہ اس زمانہ کا من موجودہ من سے نصف ہوتا تھا۔ کشمیر سے دہلی تک کی مسافت پاپیادہ ۲۔ 24-25 یوم بلکہ ایک ماہ سے کم میں طے نہ ہوتی تھی۔

۱۰ نمبل کشمیری لفظ ہے۔ اور اس قطعہ زمین کا نام ہے جو نمناک اور آب خیز یعنی دلدل کی قسم کی ہو۔ یا ایسا قطعہ زمین جس میں تقریباً در حصہ پانی اور ایک حصہ مٹی ہو۔ کشمیر کے منبلوں میں سے برارہ نمبل اس لحاظ سے کہ نفس شہر کے شمالی حصہ میں موجود ہے۔ نہایت آباد مزروع اور زرخیز ہے۔ یہاں سفیدہ اور بید کے درخت بکثرت ہیں۔

۱۱ تعمیر کردہ سلطان علاؤالدین والئی کشمیر (عہد حکومت 1348ء لغایت 1360ء

یہ ایک وسیع احاطہ کا نام ہے۔ جس میں سب ذیل محلہ جات ہیں۔ خانقاہ معلّٰی دکان سنگین۔ نر پرستان۔ ملک آگن۔ شاہی تعمیرات اب نابود ہیں۔ البتہ ملک آنگن میں قبرستان کا ایک احاطہ مشہور ہے۔ کہ وہاں علاؤالدین کا مزار ہے۔

۱۳۔ سری نگر کے غربی حصّہ میں تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور عید گاہ تک پھیلا ہوا ہے۔ نبل سنگم کی زراعت جو شامل پرگنہ اچھن ہے بلحاظ ملامیت ولطافت مشہور ہے۔

۱۴۔ مصنّف تاریخ حسن صفحہ نمبر 76 پر لکھتا ہے ''درسلف زمان آب تالاب (ڈل) قرین حبہ کدل با دریائے بہت پیوستہ پے رفت۔ ژشاہ ازاں جا مسدود ساختہ نالہ ماردر لقس شہر حضر کردہ آب ڈل بزراعت پرگندا چھن جاری ساخت۔

۱۵۔ اس نالہ پر چودہ پل تھے۔ جن میں سات قدیم تھے۔ اور سات زمانہ مابعد کے (۱) پل نائدیار (2) پل جوگی لنگر (3) پل ناوپورہ (4) پل نائید کدل (5) بہوری کدل (6) صراف کدل (7) کادی کدل (8) راجوری کدل (9) پل کاوڈراہ (10) ڈونبہ کدل۔ (11) پل سلہ ڈافر (12) پل رتہ پور (13) گاوکدل (14) پل گندر پور۔ سات سنگین پلوں کی تصدیق وحیز التواریخ غیر مطلوعہ مصنفہ ملا عبدالنبی 1274ھ سے بھی ہوتی ہے۔

۱۶۔ 1927ء میں راقم الحروف نے اس مسجد اور عید گاہ کو دیکھا عید گاہ کا میدان بہت وسیع ہے۔ اور قدرت نے جو مخملی فرش (سبز گھاس کا) اس پر بچھا رکھا ہے۔ اس نے اس کی سادگی کو بہت دلفریب بنا دیا ہے۔ مسجد بہت وسیع فراخ اور بلند وبالا ہے۔ لیکن بہت شکستہ حالت میں ہے فرش اکھڑا ہوا ہے۔ بارش میں پانی ٹپکتا رہتا ہے بلکہ ایسا معلوم کہ یہاں فرش کبھی تھا ہی نہیں۔ بارش میں پانی ٹپکتا رہتا ہے مسجد کے پاس ہی دائیں طرف سیاہ پتھر کی سیڑھیاں وضو کے لئے بنوائی تھیں۔ جو مٹی سے ڈھکی ہوئی اور پانی میں چھپی ہوئی ہیں۔ پانی میں لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی ہے۔

۱۷۔ مترجمہ راج ترنگنی کا ضمیمہ کشمیر کا جغرافیہ قدیم صفحہ 21

۱۸۔ مکمل تاریخ کشمیر حصّہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔

☆☆☆☆

نواں باب

انتظام مالیہ وارزانئے اجناس وغیرہ

عہد قدیم کا طریق مالیہ:

راجگان ہنود کے عہد میں مالیہ کشمیر کس شکل میں وصول کیا جاتا تھا۔ تاریخوں سے اس کا کچھ پتہ تو نہیں ملتا۔ لیکن اس خیال سے سکہ کا رواج کم تھا مالیہ جنس کی ہی صورت میں وصول ہوتا ہوگا [1]۔ جب مسلمانوں کا زمانہ آیا۔ تو بقول فرشتہ سلطان شمس الدین نے 1241ء میں پیداوار کا چھٹا حصہ سرکاری مالیہ مقرر کیا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں بقول ابوالفضل مال درآمد پر چھٹا حصہ محصول مقرر رہا۔ البتہ سلطان سکندر کے زمانہ میں اس کے وزیر سیہ بٹ نے مالیہ اور دیگر محصولات میں بہت کچھ اضافہ کردیا۔

عہد بڈشاہی میں مالیہ کا طریق:

سلطان شمس الدین سے لے کر زین العابدین بڈشاہ کے باپ سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ تک کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا۔ بڈشاہ کے بھائی علیشاہ کے زمانہ میں بھی یہی کیفیت تھی۔ لیکن جب بڈشاہ کے ہاتھوں میں عنان حکومت آئی۔ تو اس نے جہاں پیمانہ اور اوزان رعایا کے مفید مطلب ایجاد کئے۔ افسروں کو زمینداروں سے رشوت لینے اور ان کو تنگ کرنے کی ممانعت کے احکام جاری کئے۔ وہاں اس نے مالیہ اور دیگر محصولات میں بھی نمایا کمی کی۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ اس نے مالیہ جو بالعموم جنس ہی کی صورت میں ہوتا تھا۔ پیداوار کا 1/6 کردیا۔ جو اس کے جدّ امجد سلطان شمس الدین کا زمانہ میں تھا۔

بڈشاہ کے عہد میں چونکہ نہروں کی کثرت تھی۔ اور رعایا امن و مسرت کے ساتھ رہتی تھی۔ اس لئے زمیندار اطمینان کے ساتھ کاشت کا کام کرتے تھے۔ مصنف تاریخ حسن

میں صفحہ 133 پر لکھتے ہیں۔ در عہد سلطان زین العابدین یک کروڑ سیزدہ لک خروار داخل خزینہ مے شود'' ترجمہ: سلطان زین العابدین کے دور میں ایک کروڑ تیرہ لاکھ خروار (گدھے کا بوجھ) خزانہ میں داخل ہوتے تھے۔ غور کرو جب مالیہ ہی میں ایک کروڑ سترہ لاکھ خروار مختلف اجناس آتی تھیں۔ تو ملک کی پیداوار کس افراط سے ہوتی ہوگی۔ یہ بھی ایک تاریخ میں نظر سے گزرا ہے کہ زمانہ بڈشاہ میں صرف شالی کی پیداوار ستتر 77 لاکھ تھی۔2

شالی کا نرخ قدیم:

شالی اس ملک کی خاص پیداوار ہے۔ بلکہ چاول (شالی) اگر اہل کشمیر کی قومی خوراک کہا جائے۔ تو بالکل مناسب ہے۔ شالی کی گرانی اور ارزانی ہی باشندگان کشمیر کو فارغ البال اور تنگ دست بنا سکتی ہے۔ کشمیر کی تاریخوں میں سب سے پہلے شالی کی قیمتوں کا ذکر راجہ اونتی درمن کے عہد میں آیا ہے۔ جس نے آبپاشی کے طریقوں میں وسیع اصلاح کی تھی۔ اور ملک کی زراعتی ترقی کی وجہ سے شالی کا نرخ ارزان ہو گیا تھا۔

سوا تین پیسہ کی خروار شالی:

اس زمانہ میں ایک خروار شالی کی قیمت بالا وسط دوسو دینار یا سوا تین پیسہ تھی۔ جو قحط کے دنوں میں زیادہ سے زیادہ 105 دینار یا سوا آٹھ آنہ ہو جاتی تھی۔ جب سوپور کے بانی سویہ نے اراضی کی کاشت کو وسعت دی تو نرخ 36 دینار تک کم ہو گیا۔ یعنی خروار شالی کی قیمت 164 دینار ہو گئی۔

قحط میں شالی کا نرخ 2۔ خروار:

راجہ ہرش کے زمانہ میں شالی بہت سستی تھی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس کی کچھ قیمت ہی نہ تھی۔ لیکن جب اس کے آخری حکومت میں ایک دفعہ شدت کا قحط پڑا۔ تو ایک خروار شالی کی قیمت پانچ سو دینار یا 2۔ ہو گئی۔

بڈشاہی زمانہ کا نرخ:

شری درا اپنی راجہ ترنگنی کے ترنگ نمبر 1 شلوک 202 میں لکھتا ہے۔ سلطان زین

العابدین کے زمانہ میں شالی کی قیمت فی خروار تین سو دینار یا ساڑھے چار پیسے 3 تھی ۔ چونکہ کشمیر میں حالیہ جنس ہی کی صورت میں ادا ہوتا تھا۔ اس لئے شاہی ذخیرہ میں کافی جنس رہا کرتی تھی ۔ اور سرکاری قیمت پر فروخت ہوا کرتی تھی ۔ چونکہ یہ قیمت عام مقررہ نرخ سے زیادہ ہوتی تھی اس لئے لوگ سرکاری ذخیرہ سے بہ امر مجبوری غلہ خریدا کرتے تھے۔

انگور 1-½ پیسہ کا پانچ سیر:

راجہ ہرش کے زمانہ میں قحط میں پشم (اون) کی قیمت فی خروار گیارہ ہزار دینار یا دو روپے بارہ آنے تھے۔ انگور ایک دینار کا چار تولہ آتا تھا۔ یا بیس دینار کا ایک سیر۔ 2 دینار کا کوئی سکہ نہیں تھا۔ بلکہ اس کی کوڑیاں گنی جاتی تھیں ۔ زین العابدین کے زمانہ میں قریباً یہی نرخ تھا۔ ابولفضل کی تحریر کے مطابق ایک سو دینار کا ایک گرام ہوتا تھا۔ اور دام کی قیمت 1 1/2- پیسہ تھی ۔ اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ 1/2 - 1 پیسہ کا انگور بڈشاہ کے زمانہ میں پانچ سیر آتا تھا۔

نمک کا بڈشاہی نرخ:

نمک کی قیمت کشمیر میں دیگر ممالک کی نسبت زیادہ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ کشمیر میں ہوتا ہی نہیں۔ اس کی درآمد پنجاب اور لداخ سے کشمیر میں ہوتی ہے۔ شری در اپنی راج ترنگنی کے ترنگ نمبر 2 شلوک نمبر 584 میں سیاسی فسادات کے زمانہ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ جنوبی رستے بند تھے۔ اور دارالخلافہ (سری نگر) میں 1/2 - 1 پل یا 6 تولہ نمک کی قیمت 25 دینار یا ایک پونتشو یا ایک دام کا چوتھا حصہ تھی۔ یا فی من 2 ہے۔ اکبر کے زمانہ میں بھی جو بڈشاہ کے ایک سو سال بعد گذرا ہے۔ قریباً یہی قیمت تھی۔

نرخ نویسی کی ابتداء:

نرخ نویسی کا رواج بھی بڈشاہ ہی کے زمانہ سے ہوا۔ اس زمانہ میں چھاپہ کا رواج نہ تھا۔ اس نے ورق ہائے مس پر تمام اجناس کے نرخ کندہ کرائے۔ اور دارالخلافہ کے علاوہ پرگنوں اور قصبوں میں یہ ورق اطلاع عام کے لئے بھجوائے۔ ان اوراق کے اخیر

میں یہ الفاظ بھی درج تھے۔ ودوہر کہ بعد از ما باشد و بہ ایں دستور العمل عامل نہ باشد۔ او داند وخدا[4]' لیکن زمانہ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کا مصداق ہے۔ بڈ شاہ کی باتیں بڈ شاہ کے ساتھ ہی چلی گئیں۔

گئی وہ رونقیں سب داغ کے ساتھ
وہی دم تھا غنیمت وہ نہیں ہے

قحط اور اس کا انسداد:

لارنس صاحب [5] اپنی کتاب ویلی آف کشمیر Vally of Kashmir میں لکھتے ہیں۔ کشمیر کے مؤرخوں نے اپنے ملک کے انیس بڑے بڑے قحطوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کی وجوہات کے متعلق ان کے مختلف بیانات ہیں۔ لیکن سب سے اہم امر جس پر سب مئورخین نے اتفاق رائے کیا ہے۔ یہ ہے کہ عموماً بے وقت برف باری اور کثرت آب اور اس کے بعد آتش زدگی کے واقعات سے ہمیشہ ملک تباہ ہوا ہے۔ چنانچہ ایک کشمیر شاعر کا ایک شعر بھی اس کی تائید وتصدیق کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

زآب وآتش است آباد کشمیر　　ازیں ہر دو شود برباد کشمیر

جب کبھی اس قسم کے افسوس ناک واقعات پیش آتے تھے۔ حکومت کی طرف سے اس کا کچھ نہ کچھ ضرور انسداد ہوتا تھا۔ اسی طرح جب بڈ شاہ کے عہد حکومت کے آخری ایام میں اس کے بیٹوں نے باہم خانہ جنگی شروع کر دی۔ تو کشمیر کو اس مصیبت کے علاوہ کثرت باداں اور قحط عظیم کے واقعات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ بے شمار لوگ نان شبینہ سے محتاج ہو کر دست اجل کا شکار ہو گئے۔ سلطان کو بڑی تشویش ہوئی غلہ اور خزانہ دونوں کے منہ رعایا کے لئے کھول دئے۔ بقول مصنف تاریخ حسن سلطان خزائن ودفائن فرلووان وقف محتاجان کرد جان بخشی زدگان فرمود (ترجمہ: سلطان نے تمام خزانوں اور وافر مدفون مال کو محتاجوں کے لئے وقف کر دیا قحط زدگان کی جان بخشی فرمائی۔ بلکہ طبقات اکبری میں تو لکھا ہے۔ کہ علاوہ زر بخشی سلطان نے کئی مقامات پر ان کی پیداوار کے لحاظ سے مالیہ کم کر دیا۔ اور کئی دیہات اور پرگنے مالیہ کی ادائیگی سے آزاد کر دئے۔

ایک انگریز مصنف راجرس کے حوالہ سے ''اسلامک کلچران کشمیر کے مصنف لکھتے ہیں اگر چہ قحط کچھ کم نہ تھا۔لیکن زین العابدین نے پوری کامیابی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اور کئی مقامات پر محصول (مراد لگان سے ہے) کم کردئے۔

جونراج اپنی راج ترنگنی میں لکھتا ہے۔سلطان نے صرف ایک روز کے اندر دس ہزار دینار غریب اور محتاج بچوں میں تقسیم کردئے تھے۔اگر چہ اس زمانہ میں ابوالفضل کی تحریر کے مطابق دس کروڑ دینار کی قیمت پچیس ہزار روپے تھی۔اور باوجود شدید قحط کے بھی ایک طرف تو سارے ملک میں خانہ جنگی اور فتنہ فساد کی آگ لگی ہوئی تھی۔اور دوسری طرف شدت بارش نے ملک کو عالم آب بنا رکھا تھا۔خروار شالی کی قیمت 6 آنہ سے کبھی زیادہ نہ ہوئی 2۔تاریخ فرشتہ میں بھی بڈشاہی عہد کے اس قحط وانسداد کا ذکر لکھا ہے۔کشمیر میں ایسا قحط پڑا کہ ''نان کے عوض جان'' ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔سونے اور چاندی کو چھوڑ کر لوگ غلہ وآذوقہ کی چوری کو غنیمت جانتے تھے۔میوہ ابھی خام ہی ہوتا تھا۔کہ لوگ اس کو کھا جاتے۔اور بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے تھے۔درختوں کے پتے اور کچی سبزیاں تک لوگ کھا گئے۔سلطان اس واقعہ سے ہر لحظ محزون وغمگین رہتا تھا۔اور ادھر ادھر سے غلہ فراہم کر کے رعایا کو تقسیم کرتا تھا۔جب قحط سے کسی قدر نجات ہوئی۔تو سلطان نے بعض محالات میں 1-1/4 اور بعض میں 1/2 حصہ مالیہ مقرر کردیا۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ جنسی مالیہ مسلمانوں اور سکھوں کے عہد تک بھی کشمیر میں جاری رہا۔ البتہ ڈوگرہ حکومت کے زمانہ میں بہ عہد مہاراجہ پرتاب سنگھ و بعہد بندوبست لارنس صاحب جنسی مالیہ کی جگہ نقدی مالیہ مقرر ہوا۔ جو اب تک جاری ہے۔

۲۔ سمورکرافٹ کے زمانہ حیات (1825ء) جبکہ کشمیر میں سکھوں کی حکومت تھی۔ شالی کی پیداوار 20 لاکھ خروار رہ گئی تھی۔

۳۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے آخری ایام میں سرکاری غلہ 10۔ فی خروار کو بکتا تھا۔ 1898ء میں یعنی ۵۲ سال بعد بعہد مہاراجہ پرتاب سنگھ یہ نرخ دو روپے چار آنے فی خروار ہو گیا 1900ء میں دو روپے آٹھ آنے فی خروار 1922ء میں سات روپے فی خروار اور سالہا سال مجوزہ یعنی 1921ء 1922ء کے پرشور زمانہ میں اس کا 10 روپے فی خروار بھی رہا ہے۔ اب مہاراجہ ہری سنگھ کے زمانے میں نرخ شالی فی خروار فصل پر چار روپے کے قریب ہے۔

۴۔ طبقات اکبری مصنفہ محمد نظام الدین احمد بن محمد مقیم الہروی مدفن لاہور سنہ تصنیف ۱۰۰۱ھ بعہد اکبر۔

۵۔ لارنس صاحب کشمیر کے بندوبست تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے جنس مالیہ کو نقدی میں تبدیل کیا۔ کشمیر کے لوگ آج تک انکے دعائیہ گیت گاتے اور انکی تعریف کرتے سنے گئے ہیں۔ لندن جا کر کشمیر پر ویلی آف کشمیر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جو چھپ چکی ہے۔

۶۔ غور کرو اس زمانہ کے قحط پر اور آج کے معمول خوش خرید نرخوں پر۔ راقم الحروف سب سے پہلی مرتبہ کشمیر میں 1907ء میں گیا۔ اس زمانہ میں ساہوکار اور بیوپاری زمیندار کو پیشگی روپیہ دے کر فصل پختہ ہونے پر ایک خروار شالی دو روپے دس

آنہ کے حساب سے لیا کرتے تھے۔اور بازاری خوش خرید نرخ دو روپے دس آنے اور زیادہ سے زیادہ تین روپے تھا۔لیکن آج 1928ء میں باہر دیہات میں خوش خرید نرخ 5,4 روپے فی خروار ہے۔اور کسی کو محسوس بھی نہیں ہوتا۔وڈوار زمینداروں کو پیشگی روپیہ دیکر دو روپیہ سے تین روپیہ کے درمیان شالی لے رہے ہیں۔

☆☆☆☆

دسواں باب

بڈشاہ اور ہندو

کشمیر کے قدیم مذاہب:

کشمیر میں ہندوستان کی طرح زمانہ قدیم میں ہندو مذہب ہی تھا۔ اور اس کے چار فرقے تھے۔ برہمن ۔ کھتری۔ ویش۔ شودر۔ لیکن مذہباً ان کے عقائد میں بہت اختلاف تھے۔ کوئی ناگ پرست تھا۔ کوئی آفتاب پرست۔ کوئی آتش پرست۔ کوئی دیوتا پرست۔ بہت تھوڑے لوگ تھے۔ جو خدا شناس اور خدا پرست تھے۔ جب کشمیر کے راجہ اشوک نے 208 سن بکرمی یا کم وبیش میں بدھ مذہب اختیار کر لیا۔ تو قدیم مذہب والوں نے اس کی بہت مخالفت کی۔ مگر راجہ کے مقابلہ میں کسی کو کوئی پیش نہ چلی۔

یہاں تک کے اشوک کے بعد کئی راجہ اس مذہب کے پابندر ہے اور نہوں نے یہ جبر واکراہ یا یہ صلح وصفائی بدھ مذہب کو تمام کشمیر میں رائج کر دیا۔

آخر ایک وقت آیا کہ ہندوستان کی طرح کشمیر میں بھی مذہب کو زوال شروع ہوا۔ راجہ چندرا جو مذہب شیو کا پیرو کار تھا۔ بدھ مذہب کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ اس نے بدھ مذہب استیصال کر کے اپنے مذہب کو بڑا فروغ دیا۔ جب شنکراچارج کشمیر میں آیا تو اس نے شیو مذہب کو اور بھی زیادہ ترقی دی۔

زوالچو کا واقعہ المناک:

کشمیر مذہبی اختلافات بلکہ فسادات اور ملک کے اندرونی فتنوں میں مصروف تھا۔ کہ 724ھ میں دفعتاً ایک وبائے عظیم نے اس میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ یعنی ذوالقدر خان ترک جو چنگیز خان کی اولاد سے تھا۔ بہتر ہزار سوار جرار لے کر بے خبر کشمیریوں پر جو خانہ جنگیوں کے انجام سے غافل ہو کر کشت وخون میں مصروف تھے۔ حملہ آور ہو گیا۔ جو

ملک اور جو قوم نفاق و فساد کا شکار ہو رہی ہو۔ باوجود کثرت جمعیت کے اس کی کیا طاقت ہے۔ کہ کسی بیرونی دشمن کا خواہ وہ قلیل سے قلیل فوج بھی کیوں نہ رکھتا ہو۔ مقابلہ کر سکے۔

اس موقع پر ابراہیم لودھی اور بابر بادشاہ کی لڑائی پر غور کرو۔ ابراہیم کے پاس کئی سو مست ہاتھیوں کے علاوہ ایک لاکھ فوج تھی۔ لیکن امراء چونکہ آپس میں بٹے ہوئے تھے۔ اور بادشاہ کے اقرباء اور خویش اس سے ناراض تھے۔ اس لئے بابر نے صدہا میل دور ایک غیر ملک سے آکر بارہ ہزار فوج کے ساتھ سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔

غرض ذوالقدر خان نے جس کو کشمیر زوالچو کہتے ہیں۔ ملک میں قتل عام مچا دیا۔ انسان کیا بلکہ مال و مویشی ناپید ہو گئے۔ ملک جو جنت نظیر کہلاتا تھا۔ دوزخ سے بدتر ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شہر میں صرف گیارہ آدمی زندہ رہ گئے۔ ذوالچو چھ ماہ تک کشمیر میں رہا۔ اور اس وقت کشمیر سے باہر نکلا۔ جب سارے ملک کو بے چراغ کر گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ کھوڑی (مظفر آباد) کے رستے واپس گیا۔ اور مضافات و نواحات سے پچاس ہزار کشمیری قیدی کر کے ہمراہ لے گیا۔ مگھر اور پوہ کا مہینہ تھا۔ جب بالائے کوہ پہنچا تو اس قدر برف پڑی کہ ان بدنصیب قیدیوں میں سے ایک متنفس بھی نہ بچ سکا۔

حملہ ذوالچو کے نتائج:

ذوالچو کے بعد کشمیر میں دیر تک بے اطمینانی کی حالت رہی۔ لوگ ذوالچو کو خواب میں دیکھتے تھے۔ اور چونک چونک اٹھتے تھے۔ جس طرح ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ کیا تھا۔ اور شیخ سعدی نے زوال خلافت و بغداد پر ایک دردناک اور خون رلا دینے والا مرثیہ لکھا تھا۔ جس کا ایک شعر ہے۔

آسمان را حق بود گر خون بہ بارو بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

یہی حال ذوالچو نے کشمیر کا کیا۔ لیکن افسوس اس بدنصیب ملک کی اس ذلت و خستہ حالی پر کسی نے خون کے آنسو تو کیا حسرت افسوس کے دو قطرات اشک بھی نہ بہائے۔

کثرت حوادث اور انتظام حکومت کی خرابیوں اور انقلاب عظیم کی وجہ سے کشمیر کا

اب کوئی خاص مذہب نہ تھا۔ تا آنکہ رینچن شاہ نے کشمیر کے تخت و تاج پر قابض ہو کر 1325ء میں مذہب اسلام قبول کیا۔

بہت سے ہندو مشائخ کبار کے حسن خلق اور تعلیم اسلام کے تاثرات سے مسلمان ہو گئے۔ کئی ایسے تھے۔ جن کو مصالح ملکی نے تبدیل مذہب پر مجبور کیا۔ ایک کافی تعداد ایسی تھی۔ جو سلطان بت شکن اور اس کے وزیر ملک سیف الدین کے جوش مذہبی کی وجہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ بہت سے ایسے بھی تھے۔ جو تشدد سکندری کی تاب نہ لا سکے۔ اور ہجرت و ترک وطن پر مجبور ہو کر کشمیر سے باہر چلے گئے۔

چونکہ سلطان بت شکن کے بعد علیشاہ اس کا بڑا بیٹا تخت پر بیٹھا اور چونکہ اس زمانہ میں بھی ملک سیف الدین مدار المہام کل تھا۔ اس لئے ہندوؤں کی بے اطمینانی و بے قراری کی جو صورت سلطان بت شکن کے زمانہ میں تھی۔ اس میں اس کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہ ہو سکی۔

بڈ شاہ کا سلوک ہندوؤں کے ساتھ:

جب تخت کشمیر نے زین العابدین کے پاؤں چومے۔ اور تاج شاہی نے اس کے سر پر آ کر فخر محسوس کیا۔ تو کشمیر کے ہندوؤں کی بے اطمینانی مضطرب الحالی اور شکستہ دلی کے احساس کے باوجود بادشاہ کچھ عرصہ تک سرکشوں اور سلطنت کے مخالفوں کے استیصال میں مصروف رہا۔ اس کے بعد جب اسے ذرا اطمینان حاصل ہوا تو اس نے صحیح اسلام پر کاربند ہو کر ملک کے غیر مسلم گروہ کی جس کی تعداد سارے کشمیر میں غالباً چند ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ تالیف قلوب کرتا اپنی زندگی کا خاص مقصد قرار دیا۔

جسم پر حکومت کرنے کی بجائے وہ دلوں پر حکومت کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اور اس کے طرز عمل نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے قول و عہد اور اپنی زبان پر سختی سے پابند رہتا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ جو سلوک بڈ شاہ نے کیا۔ حقیقت یہ ہے کوئی ہندو راجہ کسی ہندو کے ساتھ نہ کر سکا۔ اپنی مراعات کی وجہ سے بڈ شاہ بٹ شاہ کے نام سے بھی مشہور ہو گیا۔

بڑے کیا ہو گا اس سے کیا ہر دلعزیزی کا ثبوت

بن گیا بڈ شاہ سے بٹ شاہ زین العابدین

بڈ شاہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں ہندوؤں کو جس طرح نوازا ہے۔ اور مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کی جو حوصلہ افزائی کی ہے۔ اوران کے مقدس مقامات اوران کی قدیم عمارات کے ساتھ جس انصاف و مساوات کا سلوک کیا ہے۔ اور قابل ہندو علماء وادباء کی جو سرپرستی کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ بادشاہ اپنے باپ اور بھائی کے خلاف حکمت وتدبر سے بھرا ہوا ایک عجیب دل ودماغ لے کے آیا تھا۔ اس کی نظر میں مسلمان اس لئے قابل وقعت نہ تھا۔ کہ وہ مسلمان ہے۔ اور ہندو اس لئے قابل نفرت نہ تھا کہ وہ ہندو ہے بلکہ وہ ہر شخص میں کسی نہ کسی کمال کا متلاشی تھا۔

چنانچہ مسلمان مشائخ کی طرح اسے ہندو جوگیوں سے بھی جن کے پہلو میں حقائق و معارف سے لبریز دل ہوتا تھا۔ برابر عقیدت وارادت تھی۔

جب ہم دربار شاہی کے ارکان وشعراء پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں ہندوؤں کی ایک کافی تعداد نظر آتی ہے۔[2]

مختلف تاریخوں[3] کے مطالعہ سے بڈ شاہ کی ہندو نوازیوں کی جو کیفیت معلوم ہو سکی ہے۔ اس کو بیسویں صدی کے اس نفاق پرور واتحاد شکن دور میں ذرا وضاحت سے قلمبند کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مہاجر کشمیری پنڈتوں کی واپسی:

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ سلطان سکندر بت شکن کے نو مسلم وزیر ملک سیف الدین بٹ کے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہندوؤں کی ایک کثیر تعداد کشمیر سے باہر چلی گئی تھی۔ یہ لوگ پنجاب۔ دہلی۔ لکھنو۔ بنارس۔ آلہ آباد اور ہندوستان کے دیگر مقامات میں جا کر آباد ہو گئے۔ جب بڈ شاہ کا زمانہ آیا۔ اور اس نے سلطنت کے فوجی انتظامات اور دشمنان سلطنت کو محکوم و مغلوب کرنے کے بعد جب ملک کی آبادی کی طرف توجہ کی تو اس نے مہاجر لوگوں کو واپس بلوانے کے لئے ایک اشتہار جاری کیا۔ ان کو بہت سی مراعات کی توقع دلائی۔ ان سے انصاف وعدل کا وعدہ کیا۔ انکی زمینیں اور جائیدادیں بعد ثبوت کا

مل ان کو واپس دلانے کی خوشخبری سنائی ۔ چنانچہ کئی ہزار کشمیری ہندو جنہوں نے کئی سال سے پنجاب و ہند کو اپنا وطن بنا رکھا تھا ۔ جب وطن اور جدید بادشاہ کے اعلان مراعات کی وجہ سے پھر کشمیر چلے آئے ۔ بادشاہ نے بھی ان کے ساتھ مراحمت خسروانہ سے کام لیا ۔ جو جاگیردار تھے ۔ ان کی جاگیریں واپس کیں ۔ اور جو اپنی جائیدادوں کا ثبوت دے سکے ۔ انکی جائدادیں ان کو واپس دلائیں ۔ جن کا ثبوت نہ مل سکا ۔ انکو مکانات وغیرہ کے لئے زمینیں عطا کیں ۔

پنڈتوں کی واپسی کے متعلق ایک ہندو مؤرخ لکھتا ہے ۔ رسومات ظلم از ولایت کشمیر انداختہ و طبقہ برہمنان را کہ بہ مسعایت سیہ بٹ نامی کہ درعہد سلطان سکندر جدائیے وطن اختیار کردہ بودند ۔ باز آوردہ معابد و مقامات خود را اقرار و ظائف مستمر آں مقرر گذاشت ۔ (ترجمہ: بڈشاہ کے عہد میں ظلم کی رسومات کشمیر سے ختم کر دی ۔ اور جن برہمنوں کو سلطان سکندر کے زمانہ میں وطن سے جدا کر دیا گیا تھا ۔ واپس بلوا کر ان کی عبادتیں گاہیں اور مقدس مقامات انہیں واپس کر دی گئیں اور ان کے وظیفے مقرر کر دئے گئے ۔)

نو مسلم کشمیری پنڈتوں کی شدھی:

سلطان بت شکن کے عہد میں ایک جماعت ایسی بھی تھی ۔ جس نے خوف یا طمع کی وجہ سے مذہب اسلام قبول کیا تھا ۔ بڈشاہ نے جب مذہبی آزادی کا اعلان کیا ۔ اور یہ مشتہر کیا کہ اسلام ''لَا اِکْرَاهَ فِی الْدِّیْنِ'' ''دین میں کوئی جبر نہیں ہے'' ۔ کی تعلیم دیتا ہے اور مذہب کے معاملہ میں جبر و تشدد سے منع کرتا ہے ۔ تو کئی پنڈت جو سابقہ سلاطین کے عہد میں ملک سیف الدین کے جبر سے بہ اکراہ مسلمان ہو گئے تھے ۔ پھر اپنے سابقہ دین میں آ گئے ۔ ان کی برادری نے بھی ان کو شامل کرنے سے انکار نہ کیا ۔ اور کسی قاضی اور مفتی کو بھی جرأت نہ ہو سکی کہ ان سے ارتداد کا مؤاخذہ کرتا ہے ایک ہندو ؎ مؤرخ بھی لکھتا ہے ۔ علما فضلاء را مجال آں نبود ۔ بر برہمنانے کہ در حکمرانی سلطان سکندر از درجہ خود افتادہ بودند ۔ زبان تعرض کشاىند'' (ترجمہ: علماء فضلاء کو بولنے کی مجال نہ تھی ۔ وہ برہمن جو سلطان سکندر کے زمانہ میں اپنے درجہ سے گرادئے گئے تھے ۔ انھوں نے زبان کھولنا شروع کر دی ۔)

جزیہ کی موقوفی:

جونراج اپنی راج ترنگنی میں اس جزیہ کا ذکر کرتا ہے۔ جو کشمیر کے مسلمان بادشاہ کے ہندوؤں سے وصول کیا کرتے تھے۔ کشمیر کے ابتدائی مسلمان سلاطین کے زمانہ میں اس ٹیکس کی مقدار دو پل چاندی سالانہ تھی۔ شین صاحب لکھتے ہیں۔ چونکہ یہ وزن آٹھ تولے کے برابر ہے۔ اس لئے یہ امر تعجب خیز نہیں کہ اس زمانہ کے لوگ اس سختی کو بجا طور پر محسوس کرتے تھے۔ پل چار کرش کا ہوتا ہے۔ اور ایک کرش 16 ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک پل چار تولک (تولہ) کے مساوی سمجھنا چاہیئے۔ اب تک کشمیر میں سیر کے 1/2 حصہ کے لئے پل ہی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس ترنگنی میں جونراج نے لکھا ہے کہ بڈشاہ نے گھٹا کر اسے ایک ماشہ سالانہ کر دیا تھا۔ اور اس کی رعایت و نوازش کے لئے جونراج نے بادشاہ کی بہت تعریف کی ہے۔ بہر حال جزیہ کم تھا۔ یا زیادہ۔ اور اسلامی نقطہ نگاہ سے جائز تھا۔ یا ہندوؤں کے خیال میں نہ جائز اس کی سختی ہندو عام طور محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ نے ہندوؤں کے خیالات اور ان کی عرضداشتوں سے متاثر ہو کر جزیہ کو اتنا کم کر دیا۔ کہ وہ بہت تھوڑا بلکہ برائے نام رہ گیا۔ 6 اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جو تھوڑا ابھی تھا۔ وہ بھی موقوف کر دیا۔

ایک محب وطن کشمیری پنڈت:

جزیہ کی موقوفی کے متعلق ذیل کا واقعہ دلچسپی سے مطالعہ کیا جائے گا۔ ایک مرتبہ سلطان کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا جس سے وہ سخت بیمار رولا چار ہو گیا۔ آخر جب شاہی حکیم شری بٹ کے معالجہ سے بادشاہ کو صحت ہوئی۔ تو اس نے حکیم موصوف کو انعام دینا چاہا۔ لیکن شری بٹ نے کسی قسم کا نقدی انعام لینے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے سمجھا شاید جاگیر کا خواہشمند ہے۔ حکم دیا۔ شری بٹ کے نام عطائے جاگیر کا فرمان لکھا جائے۔ لیکن شری بٹ نے بادشاہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس پر بھی رضامندی کا اظہار نہ کیا۔ آخر بادشاہ نے کہا۔ کچھ تو کہو۔ شری بٹ نے عرض کیا۔ میری ذات کے لئے خداوند نعمت کی شاہانہ توجہ سے بہت کچھ ہے۔ اگر سرکار مجھے خسروانہ سے ممنون ہی فرمانا چاہتے ہیں۔ تو میری قوم کو زر جزیہ سے بالکل ہی معاف فرما دیا جائے۔ تاکہ ایک شری بٹ کی جگہ اس کی ساری قوم حضور کے

از دیا وا قبال و دولت کی دعا گو رہے۔

شری بٹ کے یہ الفاظ ایثار و قربانی کی زندہ نظیر تھی۔ بادشاہ کے دل پر اثر کر گئے ۔اور کیوں نہ کرتے!

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں! طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

چنانچہ بادشاہ نے شری کی یہ درخواست منظور کی۔ اور کشمیر کے ہندو جزیہ کے ٹیکس سے نجات حاصل کر گئے۔ آج ہر کشمیری پنڈت شری بٹ کی حب الوطنی اور اس کے جذبہ ایثار پر فخر کرتا ہے۔ اور تاریخ اس کے نام کو سنہری حروف میں پیش کر رہی ہے۔

ہندو جوگیوں کے لئے جوگی لنگر:

بادشاہ کی فیاضیوں اور اس کے ہندو نوازیوں کی داستانیں گو کشور ہندوستان کی فیصل یعنی ہمالیہ سے باہر سمندر پار نہ جاسکی ہوں۔ تاہم اس میں کلام نہیں کہ کشمیری پنڈتوں کے علاوہ جو کشمیر سے ہجرت کر گئے تھے۔ اور بڈشاہ کے زمانہ میں جن کی کثیر تعداد واپس آگئی تھی۔ اکثر دوسرے برہمن بھی بادشاہ کی شہرت سن کر کشمیر آ گئے۔ ان میں جگن ناتھ اور کو رو کشتیر کے عالموں کے علم وفضل اور ان کی صحبتوں سے بادشاہ نے بہت استفادہ حاصل کیا۔ اور ان کے معقول مشاہرے مقرر کر کے اپنی علم نوازی اور بے تعصبی کا ثبوت دیا۔ بلکہ لکھا ہے کہ ان لائق و فائق دیدانتوں اور عالم و فاضل برہمنوں کی قدر مسلمان درباریوں سے بھی زیادہ کرتا تھا۔ 7 لیکن ہندو جوگیوں کی جن میں کشمیری سادھو بھی تھے۔ ایک عظیم تعداد ایسی تھی۔ جو توکل کے غلط معنی سمجھ کر اور ہاتھ پاؤں توڑ کر ملک اور قوم کے لیئے ناقابل برداشت بوجھ ثابت ہو رہی تھی۔ بادشاہ نے ان کے لیے رینہ داری میں مطبخ عظیم مقرر کیا جہاں سے دو وقت کا کھانا ہر ایک جوگی کو سرکار کی طرف سے مفت ملتا تھا۔ اور ان کے روزینے بیت المال سے مقرر کردائے 8 جس مقام پر یہ مطبخ یعنی لنگر خانہ تھا۔ اب وہ جگہ لنگر کے نام سے موسوم ہے۔

مندر شنکر اچارج کی مرمت:

کمراز کے علاقہ میں راجہ پرتاب پیڈ کا مندر موضع تاپر میں نرمندریشور کے نام سے تھا۔ راجہ جیا پیڈ کے تین مندر (1) چترا تما کیشو (2) شیشہ شامی کیشو اور (3) مرتہ کیشو ندر کوٹ میں تھے۔ یہ سب مندر اس تباہ حالت میں تھے کہ از سر نو ان کا اصلی شان وشوکت میں آنا بہت محال تھا۔ اس زمانہ میں محکمہ آثار قدیمہ قائم نہ تھا۔ ورنہ یہ مندر جس حالت میں بھی تھے۔ موجود رہتے۔ مگر بادشاہ نے اس پر بھی ان مندروں کی بوسیدہ کہنہ ہڈیوں یعنی ان کے پتھروں سے جو اِدھر اُدھر بیکار پڑے ہوئے تھے۔ ایک نہایت مفید کام لیا۔ ان سے کسی مسجد کی تعمیر نہیں کی۔ ان کو کسی محل میں استعمال نہیں کیا بلکہ ان پتھروں سے ایک ستھو بند۔ تو نائد کھائی سے سوپور تک بنوایا۔ اور ایک سوپور سے سوپور تک جو رفاہ عام کے لئے وقف تھے۔ تاریخوں میں لکھا ہے۔ کہ اس نے بعض منادر جو منہدم ہو گئے تھے۔ از سر نو تعمیر کرائے۔ ان میں مندر۔ ''زشی شور'' جو کہ کوہ سلیمانی یا شنکر اچارج پر واقع ہے۔ خاص طور پر مشہور ہے۔ یہ مندر راجہ سندیمان نے ۴۸۰ ب تعمیر کرایا تھا۔ راجہ گوپادت اور راجہ للتادتیہ نے اپنے اپنے زمانہ میں اس کی مرمت کرائی۔ لیکن بعد کے راجاؤں نے چنداں توجہ نہ کی۔ مندر کی حالت خراب سے خراب تر ہوگئی۔ یہاں تک کہ سلطان سکندر کے زمانہ میں زلزلہ کی ایک ہی ضرب نے اس کی چھت کے پتھروں کو شکستہ و منہدم کر دیا۔

بڈشاہ نے اپنی طویل عمر کے آخری ایام میں اس مندر کی طرف توجہ کی۔ اس کے انہدام کو پائیداری سے اور اس کی شکستگی کو مضبوطی سے تبدیل کیا۔ اور چھت کو نئے سرے سے تعمیر کر کے اس کے نیچے چار ستون استوار کئے۔ چنانچہ اس کے ایک ستون پر مندرجہ ذیل دوسطریں منقوش ہیں۔ سطر اول این ستون برداشت خواجہ رُکم بن مرجان وسال پنجاہ وچہار کشمیری !۔

سطر دوم۔ معمار این ستون واجی ہشتی زرگر در سال پنجاہ وچہار کشمیری نیز بر دیوار شمالی نزد بان سنگین آن منقوش بود۔

اس سال کشمیری سال 150 تھا۔ مگر اہل کشمیر عموماً احاد لکھتے تھے۔ اور مات

ساقط کر دیتے تھے۔ اور آج کل بھی نہ صرف کشمیر میں بلکہ ہر جگہ یہی رواج ہے۔ مثلاً آج 1928ء ہے۔ لیکن تحریروں میں بالعموم 28ء ہی لکھا جاتا ہے۔

مندروں کے ساتھ پاٹ شالائیں:

بادشاہ نے بت خانوں اور مندروں کی مرمت و نگرانی کے علاوہ ان کے ساتھ پاٹ شالے بھی جاری کئے۔ جہاں ہندو دیار تھی۔ مذہبی علوم نہایت آزادی سے حاصل کیا کرتے تھے۔ ان کی مذہبی کتابیں ہیں جو ان کی مہاجرت کے ساتھ ہی کشمیر سے نابود ہو گئی تھیں۔ ہندوستان سے واپس منگوائیں۔

بقول ملا بہاؤ الدین دفاتر کفر و شرک کہ ازیں دیار بدر کشیدہ بودند باد طلبید ند!!۔
(ترجمہ: کفر و شرک دفاتر جو اس علاقہ سے زبردستی ختم کرائے گئے تھے دوبارہ واپس آ گئے)
بادشاہ نے حکم دیا کہ ہندو جو کچھ ان کتابوں میں درج ہے اس پر عمل کیا کریں۔ مندوروں کی مرمت اور پاٹ شالوں کے اخراجات کے لئے بادشاہ نے جاگیریں عطا کیں۔ استاد تنخواہوں سے بے فکر تھے۔ اور طالب علم فیسوں سے آزاد تھے۔ افسوس یہ باتیں بادشاہ کے ساتھ ہی مٹ گئیں۔

آہ اے سلطان زین العابدین بڈشاہ ماہ
نوحۂ کشمیر پڑھ بیٹھے تیری میت کے ساتھ

سنسکرت اور فارسی میل جول:

بادشاہ نے ہندوؤں کا مذہبی لٹریچر صرف پاٹ شالاؤں ہی میں تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ ویدوں شاستروں پرانوں اور ان کئی مذہبی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں اور فارسی کتابوں کا سنسکرت زبان میں ترجمہ کر کے ہندوؤں کے مذہبی خیالات سے مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے مذہبی تعلیم سے ہندوؤں کو آگاہ اور باخبر کیا۔

بادشاہ کی عقلمندی۔ بے تعصبی اور دور اندیشی کا ملک کی سیاسی حالت پر بہت اچھا اثر پڑا۔ چنانچہ جب مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے کی مذہبی تعلیم سے واقف ہونے کے بعد معلوم ہوا۔ کہ ع

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔

تو ذاتی بغض وعناد کی جڑیں جو تھوڑی بہت ابھی باقی تھیں۔وہ بھی حرف غلط کی طرح کٹ گئیں۔اوراب دونوں قومیں اکثریت واقلیت کے بغیر آپس میں شیر وشکر ہوگئی۔

جزیہ کی موقوفی نے بھی بادشاہ کے عہد میں کفرواسلام کی تفریق مٹادی تھی۔لیکن دونوں قوموں کو دونوں کے علوم سے آگاہ کر کے بادشاہ نے نہ صرف اپنے مصالح ملکی (یعنی قومی اتحاد کی وجہ سے ملک میں امن وامان کو مضبوط کیا بلکہ ملک کو بھی آئے دن کے فتنہ فساد سے نجات دلائی۔

بڈشاہ کیسا بے تعصب اور محب وطن بادشاہ تھا۔اوراس کی رعایا کیسی صلح جو اور امن دوپسند اور مختلف مذہب کے بزرگوں کا احترام کرنے والی تھی۔آہ! اب یہ صورتیں خواب وخیال ہیں۔

ہوگئیں وہ صورتیں گو صورت موج سیراب
خلق کو احسان ان کے اب بھی ہیں خاطر نشین

کشمیری پنڈت اور فارسی:

انگریزوں کے ابتدائی دور میں مسلمان علماء اور پیر صاحبان نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کے حصول سے جو حکمران قوم کی زبان تھی۔اور ملک کے ہر حصہ میں سرعت پر پھیل رہی تھی۔محروم رکھا تھا۔اور زبان کی اس محرومی کی وجہ سے مسلمان برطانوی عہد حکومت میں اب تک دفتری ملازمتیں نہ حسب خواہش اور نہ تناسب آب یاری کے لحاظ سے حاصل کر سکے ہیں۔

بڈشاہ نے جزیہ کی موقوفی۔سنسکرت لٹریچر کے فارسی ترجمے اوراپنے ذاتی حسن وسلوک سے ہندوؤں میں بہت کچھ ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات بھی بہت خوشگوار تھے۔لیکن ابھی تک ایسے ہندو علماء موجود تھے۔جو ہندوؤں کو فارسی کی تعلیم سے جواس وقت کشمیر کی دفتری زبان تھی۔اور جس کے حصول کے بغیر کسی ہندو کا کسی سرکاری دفتر میں ملازم ہونا بہت مشکل تھا۔روکتے اور منع کرتے تھے۔اوراس

کو ملیچھوں کی زبان کہتے تھے۔اور اس کے پڑھنے والے پر برادری سے خارج کرنے کے فتوی صادر کیا کرتے تھے۔

بڈ شاہ نے ہندوؤں کو سمجھایا۔کہ فارسی دفتری زبان ہے۔اگر تم اس سے الگ رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں تم کو کوئی حصہ نہ ملے گا۔ملک کی کثیر تعداد مسلمان ہے۔اس لئے فارسی زبان جس کو مسلمانوں نے اپنی مذہبی زبان (عربی) کے بعد دوسرا درجہ دیا ہے۔اور جو کشمیر میں سوا سو سال سے زیادہ عرصہ سے اور ہندوستان میں کئی سو سال سے دفتری زبان کی حیثیت سے جاری ہے۔بدلی نہیں جا سکتی۔اس کے حصول کے لئے تم کو کوئی دقت نہیں۔تعلیم مفت ہے۔اور اس کے تمام اخراجات حکومت کے ذمہ ہیں۔تم بھی مسلمانوں کی طرح فارسی پڑھو۔اور ملک کے عہدوں میں حصہ لو۔اور مل جل کر اپنے ملک کی ترقی وفلاح کی تدابیر سوچو۔

چنانچہ اسی زمانہ میں پنڈتوں نے فارسی پڑھنی شروع کی۔اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس قوم میں فارسی زبان کے ایسے نامور اور عالم پیدا ہوئے کہ بادشاہ نے ان کی قابلیتوں کی وجہ سے ان کو سر آنکھوں پر جگہ دی۔اور وہ اعلیٰ مراتب ان کو عطا کئے۔کہ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھے۔فارسی پڑھنے والے ہندو طلباء کو خاص وظائف ملا کرتے تھے۔اور ان میں سے بعض نادر طلباء کو خوراک بھی سرکار کی طرف سے عطا ہوتی تھی۔

مختصر التواریخ کشمیر کا مصنف 12 بڈ شاہ کی بے شمار خوبیوں بلکہ اس کے احسانات کو جو اس نے ہندو قوم کے ساتھ کئے تھے۔تسلیم کرتے اور یہ تحریر کرنے کے باوجود کہ "در رعایت فقراء وضعفاء پرداشت حال رعایا وبرایا دقیقہ از شفقت ومہربانی دریغ نمے داشت"۔(ترجمہ: سلطان ،فقراء اور محتاجوں کی بڑی رعایت کرتا تھا' اور رعایا مخلوق پر بڑی شفقت اور مہربانی سے دریغ نہ کرتا تھا۔)

بڈ شاہ جیسے نیک دل اور نیک نیت بادشاہ پر یہ حملہ کرتا ہے۔اور اس نے پنڈتوں کو فارسی کی تعلیم کی تحریک محض اس لئے کی کہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کر دیا جائے۔اور ان کو بام عروج سے قعر مذلت میں گرا دیا جائے۔چنانچہ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"سلطان زین العابدین در فکر کار افتاد کہ این رکھیشر ان در یاضت کیشان بچہ عنون ازیں

درجہ بر اندازم۔ بمرور ایام چند تصر برہمن را بدولت دنیا خام طمع ساختہ۔ بہ اخوندان علم فارسی مشغول ساخت و بہ خوردن نان شیانہ عادی کرد۔ تا اینکہ اندک اندک ہمگی خواص و عام بہ طمع دولت ناپائیدار کہ یک جا قرار ندارد۔ راغب و مائل گردیند۔ وطریقہ دیگر بروئے کار آمد۔ و قانون قدیم اختلاف پزیر رفت۔ و ہر کس از درجہ ریاضت افتادہ بدام حرص و ہوا در افتاد''۔

(ترجمہ: سلطان زین العابدین اس فکر میں تھا۔ کہ ان مخلص ریاضت کرنے والوں کو اس عنوان سے اپنے مرتبہ سے نیچے گرا دے۔ چند دن گزرنے کے بعد برہمن دولت دنیا کے لالچ میں مبتلا ہو جائیں۔ اور سرکاری زبان فارسی پڑھ کر اس میں مشغول ہو کر کھانے پینے کے عادی ہو جائیں۔ اور آہستہ آہستہ ناپائیدار دولت جو کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتی کی طرف راغب ہو جائیں۔ اور دوسرے طریقے پر چل پڑیں اور قانون قدیم کو چھوڑ کر ہر آدمی علم و گیان کی ریاضت ترک کرلے اور حرص و حواس کے جال میں پھنس جائے)۔

مختصر التواریخ کے مصنف نے بڈشاہ کی رواداری پر جو زہریلی نظر ڈالی وہ دیکھ چکے ہو۔ اب گلزار کشمیر کے ہندو مصنف کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جس نے اس امر پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ کہ بادشاہ نے پنڈتوں کو کیوں علم فارسی کی طرف رغبت دلائی۔ وہ لکھتا ہے۔ کشمیر کے علاوہ ہندوستان کے اکثر لوگ کشمیر کے برہمنوں کی ان کے کمالات علم کی وجہ سے جو راجگان قدیم کے زمانہ میں ان کو حاصل تھا۔ عزت و تکریم کرتے اور ''از نقود و اجناس ''ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جب دولت اسلامیہ کشمیر پر قابض ہوئی تو امرأ لوگ انقلاب سلطنت کی وجہ سے برہمنوں کی خدمت و خاطر اچھی طرح نہ کر سکے۔ یہی باعث تھا۔ کہ اہل علم رفتہ رفتہ علم سے بھی اور دولت سے بے بہرہ ہو گئے۔ اور چونکہ محنت جفاکشی کی ان کو عادت نہ تھی۔ اس لئے گزر اوقات مشکل سے ہوتی تھی۔ بڈشاہ کے حسن سلوک کی تعریف سن کر مہاجر کشمیر پنڈت کی ایک کثیر جماعت کشمیر میں واپس آ گئی تھی۔ اور ہر چند بادشاہ نے ان کو سر آنکھوں پر جگہ دی تھی۔ تاہم بہت سے لوگ مالی حیثیت سے امداد کے قابل تھے۔ بادشاہ نے جوگی لنگر میں نادار محتاج برہمنوں کا انتظام کیا۔ اور حکم دیا کہ برہمن لوگ بھی علوم مروجہ (فارسی) حاصل کریں۔ سرکاران کو ان کی قابلیتوں کے موافق کوئی نہ کوئی خدمت سپرد کر دے گی۔ چنانچہ صاحب گلزار کے چند اصل الفاظ ذیل میں درج ہیں۔ ''سلطان تعسر

گذران ایں جماعت نہ پسندیدہ از نا قابلیت محنت کشی و بار برداری کہ در تعیش عادات سعی بازو نداشتند بہ نظر چارگری در تعلم علم فارسی بہ محاسبہ طوعاً و کرہاً مائل کنائیندہ ہر یکے را فراخور حوصلہ و خرج واجبی بہ کارے منسوب نمودہ تقسیم رزق کردہ داد۔

شارٹ ہسٹری آف کشمیر ایک تازہ تصنیف ہے۔ جو اس عہد میں لکھی گئی ہے۔ جبکہ ملک میں فرقہ وارانہ اختلافات کی ترقی پر ہیں۔ اور کوئی قوم دوسری قوم کے مذہبی بزرگ یا دنیاوی بادشاہ کی نیکی اور اس کے احسانات کو تسلیم کرنا اپنی بلکہ اپنی مذہب کی کمزوری محسوس کرتی ہے۔ اس تصنیف میں جو ایک کشمیر پنڈت 13ء کی تصنیف ہے۔ لکھا ہے۔ زین العابدین کی متبرک بارگاہ ہمارے دلوں میں ہے۔ جو کچھ اس نے کیا دانائی اور آل اندیشی سے کیا۔ اس کے تاج کے نیچے قابلیت ہی قابلیت چھپی ہوئی تھی۔ ہندوؤں نے اس کے مبارک دور میں (فارسی تعلیم حاصل کرنے کے بعد) اعلیٰ سے اعلیٰ سرکاری ملازمتیں حاصل کیں۔ 14ء

پنڈتوں کے دو فرقے:

پنڈتوں میں جن لوگوں نے دفتری زبان (فارسی) حاصل کر کے نوکریاں کر لیں۔ ان کا نام ''کارکن'' مشہور ہو گیا۔ جو مذہبی کام کرتے رہے ان کو باچھ بٹس کہنے لگے۔ بڈشاہ کے عہد میں کارکن پنڈتوں کا دفتری اقتدار پر بہت کچھ عمل دخل ہو گیا تھا۔ اور افغانوں کے عہد میں ہر چند کے بے آئینی ملازم کا دور دورہ تھا۔ تاہم اس زمانہ کی تاریخ بھی اس قسم کی شہادتیں پیش کر رہی ہے۔ کے کارکن پنڈتوں نے جن کی بنا بڈشاہ نے کئی سو سال پیشتر رکھی تھی۔ دفتر اقتدار یعنی ملک کے اعلیٰ عہدوں پر بہت کچھ قابو پا لیا۔ بلکہ خود کابل میں نند رام ایک معزز کشمیری نے وہ عروج حاصل کیا کہ آج تک سکہ زود رکا یلستان نند رام'' مشہور چلا آتا ہے۔

پنڈتوں کے یہ دونوں فرقے آج تک موجود ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ ان کا باہمی اختلاف بھی آج تک نابود نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کے ساتھ یہ شادیاں بھی نہیں کرتے۔

بڈشاہی دربار کے پنڈت ارکان:

پنڈتوں نے بڈشاہی دور میں فارسی زبان کی طرف توجہ کی۔اور اپنی ذہنی قابلیتوں کی وجہ سے اسی زمانہ میں اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر پہنچ سکے ہیں۔ان کی فہرست ذیل میں درج ذیل ہے۔

1. پنڈت شری بٹ حکیم شاہی۔
2. پنڈت زونہ راج مترجم ومؤرخ۔
3. پنڈت بودی بٹ مترجم۔
4. پنڈت سداشیو بایو۔ جوتشی منجم۔
5. پنڈت گوپال کول۔صدر قانون گو کشمیر۔
6. پنڈت مادھو کول۔قانون گوئے کامراج۔
7. پنڈت گنیش کول۔قانون گوئے کامراج۔
8. سوم پنڈت مصاحب وشاعر ومترجم۔
9. ان میں چند ایک کے خیالات بڈشاہی درباریوں کی ذیل میں لکھے جانے لگے۔

گاؤکشی بند اور ستی کا اجراء:

گائے کا گوشت مسلمانوں کے مذہب میں جلال و جائز ہے۔چنانچہ مسلمان سلاطین کے عہد حکومت کے ساتھ ہی کشمیر میں گاؤکشی بھی شروع ہوگئی تھی۔بڈشاہ نے اپنی محکوم رعایا کے ایک فرقے کی تالیف قلوب کی خاطر اور ذاتی کاروبار کو ترقی دینے کے لئے ممالکہ محروسہ میں گاؤکشی کی ممانعت کے احکام جاری کردئے۔اور نہ صرف یہی کام کیا بلکہ رسم پرستی کو بھی جو ہندوؤں میں زمانہ قدیم سے چلی آتی تھی۔اور سابقہ سلاطین اسلام نے اس کو ایک ظلم سمجھ کر بند کر دیا تھا۔اور خود زین العابدین بھی اس کے دوبارہ اجرہ پر راضی نہ تھا۔ صرف ہنود کشمیر کی خاطر اس نے اس رسم کو جو فی لواقع صریح ظلم تھی۔دوبارہ جاری کردیا۔

ممکن ہے گاؤکشی کو بند کرنے کے متعلق اس زمانہ کے علماء نے بادشاہ کے اس فرمان کو مذہب اسلام میں دخل اندازی کا مترادف سمجھا ہو اور اس پر ناراضگی کا اظہار کیا ہو۔

لیکن بادشاہ جو صلح کل تھا اور سمجھتا تھا کہ ذبیحہ گاؤ کہ حلال ہونے کے باوجود اسلام نے یہ کہیں حکم نہیں دیا کہ مسلمان اگر گائے کا گوشت نہیں کھائے گا۔ یا اس کی قربانی نہیں کرے گا تو وہ مسلمان نہیں رہے گا۔ اس لئے اس نے علماء وقت کو اس ہمسایہ اور ماتحت قوم کے مذہبی جذبات کے احترام کی وجہ سے ضرور توجہ دلائی ہوگی۔ اور علماء اسلام نے بھی ہمسایہ قوم کی دلداری کی وجہ سے بادشاہ کی ملکی مصلحتوں کو سمجھ لیا ہوگا۔ خصوصاً جبکہ ذبیحہ گاؤ کے کھانے کے بغیر ایک مسلمان مسلمان رہ سکتا ہے۔

ایک مسلمان درباری کو عبرت ناک سزا:

بادشاہ کے مقربوں اور مصاحبوں میں ایک مسلمان تھا۔ جس کو شراب پینے کی عادت تھی۔ ایک مرتبہ شراب کے نشے میں اس نے ایک پنڈت کو اس قدر زدوکوب کیا کہ اس کی جان ہی نکل گئی۔ پنڈت کے وارثوں نے بادشاہ کے پاس فریاد کی۔ بادشاہ نے مقدمہ قاضیوں اور ججوں کے پاس بھیجنے کی بجائے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور اس کے وارثوں کے بیان اور گواہی کی شہادتیں لے کر حکم دیا کہ اس کی نیت اس کو ہلاک کرنے کی نہیں تھی۔ شراب کے نشے میں اس نے متوفی کو کوئی ایسی ضرب لگائی ہے۔ جس سے وہ بچ نہیں سکا۔ اس لئے اس کو پھانسی تو نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ اس روسیاہ کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں بھجوادیا جائے۔ تاکہ اس کی شراب نوشی کا انجام اور تقرب شاہی کے گھمنڈ میں اپنی اس حرکت قبیحہ کا نتیجہ معلوم ہوجائے۔ اور باقی لوگ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔

خوبیئے اخلاق کاں دنیا و دین راز یوراست
با فقیری خوش بود با بادشاہی خوشتر است

بادشاہ پابرہنہ ایک برہمن کے مکان پر:

مئورخین ہنود لکھتے ہیں۔ ایک کشمیری شہزادہ کشتی میں سوار ہوکر دریا میں سیر کررہا تھا۔ جب عالی کدل پر پہنچا۔ تو ایک پنڈتانی جو غارت گر ہوش وحواس تھی۔ دریا کے گھاٹ پر پانی بھرتے ہوئے دیکھا۔ جب اس نے گھڑا سر پر رکھا تو شہزادے نے گھڑے کو غلیل کا نشانہ بنایا۔ جس سے گھڑا ٹوٹ گیا۔ لیکن پانی اس کے سر پر برابر معلق رہا۔ جب وہ گھر گئی۔

اوراس نے اپنے خاوند کوواقعہ سے آگاہ کیا۔تواس نے جل کر بددعادی کہ اسے ایشور جس نے یہ حرکت کر کے مجھے رنج پہنچایا ہے۔اس کے سینہ میں ایسادردا ٹھے کہ وہ تڑپ تڑپ کے اپنے اس فعل مذمومہ کی سزا بھگتے۔

مؤرخین ہنود لکھتے ہیں۔کہ شہزادہ ایسابیمار ہواکہ جان کے لالے پڑ گئے۔جب با دشاہ کواصل معاملہ سے آگاہی ہوئی۔تووہ پابرہنہ برہمن کے گھر گیا۔اور معذرت طلب کر کے دعائے صحت کا طلب گار ہوا۔برہمن نے بادشاہ سے کہا۔کہ بادشاہ اور شہزادے جب اپنی رعایا کی بہو بیٹیوں کے ساتھ ایساسلوک کریں گے۔تو غریب رعایا کا کہاں ٹھکانہ ہوسکتا ہے۔آخر برہمن نے شہزادے کی صحت کے لئے دعامانگی۔جوبارگاہ حقیقی میں قبول ہوئی۔با دشاہ کے دل پراس واقعہ نے بڑااثر کیا۔اوروہ رعایااور خصوصاً ہندوؤں کی دل جوئی میں اور بھی سرگرمی سے کام لینے لگا۔

بڈشاہ اورامرناتھ یاترا:

اس کا قدیم سنسکرت نام امریشوراور کشمیری نام امرناتھ ہے۔یہ ایک ایسا تیرتھ ہے۔جہاں نہ صرف کشمیری بلکہ پنجابی۔مدراسی۔بنگالی۔اور ہندوستان کے دوسرے حصص کے لوگ بھی یاترا کے لئے آتے تھے۔امرناتھ ایک مرتفع (گفہ) کا نام ہے۔جواسلام آباد سے پانچ منزلوں یاپانچ کے راستے پرواقع ہے۔یہ مقام 17300 فٹ کی بلندی پرایک بر فانی چوٹی کے جنوبی پہلو میں ہے۔اس غار کے اندر سفید برف کاایک بہت بڑانکڑااس پانی کے انجماد سے بناہواموجودرہتاہے۔جوچٹان سے رستارہتاہے۔ہندواسے شوامریشور کا مجسمہ خیال کرتے اورشولنگ تصور کر کے پوجتے ہیں۔اس کے درشنوں کوباعث خیروبرکت سمجھتے ہیں۔باوجوداس شہرت کے راج ترنگنی (کلہن پنڈت) اور نیل مت پران میں سے اس اعظم ترین ترتھ کے بہت کم حوالے آئے ہیں۔جس سے معلوم ہوتاہے۔اس زمانہ میں اس کی اس قدرشہرت نہ ہوگی۔اورنہ کبوتروں کاجوڑاکہیں سے نکلتاہوگا۔جیسا کہ آج کل کے زائیرین (یاتری) ان کی شہادت دیاکرتے ہیں۔

مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلا بادشاہ بڈشاہ ہے۔جوہندوؤں کے اس

متبرک ترتھ پر پہنچا ہے۔ چنانچہ زونراج نے اپنی راج ترنگنی 15 میں لکھا ہے۔ کہ سلطان زین العابدین اس تیرتھ کی یاترا کے لئے تمام مشکلات کو عبور کر کے وہاں پہنچا تھا۔

بادشاہ ہندوؤں کے میلوں اور تیرتھوں پر جایا کرتا تھا۔ اور اپنی شمولیت سے ان کی رونق کو دوبالا کیا کرتا تھا۔ افسوس ہے امرناتھ کی شاہی یاترا کے مفصل حالات نہیں مل سکے۔ ورنہ معلوم ہوسکتا کہ کس جاہ وجلال سے اور کس ساز وسامان کے ساتھ وہ وہاں گیا ہوگا۔ بادشاہ کے یاترا پر جانے سے اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کلہن پنڈت یا راج جے سنگھ کے زمانہ میں یہ اس قدر مشہور تھا۔ کہ خود بادشاہ وہاں یاترا کے لئے گیا تھا۔

شارادا تیرتھ اور بڈ شاہ:

ہندوؤں کا یہ مشہور تیرتھ کمراز کی طرف دریائے کشن گنگا کے دائیں کنارہ پر ضلع مظفر آباد کی تحصیل کرناہ میں واقعہ ہے۔ اور بہت قدیم زمانہ سے مشہور ہے۔ چنانچہ البیرونی (بزمانہ محمود غزنوی) نے اپنی کتاب الہند ہیم چندر کے مصنف دیا۔ کرن کلہن راج ترنگنی میں اسی طرح جونراج اور اس کے بعد کے مصنفوں اور فارسی مؤرخوں ابوالفضل (بزمانہ اکبر) وغیرہ سب نے اس کا ذکر کیا ہے۔

زونہ راج یا جونراج کی ایک تحریر کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان زین العابدین بھی اس تیرتھ کی یاترا کے لئے آیا تھا۔ سٹین صاحب نے راج ترنگنی کے انگریزی ترجمہ میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ غالباً 1442ء میں اس مندر کی زیارت کے لئے گیا تھا۔

اُس زمانہ کے مشکل ترین راستوں پر غور کرو۔ پہاڑوں کی عظیم رفعت کو جہاں برف کے تودے لگے رہتے ہیں۔ دیکھو دریاؤں اور ندی نالوں کی طغیانیوں پر نظر ڈالو اور بادشاہ کی عقیدتمندی اور دلوں پر حکومت کرنے کی پالیسی پر دھیان کرو۔ اور پھر بتاؤ۔ کیا ایسی مثالیں آج بھی مل سکتی ہیں۔

مسجدیں اور پنڈت اور قشقہ:

سلطان بت شکن اور علیشاہ کے زمانہ میں ہندوؤں کو مسجد میں داخل ہونے بلکہ اس سے چھو جانے کی سخت ممانعت تھی۔ بڈ شاہ نے یہ سختی ہٹادی۔ اور حکم دیا کہ ہندوؤں کو بشرط

طہارت مسجدوں میں داخل ہونے اور ان کے صحنوں میں پھرنے اور ان کو دیکھنے کی عام اجازت ہے۔کوئی پنڈت سلطان بت شکن اور سلطان علی شاہ کے زمانہ سے نہ اپنے آپ کو علانیہ ہندو کہہ سکتا تھا۔اور نہ اپنی پیشانی پر قشقہ لگا سکتا تھا۔جوان کا قدیم دستور تھا۔بادشاہ نے پنڈتوں سے اس مصیبت کو بھی دور کیا۔اور کھلے بندوں ان کو ہندو کہلانے اور قشقہ لگانے کی اجازت عطا کی۔علاوہ ان مراعات کے جرمانہ پیش کش نذرانہ جو سلطان بت شکن کے زمانہ سے جاری تھا۔معاف کر دیا۔16

ہندوؤں کے لئے ہندو عدالتیں:

ہندو اور مسلمان مصنفوں اور مؤرخوں نے بڈشاہ کی اس انصاف پروری کی سنہری الفاظ میں داد دی ہے۔کہ اس نے ہندوؤں کے مذہبی مقامات کے تصفیہ کے لئے ہندو جج اور مسلمانوں کے مذہبی مقدمات کے لئے قاضی مقرر کر رکھے تھے۔اور جب مدعی اور مدعا علیہ ہندو اور مسلمان ہوتے تھے۔تو ان کے مقدمات کا تصفیہ دو جج مل کر کرتے تھے۔جس میں ایک ہندو ہوتا تھا۔ایک مسلمان یہ وہ انصاف ہے۔اور وہ عدل ہے کہ آج بھی ہندوستان کو کامل طور پر نصیب نہیں ہو سکا۔

شکار سے نفرت اور گوشت سے پرہیز:

بڈشاہ کو باوجود ایک عظیم الشان اور فاتح و کامران بادشاہ ہونے کے شکار سے جیسے اورنگ زیب نے بھی "کاربیکاران" لکھا ہے۔کوئی رغبت نہ تھی۔شکار سے جو خرابیاں انسانوں اور حیوانوں پر آتی ہیں۔وہ سب اس کے پیش نظر تھیں۔صدہا انسان شکار کو گھیرنے اور شور مچانے کے لئے ہمراہ ہوتے۔ان میں سے کئی ایک رستے کی خرابیوں اور پہاڑوں کے نشیب و فراز کی نظر ہو جاتے۔پھر ان غریبوں کا جو ہرج اور نقصان ہوتا۔وہ اس کے علاوہ تھا۔میدانی فیاض نے اس کے پہلو میں ایک دردمند دل رکھا تھا۔اس نے شکار کو نہ صرف خود ترک کیا۔بلکہ اس خیال سے کہ اس کی رعایا کا ایک گروہ (طبقہ ہنود) شکار سے نفرت رکھتا ہے۔اس نے کشمیر میں شکار کی قطع ممانعت کر دی۔بعض بعض ہندو تقریبوں اور تیوہاروں پر وہ گوشت بھی ترک کر دیا کرتا تھا۔

رفاہ عام دان اور دھرم ننبل:

بادشاہ نے شور پور (حال ہیر پور) واقعہ درہ پیر پنچال میں جوشو پیان سے تھنہ دراجوری کے رستے میں ایک پڑاؤ ہے۔ اور اپنے تاریخی واقعات کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ کچھ مواضعات اس کام کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ کہ ان کی مواضعات سے مسافروں کو جو پنجاب یا گردنواح سے ہے، کشمیر میں آیا کریں۔ بلا امتیاز (ہندو مسلمان) مفت کھانا ملا کرے۔ ہیر پور میں بادشاہی لنگر موجود رہتا تھا۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ علیحدہ انتظام ہوتا تھا۔ اس دان یا فیاضی کا نام شریدر نے اپنی راج ترنگنی میں ''ان ستر ادچھن'' لکھا ہے۔

ولر میں فصل سنگھاڑا بہ افراط پیدا ہوتی ہے۔ اسکے چاروں ساحل اس فصل کی پیداوار سے لبریز رہتے ہیں۔ بڈشاہ نے تمام فصل کو غریب غرباء کے لئے وقف کر دیا۔ اور نام اس کا دھرم نمبل رکھا۔ چنانچہ تاریخ حسن میں لکھا ہے۔ از ابتدائے عہد بڈشاہ تاحل وقف عام است۔ آں رادھرم نمبل ہے گویند، لیکن اس کا جنوبی وغربی حصہ اب مدت سے ضبط سرکار ہے۔ آنکہ درنواحی غرب وجنوب می روید۔ از قدیم ضبط سرکار

بڈشاہ ہندوؤں پر کیوں مہربان تھا؟

ہندو مؤرخوں اور ہندو کی تلقید میں مسلمان مئورخوں نے ہندوؤں پر شاہی مراعات مبذول رہنے کے متعلق عجیب وغریب حکایتیں لکھی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ سلطان ابتدائے عہد میں ہندون پر چندان ملتفت نہ تھا۔ لیکن ایک دفعہ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ تو شری بٹ اور دیگر اطبائے نامدار کی تمام تدابیر کے باوجود بھی اسے آرام نہ آیا۔

آخری شری بٹ اور بودی بٹ ایک باکمال جوگی کے پاس گئے جو علم سیمیا میں یگانہ روزگاری تھا۔ اور کشمیر کے ایک گوشہ میں رہتا تھا۔ بادشاہ کی بیماری کا حال اس سے عرض کیا۔ جوگی نے کہا سلطان سے چارہ نہیں۔ تقدیر کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

وہ مقدر ہوں کے ٹل سکتا نہیں

جو ہے پیش آنی وہ پیشانی ہوں میں

البتہ ایک صورت ہے کہ قدرت بھی اپنا کام کرے۔اور بادشاہ بھی زندہ رہ سکے۔اور اس کی تدبیر یہ بتائی۔ کہ جب بادشاہ کا دم نکل جائے۔تو میں اپنے خاص عمل ذریعہ روح اپنے قالب سے نکال کر اس کے قالب میں ڈال دوں گا۔ جب میری روح سلطان کے بدن میں منتقل ہو جائے۔تو میرے قالب کو حفاظت واحتیاط سے تھام کر میرے اصلی آسن پر لے آؤ۔تا کہ سلطان کو صحیح وتندرست بلکہ زندہ کر کے میں پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاؤں۔ چنانچہ جوگی کو اس کے شاگردوں سمیت بادشاہ کے دونوں مصاحب بادشاہ کے پاس آئے۔ جب بادشاہ کا مرغ روح اس کے قفس عنقری سے پرواز کر گیا۔تو جوگی نے اپنا عمل شروع کیا۔اپنی روح اس کے قالب میں ڈال دی۔اس کے شاگرد نے امراء سے کہا کہ اپنے بادشاہ کو جا کر دیکھ لو۔وہ اب صحیح وسالم موجود ہے۔اور میں اب اپنے استاد کو معالجہ کے لئے اپنے استھان میں لئے جاتا ہوں۔

وجیز التواریخ کے مصنف نے استھان میں لے جانے سے اختلاف کیا ہے۔وہ لکھتا ہے۔مصاحبوں نے جوگی کے قالب کو ہندو رسوم کے مطابق جلا دیا۔اس واقعہ کے بعد بادشاہ 22 سال تک عدل وانصاف کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا۔اور ہندوؤں کے بے غرضانہ محبت وخدمت کا اس کے دل پر محکم وپائیدار اثر پڑا۔

ہندو مؤرخین کا خیال ہے کہ چونکہ نئے زین العابدین میں ایک ہندو کی روح موجود تھی۔اس لئے قدرتاً اسے ہندوؤں سے محبت تھی۔شارٹ ہسٹری آف کشمیر کا ہندو مصنف بھی اس کی تائید کرتا ہے۔اور لکھتا ہے"لوگوں کا عام خیال ہے۔اس بڑی شخصیت میں ہندو روح حلول کر گئی تھی۔ جو اس کو ہندو کی طرف راغب کرتی رہتی تھی۔

لیکن ارباب دانش سے مخفی نہیں ہے کہ روح ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہو جانا قرین قیاس ہے۔ جیسا کہ بابر کی موت اور ہمایوں کی بیماری کا حال سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ دونوں باپ بیٹا سخت بیمار تھے۔ بابر نے خلوص دل سے خضوع وخشوع کے ساتھ دعا مانگی۔ بار الہا ہمایوں کی جس قدر بیماری ہے وہ بھی میری بیماری میں شامل کر کے اس کو صحت وتندرستی عطا فرما۔ دعا دل سے نکلی تھی اثر کر گئی۔ بابر زیادہ بیمار ہو گیا اور ہمایوں

تندرست ہونے لگا یہاں تک کہ تیسرے ہی دن بابر کا انتقال ہو گیا۔

قیاساً معلوم ہوتا ہے جوگی اور بڈشاہ کا معاملہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔

بہرحال ہندو اور اس کے احسانات عظیمہ کے قائل و معترف ہیں۔اور اس کی انصاف پروری رعایا پروری اور علم دوستی کا شکر گذاری اور احسانات کے ساتھ ذکر کرتے رہتے ہیں۔

راجہ راجور کی بیٹی اور بڈشاہ:

صاحب ''اسلامک کلچران کشمیر'' لکھتے ہیں۔راجوری کے راجہ سذرسین نے جس کی تخت نشینی کا سال 1450ء بتایا جاتا ہے۔اپنی بڑی لڑکی راجیہ دیوی بڈشاہ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی۔بادشاہ اس وقت جھیل ولر کی سیر کر رہا تھا۔ڈولی اور ڈولی کا جلوس معہ کنیزگاں وہیں پہنچا۔بادشاہ نے دیکھ کر فرمایا کہ کس مائی کی ڈولی ہے۔جو واقف کار تھے۔انہوں نے واقعہ عرض کیا۔بادشاہ نے فرمایا جس کو ماں کہہ دیا ہے اس کو بطور بیوی کس طرح قبول کر سکتا ہوں۔بادشاہ نے اس خیال سے کہ ''ڈولہ'' واپس بھیجنے میں راجہ کی ہتک ہوگی۔راجئیہ دیوی کو حرم میں بھجوا دیا۔جہاں ہمیشہ اس کی خدمت میں وہ ایک بیٹے کی حیثیت سے حاضر ہوتا رہا۔

اس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ رانی بادشاہ کا یہ حسن سلوک دیکھ کر تھوڑے عرصہ کے بعد مسلمان ہوگئی۔اور اس نے بادشاہ کی اجازت سے اپنی یادگار کے طور پر نالہ ماریر راجوری کدل یا راجویری کدل کے نام سے ایک پل تعمیر کیا۔

صاحب اسلامک کلچر نے یہ واقعہ ''جرنل آف دی پنجاب ہسٹوریکل سوسائیٹی'' سے لیا ہے۔لیکن'' شباب کشمیر کے صفحہ نمبر 18 کے حاشیہ نمبر 2 میں لکھا جا چکا ہے۔والیان راجوری بقول توزک جہانگیری فیروز شاہ خلجی کے زمانہ میں اور بقول مصنف راجگان راجور شہاب الدین غوری کے زمانہ میں یعنی بڈشاہ کے زمانہ سے بہرحال کئی سو سال پیشتر اسلام قبول کر چکے تھے۔اس لئے راجوری کی شہزادی کو جو بڈشاہ کی زوجیت کے لئے بھیجی گئی تھی۔ایک ہندو راجکماری تصور کرنا تاریخ کی روح سے بہت مشکل ہے۔

اس قسم کی کئی نظریں ملتی ہیں۔ کہ ماتحت راجگان اور ماتحت مسلمان بادشاہوں نے جلیل القدر مہاراجوں اور شہنشاہوں کے پاس اپنی بیٹیاں بھیجی ہیں۔ ممکن ہے۔ راجوری کے مسلمان راجہ نے بھی بادشاہ کی خوشنودی مزاج کے لئے یہ پیشکش بھیجی ہو۔ اور بڈشاہ نے جو نہایت متقی و پرہیز گار تھا اسے زوجیت میں تو نہ قبول کیا ہو۔ البتہ شاہی محلات میں داخل کرادیا ہو۔

ایک نوعمر اور پری چہرہ شہزادی کے پاس جو "بیوی" بننے کی خاطر بادشاہ کے حضور میں بھیجی گئی تھی۔ ہمیشہ ایک فرمانبردار بیٹے کی حیثیت سے جانا بادشاہ کے اخلاق حسنہ اس کی مقدس زندگی اور اس کی صفائے قلب کی ایک نادر مثال ہے۔ اور یقیناً اس کا ہندوؤں پر بھی بڑا اثر ہوگا۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ تاریخ گلدستہ کشمیر مصنفہ ہرگوپال کول صفحہ نمبر 116

۲۔ ان کی مفصل کیفیت دربار بڈشاہی کے ملکی و مالی اور ادبی مصاحبوں کی فہرست میں دیکھیے۔

۳۔ اس مضمون کی تحریر کے دوران میں مندرجہ ذیل کتابیں پیش نظر ہیں۔(۱)طبقات اکبری فارسی (۲)اسلامک کلچران کشمیر(۳)تاریخ ملا بہاؤ الدین فارسی (۴)تاریخ گلشن کشمیر مئولفہ لوی محمد سعادت قلمی (۵) تاریخی حسن کشمیر فارسی قلمی (۶)وجیز التواریخ (۷) راج ترنگنی مترجمہ سٹین صاحب کا اردو ترجمہ (۸) گلدستہ کشمیر مصنفہ پنڈت ہرگوپال (۹)فتحیات کبرویہ قلمی فارسی (۱۰)تاریخ خواجہ اعظمی فارسی (۱۱)مختصر تاریخ کشمیر پنڈت بیر برکا ہچرو۔فارسی قلمی۔(۱۲) تاریخ کشمیر اردو قلمی۔مصنفہ خواجہ حسن ملک (۱۳)تاریخ فرشتہ۔

۴۔ مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف

۵۔ پنڈت بیر برکا ہچرو

۶۔ فتحیات کبرویہ غیر مطبوعہ

۷۔ تاریخ کشمیر اردو قلمی مصنفہ خواجہ حسن ملک و مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف

۸۔ فتحیات الکبرویہ قلمی صفحہ 322

۹۔ تاریخ حسن حصہ اول

۱۰۔ پنجاہ و چہار (54) سے مراد 154 سال کشمیری ہے۔یہ سال رینچن شاہ الملقب ملک صدرالدین کی تخت نشینی 825ء سے جو کہ کشمیر کا سب سے پہلا مسلمان

بادشاہ تھا۔ شروع ہوتا تھا۔ اس حساب سے مندر شنکر اچارج کی مرمت کا زمانہ 889ھ سمجھنا چاہئے۔ جو زین العابدین کا سال وفات بھی ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر اس نے موت سے چند دن یا چند ماہ پیشتر اس مندر کی نئے سرے سے تعمیر کرائی تھی۔ اگر بقول تاریخ حسن یہ صحیح ہے کہ ستون مندر پر پنجاہ و چہار سال کشمیری درج تھا۔ تو تعجب ہے کہ اسی مصنف نے ایک اور جگہ یہ کس طرح لکھ دیا کہ ''سلطان زین العابدین در 874ھ چہار ستون سنگین وقایہ سقف کرن استور نمود'' اس حساب سے تو 154ھ کی بجائے 150ھ سال کشمیری ہونا چاہئے۔ ایک ہی مقام پر دو مختلف تحریریں۔

رینچن شاہ اسلام قبول کرنے کے بعد سنہ ہجری ملک میں جاری کیا۔ لیکن وہ مقبول عام نہ ہو سکا۔ کیونکہ اس وقت سوائے چند آدمیوں کے باقی تمام ملک ہندو مذہب کا پیرو تھا۔ آخر سلطان شمس الدین 1343ء لغایت 1347ء نے اپنے عہد حکومت میں کشمیری سنہ ایجاد کیا۔ اور بنا اس کی اس زمانہ سے رکھی۔ جب رینچن شاہ عرف ملک صدر الدین 725ھ میں تخت پر بیٹھا تھا۔ کشمیری مہینوں کے نام حسب ذیل تھے۔ وہک چیت۔ بار۔ شراون۔ بادرت۔ کارتک۔ آشت۔ کارنک۔ موسنجہر۔ پوہ ماگ۔ پھاگن۔ چیتر۔ شمس الدین کے حکم کے مطابق حساب کتاب۔ نوشت۔ خواند۔ سب کشمیری سنہ میں ہونے لگا۔ ماہ وہک میں نوروز کا دن مقرر ہوا۔ اعراس اولیاء وعیدین وغیرہ سب اسی سنہ کے مطابق عمل میں آتے تھے۔ بڈشاہ کے زمانہ میں بھی سنہ کشمیری ہی کا رواج تھا۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے۔

وقتیکہ زمام اختیار حکومت ایں دیار در دست شاہان چغت فتاد۔ آں ہا سنہ کشمیری فسخ کردہ۔ سنہ ہجری و سنہ جلوس خود مروّج کردند'

شاہان چغت میں اکبر نے سب سے پہلے کشمیر کو 1552ء میں فتح کیا ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ اسی سال سے سنہ کشمیری کا رواج کشمیر سے اڑا دیا گیا۔

از تاریخ ملا بہاؤ الدین

!!

۱۲ پنڈت بیربر کاہچرو۔ بہ عہد مہاراجہ گلاب سنگھ بانی حکومت ڈوگرہ

۱۳ پنڈت گواشہ لعل۔ یہ تاریخ نہایت مختصر ہے۔اور انگریزی زبان میں ہے۔ سال تصنیف 1928ء صفحہ 27,26

۱۴ از مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم راقم الحروف وگلدستہ کشمیر مصنفہ پنڈت ہرگوپال کول

۱۵ بمبئ ایڈیشن شلوک 1233 بحوالہ راج ترنگنی اردو ترجمہ

۱۶ طبقات اکبری۔ سال تصنیف ۱۰۰۱ھ

گیارہواں باب

علم موسیقی اور بڈشاہ

بادشاہ کا دربار معجون مرکب تھا۔ جس میں ہندو مسلمان دونوں قوموں کے صاحب کمال موجود تھے۔ اس کی فیاضی وسخاوت اور اس کی قدر دانیوں اور ہنر پروریوں کی شہرت سن کر ہندوستان کے علاوہ خراسان وبغداد تک سے ارباب کمال کھچے چلے آتے تھے۔[1]

بڈشاہ کی موسیقی سے دلدادگی:

مشائخ کبار اور علمائے کرام بھی اس کے دربار میں موجود تھے۔ جوگیان باصفا اور سیناسیان بے ریا بھی اس کے دربار کی زینت تھے۔ شاعران جادو بیان بھی بزم شاہی کی رونق تھے۔

اور ضانع وکاردیگر اور یگر اہل حرفت نے بھی اس کی سرپرستوں کے دامن میں پرورش پاکر اپنے کمالات سے اس کی شہرت کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ انہی میں علم موسیقی کے ماہر تھے۔ اور بڈشاہ چونکہ خود موسیقی کا بڑا شائق بلکہ کئی سازوں کا موجد تھا۔ اس لئے دیگر اہل علوم وفنون کے ساتھ موسیقی کے جاننے والوں کی بھی بڑی قدر ہوتی تھی۔

چنانچہ صاحب طبقات اکبری لکھتے ہیں" سلطان زین العابدین ہر قسم کے علوم وفنون کا سرپرست تھا۔ علم موسیقی میں وہ بڑا ماہر تھا۔ اس کی سخاوتوں کے قصے سن سن کر اطراف واکناف سے کئی قسم کے باکمال کشمیر میں جمع ہوگئے تھے۔[2] غرض

ہر طرف سے آتے تھے کھچ کھچ کے کیا کیا اہل ذوق

اہل علم ۔اہل ہنر اور اہل تقوئی اہل دین

بادشاہ موسیقی کا اس قدر دلدادہ تھا۔ اور اس سے اس قدر مسحور ہو چکا تھا کہ جب

کبھی وہ مطربوں سے خوش ہوتا تو ان کو بیش قیمت انعام واکرام دیتا۔ اور ان میں جو زیادہ ماہر ہوتے ان کو درباری گویا مقرر کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ لکھا ہے کہ مطربوں سے خوش ہو کر اس نے کئی مرتبہ ان کے آلات موسیقی (مثلاً بین ورباب) سونے سے آراستہ کرادئے۔ اور ان کو زر سے لبریز کرادیا[2] صاحب وجیز التواریخ نے بھی بادشاہ کی سرور افزائی کا ذیل کے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ سلطان کو ساز وسرود سے بھی بہت رغبت تھی۔ وہ اس فن کو خوب جانتا اور راگ کی ماہیت کو خوب سمجھتا تھا۔ ملا عودی اور ملا جمیل کہ علم موسیقی میں صاحب تصانیف اور کئی راگ راگنیوں کے بانی تھے۔ اس نے خرسان سے بلوائے اور ان کو انعامات سے سرفراز کیا۔[3]

کشمیر میں موسیقی کے مدارس:

ابوالفضل کے قول کے مطابق ایرانی و تورانی راگی بھی اس کے دربار میں موجود تھے۔ ان میں سے بعض نے کشمیر میں موسیقی کے مدارس جاری کئے۔ اور جب انہوں نے بادشاہ کے حضور میں ان مدارس کی سرپرستی کی درخواستیں کیں۔ تو بڈشاہ جو فقہ وحدیث اور تفسیر کے مدارس کا بھی مربی تھا۔ اور فارسی زبان کی درسگاہوں کا بھی معاون تھا۔ فنون لطیفہ کی اشاعت کا خیال رکھتے ہوئے موسیقی کے مدارس کی بھی سرپرستی وامداد قبول فرمائی۔

ان مدارس میں چند سے ایک سری نگر ہی میں تھے۔ اور گو نہ ابوالفضل نے اور نہ صاحب تاریخ فرشتہ نے ان کا محل وقوع بتایا ہے۔ تاہم قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ مدارس نوشہرہ کے قریب وجوار میں ہوں گے۔ جو بڈشاہ کا دارالخلافہ تھا۔ اور جس کو بادشاہ نے عالی شان ایوانوں اور نہروں اور باغوں کے اجراء سے نمونہ بہشت بنا رکھا تھا۔

ایرانی راگنیاں جو کشمیر کے سازندوں اور مطربوں نے اختیار کر لیں۔ حسب ذیل بتائی جاتی ہیں۔ ساگا۔ راست کشمیری راست۔ چراغ۔ عراق، نوا۔ ریحائی۔ شاہ نواز۔ نوروز نے ریز اور ذنگور[4]

کشمیری آلات موسیقی:

کشمیری سازندے طوطی اور شہنائی بجانے میں بڑے ماہر تھے۔لیکن بڑے بڑے آلات موسیقی جو بڈ شاہ کے زمانہ سے اب تک چلے آتے ہیں۔حسب ذیل ہیں۔ گیچک جو ہندی سارنگی سے مشابہت رکھتا ہے۔لیکن اس سے ذرا بڑا ہے۔اسے ایک کمان سے بجاتے ہیں ستار جو ہندی ستار سے چھوٹی ہوتی ہیں۔صدتارہ یا وہ ستارہ جس کی سو تاریں ہوتی ہیں۔اس میں زیر و بسم بھی ہوتی ہے۔ یہ نہایت نفیس ساز ہے۔اور جب چھایا جاتا ہے۔تو چنگ کی سی آواز دیتا ہے۔

کشمیر کے سب راگی مسلمان ہیں:

یہ نہایت ۵ اہم حقیقت ہے کہ تمام کشمیری سازندے اور راگی بلا استثنی مسلمان ہیں کشمیر پنڈتوں نے موسیقی کو خود کبھی حاصل نہیں کیا۔لیکن وہ اس کے سننے کے ضرور شوقین ہیں۔اور کبھی اپنے گوار شلوک اور منتر مصنوعی نغمہ را آواز میں پڑھتے بھی ہیں۔لیکن موسیقی کی اندورونی نفاستیں اس کی الجھنیں اور مشکلات ان کے لئے اب تک ایک سربمہر کتاب ہیں۔ ٦

دربار بڈشاہی کے نامور موسیقی دان:

پنجاب کشمیر اور ہندوستان کے اکثر موسیقی دان نہ صرف اپنے ادنیٰ کیریٹر کی وجہ سے موسیقی کو بدنام کر رہے ہیں۔ بلکہ اہل علم نہ ہونے کی وجہ سے معزز طبقوں میں وہ قابل وقعت نظروں سے بھی نہیں دیکھے جاتے۔گزشتہ زمانہ کے لوگ اس فن کو ایک علم اور فن کے طور پر حاصل کیا کرتے۔اور اس کی تکمیل کے بعد اس پر اعلیٰ اعلیٰ کتابیں لکھا کرتے تھے۔جن سے نہ صرف ان کی قابلیتوں کا اظہار ہوتا تھا بلکہ فنون لطیفہ کے شوقین ان کتابوں سے مستفیض بھی ہوتے تھے۔

بڈشاہ خود اس علم میں صاحب کمال تھا۔اس نے بازاری گویوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ بلکہ اس نے اس فن کے ایسے ایسے صاحب کمال بلوائے جو اس زمانہ میں اپنی نظیر

نہ رکھتے تھے۔ان کو دربار میں دوسرے صاحبان علوم وفنون کے برابر جگہ دی چند نامور موسیقی دان جو اس کی دربار کی زینت تھے۔حسب ذیل ہیں۔

بودی بٹ:

کشمیری پنڈت تھا۔خدا نے اسے عجیب دماغ دیا تھا۔ذہن اس قیامت کا رسا اور حافظہ اس قدر تیز تھا۔کہ شاہنامہ فارسی کو فردوسی نے تیس سال میں لکھا تھا۔اسے ازبر یاد تھا۔سلطان کو شاہنامہ سے عشق تھا۔جب بودی بٹ اپنی مستانہ میں اسے پڑھتا تھا۔تو بادشاہ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔اسکی ایک کتاب علم موسیقی میں زین نام سے ہے جو نہایت معتبر سمجھی جاتی ہے۔بادشاہ بودی بٹ کی نہایت قدر کرتا تھا۔

ملّا عود:

خراسانی النسل تھا۔اور اس فن کے صاحب کمال خواجہ عبدالقادر کا عزیز شاگرد تھا۔عود (بربط) بجانے میں بے مثل تھا۔اور اسی رعایت سے اس کا نام ملا عود مشہور ہو گیا تھا۔بادشاہ کی قدردانیوں کی شہرت سن کر خراسان سے کشمیر آیا لکھا ہے کہ جب یہ عود بجاتا تھا۔تو سامعین نقش بے دیوار ہو جاتے تھے۔جب یہ بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے جوہر فن اور ہر علم کا قدردان تھا۔اس کو اپنے دامن دولت میں جگہ دیکر فکر روزگار سے بے نیاز کر دیا۔صاحب طبقات اکبری نے بھی ملا عود کا ذکر کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں عود اس غضب کا بجاتا تھا۔کہ محفل مدہوش ہو جاتی تھی۔بادشاہ نے بارہا اس کو اپنی نوازشوں سے نوازا۔

ملّا جمیل:

بڈشاہ کے چرچے ہندوستان سے نکل کر ایران تک جا پہنچے تھے۔جب خراسان میں یہ خبر پہنچی کہ کشمیر کا بادشاہ اکثر سازوں، عود، رباب، طنبور، وغیرہ کو طلائے خالص سے مڑھ کر جوہرات سے مرصع کرتا ہے۔اور سازندوں کی ایسی قدر کرتا ہے کہ ان کو شام غربت کی خزان میں صبح وطن کی بہاریں فراموش ہو جاتی ہیں۔چنانچہ اس کی نظیر کے لئے ملا عود کا نام کافی تھا۔تو بہت سے صاحبان کمال نے اپنی آشفتہ حالی دور کرنے کے لئے کشمیر کا رخ کیا۔ملا

جمیل بھی جو علم موسیقی کا ماہر ہونے کے علاوہ بذلہ سنج اور شاعر بے بدل بھی تھا۔ انہی میں سے ایک تھا۔ اس کی خوشالحانی وخوش خوانی اور اس کے خوش رنگ کلام سے تمام دربار خوش رہتا تھا۔ سلطان اس پر بڑ مہربان تھا اور دل کھول کر اسے انعام دیا کرتا تھا۔

چنانچہ صاحب سیر المتاخرین (جلد اول) میں لکھتے ہیں۔

ملا جمیل۔ سلطان ابوسعید مرزا بادشاہ کشمیر کو بھی فن موسیقی میں دسترس ہے۔ تو اس نے بطور تحفہ ملا جمیل کو معہ اور تحائف کے بڈشاہی دربار میں بھجوا دیا۔ ے

سوم پنڈت:

بڈشاہ کے اس نامور در بار کا ذکر اس کے درباریوں کے ذیل میں آئے گا۔ یہا ں اس کا صرف اس قدر ذکر کیا جاتا ہے۔ جو علم موسیقی سے تعلق رکھتا ہے۔ صاحب طبقاب اکبری لکھتے ہیں۔ اس نے بادشاہ کے لئے ایک کتاب مانگ نام علم موسیقی پر لکھی۔ جسے با دشاہ نے اپنے نام پر معنون کرنا منظور فرما کر اس کی عزت افزائی کی۔ صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر لکھتے ہیں۔ ''سوم علم موسیقی کا ماہر ہونے کی وجہ سے بھی بادشاہ کا نہایت منظونظر تھا''

بادشاہ آلات موسیقی کا موجد تھا:

بڈشاہ کے علم موسیقی میں ماہر ہونے کا قریباً تمام مصنفین ومؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے کئی آلات خود بھی ایجاد کئے تھے۔ لیکن ایک آلہ یا ساز کا ذکر صاحب طبقات نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے۔ ''بادشاہ نے گانے کا ایک ایسا آلہ ایجا د کیا تھا۔ کہ یک نقش رابہ دوزدہ مقام ادامی نمود'' یہ ساز آج عنقا ہے۔ بادشاہ کی قدردانیوں کا ذکر کرتے ہوئے صاحب طبقات لکھتے ہیں۔ سلطان کے حکم سے رباب، بین اور دیگر آلات سرود مرصع بہ زر کئے جاتے تھے۔

کشمیر مطرب دربار اکبری میں:

اکبر اعظم جو بڈشاہی کا ایک ادنی سا پرتو تھا۔ دیگر اہل کمال کی طرح مغنیوں کا

بھی بڑا امر بی تھا۔ یہ بڈشاہ کے ایک سو سال کے بعد ہوا ہے۔ اس وقت کشمیری مغنی اپنے کمال کی وجہ سے اتنی شہرت رکھتے تھے۔ کہ اکبر جیسے عظیم الشان شہنشاہ کے دربار میں ہندی ایرانی اور تورانی اور تان سین جیسے صاحب کمال جس نے علم موسیقی میں حیات تازہ پیدا کردی تھی۔ مغنیوں کے پہلو بہ پہلو قدردانی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اکبر کے زمانہ میں چونکہ ہندی مغنیوں کی کثرت تھی۔ ان کے فیض صحبت سے کشمیری مغنی بھی متاثر ہوئے۔ اور جب یہ وطن میں واپس آئے تو ان کے ساتھ ہی ہندوستانی راگنیوں نے بھی وادی کشمیر میں قدم رکھنا شروع کیا۔

جس طرح کشمیری زبان حکومتوں کی تبدیلیوں کے ساتھ جدید سانچہ میں ڈھل گئی۔ اور نئے الفاظ قبول کر رہی تھی۔ اسی طرح اکبر کے زمانہ میں کشمیری موسیقی ایرانی و ہندی موسیقی کے اشتراک سے ایک جدید قالب اختیار کر چکی تھی۔

موجودہ کشمیری موسیقی:

آج کشمیری راگ سارے ہندوستان میں موسیقی کے لئے باعث توہین سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ ہندوستان میں مثل مشہور ہے۔ کہ راگ ہندوستان میں پیدا ہوا۔ پنجاب میں یہ پروان چڑھا۔ اور کشمیر جا کر دفن ہوا۔ اور یہ اعتراض اور نکتہ چینی وہ لوگ کرتے ہیں جن کہ اہل وطن بادشاہ کشمیر کے دربار میں خالی دامان لے کے آئے تھے۔ اور جب واپس جاتے تھے۔ تو کامیابیوں کا ایک خزانہ ان کے ہمراہ ہوتا تھا۔ بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے تھے۔ جو بادشاہ کشمیر کے دامن دولت سے لپٹ کر یہیں کہ ہو کر رہتے تھے۔

جس ملک کی اپنی حکومت چھن جائے۔ اس کے اخلاق اس کا تمدن سب بدل جاتا ہے۔ بلکہ بگڑ جاتا ہے۔ اس کی خوبیاں برائیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اور فاتح جو غیر ملکی ہوتا ہے۔ ہر طرح سے ان کو کمزور، پست ہمت اور پست خیال بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ محکوم قوم کے کسانوں پر زوال آ جاتا ہے۔ اُس کی آزادی پر غلامانہ عادات غالب آ جاتی ہیں۔ اور غلامی کی وجہ سے ان میں خوشامد، خوف، جھوٹ، وغیرہ عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو قوم اور ملک یہاں تک زوال پذیر ہو جائے اس میں موسیقی کہاں تک ترقی کر سکتی ہے۔ ترقی تو کجا

اُس کا اصل حال پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور پھر موسیقی اور شاعری تو فارغ البالی۔ آزادی۔ بے فکری۔ اور قومی حکومت کی عیش و عشرت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

کشمیریوں کی موسیقی ہی قابل مضحکہ نہیں۔ بلکہ آج تو اُن کا وجود تک باعث ننگ انسانیت سمجھا جا رہا ہے آہ!

خوشہ چینوں کے لگے رہتے تھے کیا کیا یہ جمگھٹے
جب تک آتا تھا نظر پھولا پھلا یہ گلستاں

ایک ہی گردش میں تیری سب نے آنکھیں پھیر لیں
ایک ہی چشمک میں تو نے کیا کیا اے آسمان

اب نہ وہ گلچین نہ وہ گلبن نہ وہ باغ و بہار
اب نہ وہ محفل نہ وہ ساقی نہ وہ پیر مغاں

ہے یہ افسانہ نصیحت اہل عالم کے لئے
ہے زمانہ کے لئے عبرت ہماری داستاں

حوالہ جات

ا؎ انفرادی حیثیتوں کے علاوہ اجتماعی صورتوں میں بھی کئی لوگ بڈشاہ کے دربار میں آئے۔ مثلاً ایک میر قوم ہے۔ جس کے بزرگ خراسان و ترکستان سے اس جنت نظیر ملک میں آئے۔ یہ لوگ دراصل مرزا یعنی مغل تھے۔ جیسا کہ صاحب تاریخ حسن میں لکھتے ہیں۔ لفظ میر دراصل مختلف لفظ مرزا است ''لوگوں نے بہ مرور ایام'' اس میں تغیر وتبدل کر کے اس کو میر بنا دیا۔ یہ لفظ سادات ومغول میں مشترک ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ سادات اس کو نام کے پہلے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے میر مبارک میر مقبول اور مغل نام کے بعد لکھتے ہیں۔ جیسے عزیز میر' غفار میر' صاحب حسن لکھتے ہیں۔ لیکن بعض مغلان از روئے تعظیم نام میر اول می گویند'' چنانچہ میر نازک قادری پنجاب میں بھی اب یہی رواج ہو چلا ہے۔ چنانچہ حاجی میر شمس الدین (لاہور) میر امیر بخش اینڈ سنز (مالکانہ کریمی پریس لاہور) میر رحمت اللہ ہمایوں کابل (فرزند حاجی میر شمس الدین صاحب) میر کریم بخش (پشاور) خان بہادر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ (امرتسر) اوران کا تمام خاندان اور میر کرامت اللہ امرتسری۔ سب کے ناموں کے ساتھ از روئے تعظیم لفظ میر پہلے لکھا جاتا ہے۔

دوسری قوم عشائی ہے۔ جو خراسان کے نواحی موضع عیشاور سے اپنے اہل وطن کی قدردانیوں کی خبریں سن کر کشمیر آئی۔ بادشاہ نے ان کی قابلیتوں کی وجہ ان کو اپنے مصاحبوں میں جگہ دی۔ ان کو عیشاوری بھی اور عشائی بھی کہتے ہیں۔ حاجی مختار شاہ عشائی کشمیر میں اس خاندان کے رئیس گزرے ہیں۔ خواجہ اکبر شاہ عشائی رئیس وسوداگر کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ان کے فرزند خواجہ انور شاہ موجود ہیں۔ خواجہ غلام احمد عشائی جو کشمیر کے سب سے پہلے مسلمان گریجویٹ ہیں اسی

قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

٢ ترجمہ۔

٣ اسلامک کلچر ان کشمیر (انگریزی) صفحہ 224۔

٤ اصل فارسی میں ہے۔ یہ ترجمہ ہے۔

٥ مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم نے عرصہ ہوا۔ بڑودہ کی مجلس موسیقی کی تحریک سے ایک دلچسپ مضمون ''ہندی راگ ایرانی موسیقی کا اثر'' کے اعنوان سے لکھا تھا۔ اور اسی میں کشمیر کی موسیقی کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ اقتباس اسی مضمون سے لیا گیا ہے۔ رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم (لاہور کا مضمون بعنوان) کشمیری موسیقی ''جو پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی لاہور میں 1912ء میں پڑھا گیا تھا۔ جناب شمیم پنجاب کے ادباء میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ تاریخ سے آپکو خاص زوق ہے۔ کشمیر آپ کے نام سے فخر کرتا ہے۔

٦ بڈشاہی عہد دو ہندو ماہرین موسیقی سوم پنڈت و بودی پنڈت کے نام سے پیش کرتا ہے۔

٧ ترجمہ۔

بارھواں باب

کشمیری صنعت وحرفت بڈشاہی عہد میں

کشمیری صنعت کی ترقی کا دور:

مرزا حیدر جو بڈشاہی سے پون صدی بعد کشمیر میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا رہا ہے اپنی تاریخ رشیدی میں لکھتا ہے۔ کشمیر ایسی عجیب وغریب صنعتوں کا مرکز نظر آتا ہے۔ جو سمرقند بخارا اور ماوراء النہر کے سوا اور شہروں میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ ان صنعتوں میں پتھر کو جلا دینا۔ پتھر تراشنا۔ بوتل سازی' تابدان تراشی اور طلائی ورق بنانا خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ کشمیر میں صنعت حرفت کی اس ترقی بلکہ بنا قائم کرنے کا سہرا صرف سلطان زین العابدین کے سر ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ کشمیر علوم وفنون اور صنعتی وحرفتی کارو بار کا گہوارہ اور امن وامان کا ماوی وملجا تھا۔ اور شمالی ہند علوم فنون اور صنعت وحرفت کی ترقی اور ملکی امن وامان کا مرکز ہونا۔ تو کجا کسی مستحکم حکومت سے بھی محروم تھا۔ بلکہ یورپ تک خواب وغفلت میں محو اور اس قسم کی علمی وصنعتی ترقیوں سے بے نصیب تھا۔

بیرونی ارباب صنائع کشمیر میں:

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔ بڈشاہ ابھی شہزادہ ہی تھا کہ امیر تیمور اسے اپنے ہمراہ سمرقند لے گیا۔ شہزادہ وہاں سات آٹھ سال تک رہا۔ وہ بڑے غور سے تیموری شان وشوکت کے اسباب پر نظر ڈالتا رہا۔ اس کے گردوپیش کے حالات دیکھے۔ خراسان بخارا۔ ماورآءاں النہرا نکے ملکوں کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا۔ اس نے تیموری مملکت میں اس قسم کی صنعتیں دیکھیں۔ جن کا اس ملک میں وجود بھی نہ تھا۔ وہ دل ہی میں یہی سوچتا رہتا تھا۔ کہ میں بھی اپنے ملک مین واپس جا کر صنعت وحرفت کو ترقی دوں گا۔ لیکن جب تک

امیر تیمور زندہ رہا۔اس کو کشمیر میں واپس آنے کی اجازت نہ مل سکی۔

بیرونی صنعت وحرفت کی اقسام:

جب زین العابدین خود بادشاہ ہوگیا۔تو اس نے عالم شہزادگی کے اہل صنائع کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔اور علاوہ ان کے اور ماوراءالنہر۔سمرقند' بخارا' خراسان' اور دیگر ممالک سے اور بھی بہت لوگ منگوائے۔جن میں مندرجہ ذیل اقسام کے نام مختلف تاریخوں میں درج ہیں۔

کاغذ ساز۔صحاف۔قالین باف۔زین ساز۔دایہ(قابلہ) حکاک۔سنگ تراش۔شیشہ گر۔تابدان تراش۔زرکوب۔

بادشاہ نے بہت سے ان میں سے سرکاری کالموں میں لگادیئے جن کو سرکاری ملازمت یا کام نہ مل سکا۔ان کو اپنا علیحدہ کاروبار کرنے کے لئے مالی امداد دی۔

بڈشاہ کے زمانہ میں صنعتی وظائف:

بادشاہ نے بیرونی اہل صنائع کو یہ بھی تاکید کی کہ جو کام وہ خود جانتے ہیں۔اہل کشمیر کو بھی سکھائیں۔اس کے علاوہ بادشاہ نے نوجوان کشمیریوں کی ایک معقول تعداد کو ماہوار خرچ اور زادراہ دے کر سمرقند بھیجا کہ وہاں رہ کر علوم وفنون سیکھیں۔اور واپس آکر اپنے ملک کی ترقی وفلاح میں حصہ لیں۔ان میں جن نوجوانوں کے متعلق اسے اچھی اطلاعیں ملا کرتیں تھیں۔ان کو انعام فراواں بھی دیتا تھا۔

بڈشاہ نے عطائے وظائف کا شعبہ اس زمانہ میں جاری کیا۔جب دنیا کے کسی حصہ میں اس قسم کی علمی وصنعتی خیرات کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔

غالیچہ سازی:

کشمیر میں یہ بھی بڈشاہ یادگار ہے۔بڈشاہ کے بعد کئی سال تک غالیچہ سازی کی تجارت کو فروغ رہا۔لیکن جب ملک خانہ جنگیوں میں مصروف ہوگیا۔اور بادشاہوں کو اپنی سلطنت بلکہ جانیں بچانے کی فکر پڑ گئی۔تو یہ تجارت اور صنعت بھی قریباً معدوم ہوگئی۔

ریشم کا کام:

ریشم کا کام کشمیر میں بہت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ ممکن ہے بڈشاہ سے بھی پہلے زمانہ کا ہو۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ بڈشاہی دور میں اس کو بہت ترقی ہوئی۔ اس زمانہ میں دمشق اور بخارا اور ختن تک کی منڈیوں میں کشمیر کا ریشم جاتا تھا۔ اور بہت پسند کیا جاتا تھا۔ بخارا سے کشمیر کے ریشم کو بہت تعلق رہا ہے۔ اس کے بیج وہیں سے آتے تھے۔ اور اہل کشمیر کے صنعتی دماغوں کا یہ کمال ہے کہ ان کے تیار کئے ہوئے ریشم کی زیادہ کھپت بخارا ہی میں ہوتی تھی۔ [1]

اہل ختن کشمیر کے ریشم کو مغربی ایشیا اور یورپ تک بھیجا کرتے تھے۔ [2] سروالٹر لارنس کی رائے میں ریشم کے کیڑے پالنے کے لئے کشمیر کی سرزمین نہایت موزوں ہے

کاغذسازی اور جلد سازی:

کاغذ ملک چین کی ایجاد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی وفات کے پچھتر سال بعد ایک شخص تسیح لن نامی پیدا ہوا۔ جس نے دینا بھر میں سب سے پہلے کاغذ تیار کیا۔ پہلے وہ بانس وغیرہ سے کام لیتا رہا لیکن وہ زیادہ مفید ثابت نہ ہوا۔ تیس سال کے بعد اس نے شہتوت کے درخت کے ریشے تیار کئے۔ اور ان سے کاغذوں کا پہلا دستہ تیار کیا۔

لیکن کشمیر میں کاغذ کا بانی زین العابدین ہی ہے۔ جو صحافوں اور کاغذگروں کو سمرقند سے لایا۔ اور جس نے اپنے ملک کے نوجوان اس قسم کی صنعتوں کے سیکھنے کے لئے سمرقند میں وظائف دے کر بھیجے۔

ان لوگوں کو اس نے دارالخلافہ نوشہرہ میں آباد کیا۔ جہاں آج تک نہ صرف ان کا غذسازوں کی ذریات موجود ہیں۔ بلکہ کاغذ سازی کا کارخانہ بھی جاری ہے۔ کشمیری کاغذ تمام ہندستان میں باوجود اپنی بے انتہائی گرانی کے اپنی صفائی اور پائداری کی وجہ سے نہایت پسند کیا جاتا ہے۔ یہ کاغذ اس قدر پائدار ہے کہ اس کاغذ پر لکھی ہوئی کتابیں تین تین سو سال سے زیادہ عرصہ تک محفوظ و بے ضرر پائی گئی ہیں۔ پائداری میں دنیا کا اور کوئی کاغذ کشمیری کاغذ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

عہد اسلاف کا ہے ایک مرقع دلکش
دور حاضر کا ہے آئینہ روشن کاغذ

چونکہ حکومت کی طرف سے اس کاغذ کی کوئی سرپرستی نہیں کی جاتی۔اور عام بازاری کاغذ اس سے سستا ملتا ہے۔اس لئے یہ صنعت بھی آج کشمیر میں زوال پر ہے۔اس زمانہ میں نہ چھاپہ خانوں کا رواج تھا۔اور نہ کتابوں کی بہتات تھی۔اس لئے جلد سازی کا بھی رواج کم تھا۔اور اگر کہیں تھا بھی تو بالکل معمولی اور ادنیٰ درجے کا۔بڈشاہ نے سمرقندی صحافوں کے ذریعہ اس فن کو بھی ترقی دی۔اور نہ صرف اعلی جلدیں تیار کرائیں بلکہ نقرئی جلد سازی کا کام بھی سب سے پہلے کشمیر بلکہ ہندوستان میں اسی نے شروع کرایا۔

کاغذ سازی پر ایک شاعر کی طبع آزمائی:

ایک شاعر اسی زمانہ میں محلہ کاغذ گران (نوشہرہ) سے گذرا۔دیکھا کہ ایک کاغذ ساز پرانے اور پھٹے ہوئے بوسیدہ کپڑوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑے جمع کرتا۔اور ان کو دھوتا۔اور کاغذ بنانے کے لئے ان کو کوٹتا ہے۔

اس قسم کا کاغذ آبی کاغذ کہلاتا تھا۔شاعر نے کاغذ اور کاغذ ساز کی یہ کیفیت دیکھ کر فی البدیہہ کہا۔[3]

تا اجل آرام بخش رسم بے تابی شود
زندگانی مدآہ عہد بے خوابی شود

پرزہ پرزہ جامئہ عاشق سررہ گفت دوش
گوشئہ دامان عاشق کاغذ آبی شود

بادشاہ کو خبر ہوئی۔اس نے شاعر کو بلوایا اشعار سنے اور بطور اظہار خوشنودی انعام عطا فرمایا۔

پیپر ماشی:

بوسیدہ کاغذوں پر جو منقش کام کیا جاتا ہے۔اس کو پیپر ماشی کہتے ہیں۔اس کا

رواج بھی بڈشاہ کے زمانہ میں ہوا۔اس کو کارقلمدانی بھی کہتے ہیں۔اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے منقش قلمدان، اور چھوٹی چھوٹی خوبصورت صندوقچیاں نقش ونگار کے ساتھ تیار کی جا تی ہیں ؎ علاوہ ازیں کاغذوں کی تشتریاں چھوٹی چھوٹی کرسیاں۔گلاس پیالے اور متفرق چیزیں جن پر نہایت خوبصورت بیل بوٹے ہوتے ہیں بنائے جاتے ہیں۔

کشمیری تلوار اور بندوق:

پنجاب کے کشمیریوں نے فوجوں میں بھرتی ہوکر کپتانی اور لفٹنٹی اور صوبیداری تک کے اعزاز وعہدے حاصل کر لئے ہیں۔اوراپنی شجاعت وشمشیرزنی سے وہ شہرت پیدا کی کہ تلوار اور بندوق کو ان کے نام پر فخر وناز ہے۔لیکن اس میں کلام نہیں کہ وادئ کشمیر کے کیا مسلمان اور کیا ہندو آج تلوار و بندوق دونوں کے استعمال سے ناواقف ہیں۔

بلکہ تلوار و بندوق کے ساتھ کشمیری لفظ دنیا میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات سمجھی جاتی ہے۔

لیکن جن لوگوں کو تاریخ پر عبور ہے۔جو جانتے ہیں کہ ہر قوم اور ہر ملک میں کبھی نہ کبھی شجاعت و بسالت اور حکومت وسطوت کا دور دورہ رہا ہے۔ان سے مخفی نہیں کہ کشمیری بھی کسی زمانہ میں صاحب السیف والقلم تھے۔

محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔جن میں بارہ بہت مشہور ہیں۔وہ ہر حملہ میں پنجابیوں اور ہندوستان کو پامال کرتا رہا۔اور بقول بعض مصنفین ان کو غلام بنانے کے لئے جاتا رہا۔لیکن یہی ''بزدل'' ملک تھا۔جہاں اس نے دونوں حملے کئے اور دونوں میں ناکام رہا۔ ؏

جب راجہ جموں کو تاتار خان حاکم پنجاب کے خوف سے اپنے ملک کے علاوہ اپنی جان بھی بچتی نظر نہ آئی تو اسی ''بزدل'' ملک کے بادشاہ حسن شاہ کے سپہ سالار تاری بٹ نے سیالکوٹ کے مقام پر تاتاری افواج کو شکست دی۔اور سیالکوٹ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔راجہ جموں کے ملک اور اس کی جان کی حفاظت کی۔ ۵

غرض جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔وہ کشمیر میں عین شباب عروج کا زمانہ

تھا۔ ہر کشمیری تلوار کا دھنی تھا۔ اور تلواریں اور بندوقیں یہاں بنا کرتی تھیں۔ ایجرٹن صاحب لکھتے ہیں۔ ''کشمیر کی ساختہ تلواروں پر نہایت نفاست و خوبصورتی سے نہایت باریک باریک انسانی وحیوانی تصاویر کندہ ہوتی ہیں۔ تلواروں کا حاشیہ سونے سے چمکدار بنا دیا جات ہے۔

نیاموں پر نہایت خوبصورت شکلیں اور بیل بوٹے ہوتے ہیں۔ جو شال کے سلمہ ستارہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تلواروں پر کشمیری ارباب صنائع جو تصویریں بناتے ہیں۔ ان میں عموماً پیدل یا ہاتھی سوار شکاریوں کو کسی شیر یا خونخوار جانور کا تعاقب کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ بندوق کی نالیاں بنانے میں بھی ان کو خاص شہرت ہے۔ لنڈن کے ہندوستانی عجائب خانہ میں پرانے کشمیری پیش قبض اور شیر بچہ اب بھی دیکھے جاتے ہیں۔

لنڈن تو بہت دور ہے۔ سری نگر کے عجائب گھر میں بھی کشمیری اسلحہ جات موجود ہیں۔

اشک ریزا ن در عجا ئب خانہ برحال وطن
خو د و تیر وزرہ و تیغ و سنان کا شمیر

تفنگ کا رواج اور آتش بازی:

جب آتش باز بادشاہ کی قدردانیاں سن کر اپنے وطن سے کشمیر آیا۔ اس نے آتش بازی بنا کر طرح طرح کے کھیل تماشے کئے۔ اور بادشاہ اور تماشائیوں کو محو حیرت کر دیا۔ بادشاہ ہر عجیب اور نئی چیز کا رواج اپنے ملک میں چاہتا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ میرے اہل وطن کو بھی اس فن میں استاد کامل بناؤ۔

کشمیر میں تفنگ کا موجد بھی یہی آتشباز ہے بادشاہ کی عنایت سے وہ مقربان شاہی میں داخل ہوا۔ تفنگ اور آتشبازی کا رواج کشمیر میں بڈشاہ ہی کے زمانہ سے ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ رپورٹ مردم شماری 1921ء جموں وکشمیر۔

۲۔ اسلامک کلچران کشمیر بحوالہ تاریخ رشیدی (انگریزی) صفحہ 425۔

۳۔ از بیاض بوسیدہ وکہنہ مملوکہ خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی تبت بقال۔ سرینگر۔

۴۔ تاریخ فرشتہ و دیگر تواریخ ہند وکشمیر۔

۵۔ تاریخ فرشتہ و دیگر تواریخ ہند وکشمیر۔

۶۔ اسلامک کلچران کشمیر صفحہ 254

☆☆☆☆

تیرھواں باب

بادشاہ کی علمی سرگرمیاں

بڈشاہ کئی زبانیں جانتا تھا:

بادشاہ اپنے زمانہ کے علم وادب ہی مین مہارت تامہ رکھتا تھا۔ بلکہ اس زمانہ کی متعدد زبانوں سے بھی اسے بہت اچھی واقفیت تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ علم وعلماء دونوں کی قدردانیوں سے اپنے ادبی کارناموں کو ناپائیدار شہرت دے سکا۔ آج ہندوستان وکشمیر کے مصنفوں اور مئورخو کے علاوہ یورپ کے مئورخ ومصنف بھی اس کے برمحل علمی عطایات اور اس کے ماہر علوم ہونے کی تعریف کرر ہے ہیں۔[1]

کشمیری زبان تو بادشاہ کی ملکی و مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ وہ تبتی۔ فارسی۔ سنسکرت اور ہندی زبان بھی جانتا تھا۔ بلکہ ان زبانوں کا عالم وفاضل تھا۔ فارسی میں اس کے اشعار بھی ہیں وہ علوم ریمیا وسیمیا میں بھی ماہر تھا۔

وہ خود عالم تھا اس لئے علم کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام لیتا تھا۔ اور اس بیش وبہار قوم خرچ کرتا تھا۔

بڈشاہ ایک مصنف کی حیثیت سے:

طبقات اکبری کا مصنف بادشاہ کی علمی سرپرستوں کا ذکر کرتے ہوئے حلب آتشباز کے حالات میں لکھتا ہے۔ کہ ''کتاب سوال وجواب'' کہ متضمن فوائد بسیار است سلطان بہ اتفاق او تصنیف کردہ'' یہ کتاب جس کا ذکر آج سے 350 سال پیشتر کا مصنف ''اپنی کتاب میں'' متضمن بہ فوائد بسیار'' کے ساتھ کرتا ہے۔ بالکل نابود ومعدوم ہے۔ کتاب کے نام'' سوال وجواب' سے یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ کس مضمون کے متعلق تھی۔ اور اس سے کس قسم کے فوائد بسیار عوام کو حاصل ہوسکتے ہیں۔

دارالترجمہ اور دارالتصانیف کا اجراء:

بادشاہ نے اس زمانہ میں جبکہ ہندوستان کے علاوہ دیگر تمام ایسے ممالک بھی جنہوں نے علوم وجدید کی شعاعوں سے آج تمام عالم کو منور کر رکھا ہے۔ اشاعت علوم وفنون کے طریقوں سے محض بے خبر تھے۔ علمی وظائف کے علاوہ دارالترجمہ اور دارالتصانیف کے شعبے قائم کئے۔ جن میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہبی تاریخی اور عام اخلاقی وطبعی کتابوں کے تراجم ہوئے۔ اور نئی تصانیف بھی قابل مصنفوں سے معقول مشاہرے دے کر لکھوائی جاتیں۔ ملاّ احمد۔ زونراج پنڈت۔ پنڈت۔ بودی بٹ۔ اور ملاّ قادری ان شعبہ جات کے معزز ارکان تھے۔ سب سے پہلے ملا احمد ہی نے مہابھارت کو فارسی کا جامہ پہنایا تھا۔

ایک کتاب ہندی زبان کی جس کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا بادشاہ نے فارسی میں ترجمہ کرائی۔ اور نام اس کا افسانہ ہندی رکھا۔ بڑی فربہ اور ضخیم کتاب ہے۔ اب کہیں نہیں ملتی۔ اکبر نے ملا عبدالقادر بدایوانی؟ سے فرمایا۔ اس کی فارسی غیر متعارف ہے۔ اسے مانوس عبارت میں لکھدو۔ ملا نے دو تین مہینے کے اندر کتاب تیار کردی۔ اکبر نے دس ہزار تنگہ مرادی اور ایک گھوڑا انعام دیا۔ اور نام اس کتاب کا سحر الاسماء رکھا۔[۲]

معلوم ہوتا کہ افسانہ ہندی کی صرف ایک جلد ہی بڈشاہ کے حکم سے ترجمہ ہو سکی تھی۔ جیسا کہ دربار اکبری کی سطور ذیل ظاہر کرتی ہیں۔ بادشاہ نے ابوالفضل سے فرمایا۔ افسانہ ہندی کی صرف ایک جلد ہی سلطان زین العابدین کہ حکم سے ترجمہ ہوئی ہے۔ بہت سی جلدیں اس کی باقی ہیں۔ انہیں ترجمہ کر کے پوارا کردو۔ چنانچہ اس کتاب کی اخیر جلد کہ ۶۰ جُو کی ہے پانچ مہینہ میں تیار کردی۔

علم وعلماء کی سرپرستی:

بادشاہ نے اپنے ممالک کے اکثر لوگوں کو جو علم کی اہلیت اور اس کا شوق رکھتے تھے۔ وظائف دے کر بیرونی ملکوں میں پہنچایا۔ ان میں جو لوگ شادی شدہ تھے۔ ان کے اہل وعیال کے اخراجات کا بوجھ بھی شاہی خزانہ پر ڈالا۔ علاوہ ازیں بیرونی ممالک سندھ۔ ہرات ہندوستان۔ بخارا۔ خراسان۔ عرب۔ وغیرہ ممالک سے فارسی۔ عربی۔ اور سنسکرت

کے عالم بلوائے۔ان کو معقول تنخواہیں دیں۔اور ان تنخواہوں کے لئے خاص خاص دیہات وقف کر دئے۔جو اہل علم زیادہ قابل تھے انکو جاگیریں بھی عطا کیں۔بلکہ ملک روم تک سے علماء فضلاء کشمیر میں آئے۔جیسا کہ ملا بہاؤ الدین متو اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔وعہد اءز دیگر امصار علماء فضلاء دریں شہر آمدند۔مثلاً مولانا محمد باقر روی و مولانا احمد روی کہ برادر یکد گر بودند از سلطان مورد انعامات شدہ دریں شہر سکونت ورزیدند۔

ترجمہ: اس کے عہد میں دیگر شہروں سے علماء فضلاء اس شہر میں آئے مثلاً مولانا محمد باقر رومی، مولانا احمد رومی، ایک دوسرے کے بھائی۔سلطان کی جانب سے انعامات کے مستحق ہوئے۔اور اس شہر میں سکونت اختیار کی۔

ہندوؤں کے علوم کی اشاعت:

ہندو علوم کی کتابیں جن کو مہاجر کشمیری پنڈت اس کے باپ اور بھائی کے زمانہ میں اپنی جلاوطنی کا ساتھ ہی پنجاب وغیرہ ممالک میں چلے گئے تھے۔ہندوستان سے منگوا کر ملک میں تقسیم کیں تاریخ متو میں لکھا ہے۔"دفاتر کفر وصحائف شرک کہ ازیں دیار در کشمیر بوند باز طلبید ند"

عالی حوصلگی۔وسیع القلبی۔بے تعصبی۔اور سر پرستی علوم کی یہ ایک مثال ہے۔کہ اسکی نظیر نہ پہلے کی تاریخوں میں مل سکتی ہے۔اور نہ آج کوئی ملک کوئی بادشاہ اس قسم کی بلا تفریق مذہب وملت "دلجوئی رعایا" کا ثبوت پیش کر سکتا ہے۔

مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے لئے بادشاہ کے تحائف:

بڈشاہ کو علمی ذخائر جمع کرنے اوران سے اپنے ملک کو مستفیض کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ وہ غیر ممالک کے بادشاہوں کو کشمیر کے بیش و قیمت تحائف بھیجا کرتا۔ جنھیں ایک معزز جماعت لیکر جایا کرتی۔ اور بادشاہ اس جماعت کے اخراجات کا کفیل ہوا کرتا۔ اور جو مراسلہ اپنے ہمعصر بادشاہ کے نام ہوتا۔ اس میں صرف مختلف علوم فنون کی کتابوں کی خواہ وہ کسی مذہب وملت کے متعلق ہوتیں خواہش کیا کرتا۔ بہاؤالدین متو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ وزریں دیار کتب ہر وعلوم کم بود ۵ بہ ہمیں وجہ بادشاہ بہ دیگر سلاطین وقت ہدیہ وتحفہ مامی فرستاد۔ ازایشان کتاب بادر مختلف علوم وتصانیف کثیر آورایند"

(ترجمہ: اور ممالک میں علوم فنون کی کتابیں کم تھیں ۔ اس وجہ سے بادشاہ دیگر سلاطین کو ہدیہ دیتا تھا۔ کہ مختلف علوم وفنون کی کتابیں یہاں بھیجیں۔)

بادشاہ نے اس طریق سے ایک ایسا کتب خانہ بنالیا جو اس کے عہد میں اس کے کسی محاصر بادشاہ کے پاس نہ تھا۔ یہ کتب خانہ بادشاہ کے بعد ایک سو سال سلطان فتح شاہ کے عہد تک دستبر دزمانہ کے ہاتھوں محفوظ رہا اس کے بعد دیگر تمام فانی اشیاء کی طرح یہ خزانہ علوم بھی جس میں خدا جانے کیسے کیسے بیش قرار علمی جواہرات تھے۔ فنا و نابود ہو گیا۔

ایک کتاب کے لئے مکہ معظّمہ کو ایک کاتب کی روانگی:

علامہ جبار اللہ کی تصنیف تفسیر کشاف کا اصل نسخہ بہت کم یاب تھا۔ اس کے حصول کے لئے بادشاہ نے ہندوستان کے علاوہ ترکستان اور ماورآءالنہر کے اطراف میں بھی آدمی دوڑائے۔ لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ ایک مرتبہ جب کشمیری حجاج کا قافلہ اپنے وطن میں واپس آیا تو ان میں موجود حاجی علم دین کے ماہر تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے عرض کیا۔ کہ علامہ جبار اللہ کی تصنیف کا اصل نسخہ مکہ معظّمہ میں موجود ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر" یک مرد کا نبے راخرچ راہ واہل وعیال دادہ بہ ہمیں غرض بہ مکہ فرستاد" ترجمہ: ایک کاتب کے پورا اھل وعیال کا خرچہ دیکر اس غرض سے مکہ مکرمہ بھیجا۔

چنانچہ وہ کاتب عرصہ دراز تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہا۔ اس نے کتاب کے اصل نسخہ

سے ااس کی نقل کی۔اور پھر نقل کو بعد مقابلہ صحیح کرا کر اوراس کی تصدیق کے لئے اکابر علماء مکہ کے خطوط لے کر کشمیر واپس آیا جب یہ تفسیر کشمیر پہنچی۔تو شعراء نے نظمیں لکھیں چنانچہ ایک نظم کے جو بیاض بوسیدہ ے سے معلوم ہوئی ہے۔چند شعر ذیل میں درج ہیں۔

شبہ پراز مدینہ نور برہان آمد	رنجور ئے اہل دین بہ درماں آمد
آمد زخندادفتر اخلاص وادب	یہاں کاغذ کرم خوردہ ہے
یہاں کاغذ کرم خوردہ ہے	باسلطان بارسول قرآن آمد

اصل نسخہ تفسیر کشاف کی یہ مصدقہ نقل مرزا حیدر کے زمانہ تک کشمیر میں موجود تھی۔جب مغلوں اور کشمیریوں میں جنگ ہوئی اور بیشتر مغل جان سے مارے گئے اور مرزا حیدر بھی قتل ہو گیا۔تو یہ کتاب ایک قاضی کے قبضہ میں آئی۔جو مرزا کے ہمراہیوں میں تھا۔وہ اپنی جان بچا کر اور کتاب کو بغل میں دبا کر اپنے وطن چلا گیا[۸]۔

بادشاہ کے حکم سے جامع مسجد (سرینگر) کے شمال کی طرف ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی۔جس میں فارسی، عربی کے علاوہ سنسکرت کی تعلیم بھی دیجاتی تھی۔بادشاہ نے اسکے اخراجاوت مصارف کیلئے چند دیہات وقف کر دئے۔قاضی میر محمد علی جو چنگیز خان کی اولاد سے تھے، اس دارالعلوم کے صدر بنائے گئے حاشیہ نمبر 9

نوشہرہ میں بادشاہی دارالعلوم:

مرزا حیدر تارخ رشیدی میں لکھتے ہیں نوشہرہ میں شفاخانہ اور لنگر خانہ ہی نہ تھا۔ بلکہ دولت خانہ شاہی کے بالکل متصل راجدھانی (نوشہرہ) میں اعلی پیمانہ پر ایک شاہی بیت العلوم بھی جاری کیا گیا۔کئی گاؤں طالب علموں کے وظائف اوران کے اخراجات اور استادوں کو فکر معاش سے آزاد کرانے کے لئے وقف کئے گئے۔اس بیت العلوم میں دارالاقامہ بھی تھا۔جہاں طالب علم رہا کرتے تھے۔مولانا کبیر جو بادشاہ کے استاد بھی تھے۔ اس دارالعلوم کے صدر یا پرنسپل تھے۔

اس مدرسہ میں مندرجہ ذیل اساتذہ کا نام تاریخوں میں نظر سے گذرا ہے۔ملا پارسا۔اصل وطن معلوم نہیں۔لیکن سلطان کے وقت میں کشمیر آئے۔سلطان نے ان کی

قابلیت سے خوش ہو کر مدرسہ بادشاہی میں جگہ دی۔اور معقول جاگیر بھی عطا کی' ملاّ محمد مولانا نادری' ملاّ مدیحی۔ ملاّ ضیائی جو بڈشاہی عہد کے نامور شاعر اور ادیب تھے۔اور قاضی حمید الدین جنہوں نے بڈشاہ کے زمانے میں کشمیر کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ لیکن جو آج کل بلکہ عرصہ دراز سے نایاب ۱۰ ہے۔ غرض

اس کے زریں عہد میں جاری تھے وہ دارالعلوم جن کی شہرت کے ہیں شاہد آج بھی
شمس و نجوم جن کے علم وفن پہ نازاں ہندوسندھ و شام وروم جن سے بچ بچ کر کبھی چلتی رہی
بادِ سموم گردش ایام نے شکلیں وہ ایسی مٹا دیں آج ان تعلیم گاہوں کا نشان تک بھی نہیں۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ اسلامک کلچر ان کشمیر۔ بحوالہ لفٹنٹ ینول جے اے ایس صفحہ 412۔
۲۔ دربارِ اکبری (اردو) مصنفہ شمس العلماء مولانا آزاد دہلوی صفحہ 117۔
۳۔ مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔
۴۔ ملا بہاؤ الدین متو۔
۵۔ کشمیر ہندو عہد قدیم ہی سے علوم و فنون کا مرکز رہا ہے یہاں اس زمانہ میں سنسکرت کی یونیورسٹیاں قائم تھیں۔ جب ٹیکسلا (پنجاب) اور بنارس کے سوا تمام ہندوستان علمی چشموں سے محروم تھا۔ لیکن ذالچو کے حملہ اور ظلم نے جو چھ ماہ تک کشمیریوں میں مسلسل جاری رہا۔ کشمیر کی ادبی شہرت اور اس کی سیاسی عظمت دونوں کو خاک میں ملا کر ہندو سلطنت کو بالکل کھوکھلا کر دیا۔ یہاں تک کہ تھوڑے عرصے کے بعد حکومت بھی اس کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ بڈشاہ نے کشمیر کو ادبی سیاسی حیثیت سے دوبارہ زندہ کیا۔
۶۔ مملوکہ خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی تبت بقال سری نگر۔
۷۔ تاریخ بہاؤ الدین متو۔
۸۔ از بیان واقعہ حالات مسجد جامع اردو غیر مطبوعہ از تصنیف مولوی محمد شاہ کاشمیری۔
۹۔ از تاریخ حسن قلمی۔ صفحہ 158۔

چودھواں باب

بڈشاہ کے عام اخلاق و عادات

بڈشاہ اپنی فتوحات عظیمہ اور لشکر جرار اور اپنی مشہورِ بے تعصبی و رواداری کی وجہ سے عظیم الشان اور قابل احترام بادشاہ نہ تھا۔ بلکہ اپنے پاکیزہ اخلاق اور نیک عادات اور اپنے نیک چال وچلن کے باعث بھی اپنی رعایا کی آنکھوں کا تارا تھا۔ مسلمان اور ہندو اس کے نام کی بجائے ہمیشہ اسے بڈشاہ اور بڈہ شاہ کہتے رہے۔ اور یہ مقبولیت اسے اپئی زندگی ہی میں نصیب ہوگئی۔ آج بھی بہت لوگ ہیں جو اس کے اصلی نام سے آگاہ ہیں۔

مال غیر اور زن بیگانہ سے نفرت:

مال غیر اور زن بیگانہ دونوں کو وہ اپنی لئے حرام سمجھتا تھا۔ چنانچہ صاحب مختصر التواریخ لکھتے ہیں۔ برروئے زن بیگانہ و مال و مردم نظر بے خیانت درنمے کرد۔

(ترجمہ: اجنبی عورت کے چہرے پر نظر نہیں رکھتا تھا' اور لوگوں کے مال میں خیانت نہیں کرتا تھا۔)

ایک شہزادہ نے ایک برہمنی کے ساتھ جو نازیبا حرکت کی۔ اس کے لئے جلیل القدر شہنشاہ برہمن کے مکان پر ننگے پاؤں گیا۔ اور اس سے معذرت طلب کی۔ راجہ راجور اپنی بیٹی اس کے حضور میں بطور تحفہ بھیجتا ہے۔ اور یہ اسے ماں کہہ کر پکارتا ہے۔ اور جب تک وہ زندہ رہتی ہے۔ بطور ماں کے اس کا ادب احترام کرتا ہے۔ تاریخ کشمیر کوئی ایسی نظیر پیش نہیں کرتی کہ اس بادشاہ نے دوسروں کے زر و مال پر دستبرد کی ہو۔ بلکہ اس نے اپنے باپ اور بھائی زمانہ کے ٹیکس۔ بھی رعایا کو معاف کر دئے۔

عتاب میں الطاف:

یہ بادشاہ ایسا نیک دل اور نیک نیت تھا۔ اور اس کے اخلاق ایسے اعلیٰ تھے۔ کہ

جس کسی پر اس کا عتاب بھی نازل ہوتا تھا۔ اس کو اس وقت فرموش کر کے کسی اور موقع پر ایسی آسانی اور خوبی کے ساتھ اپنے ملک سے بدر کر دیتا تھا کہ وہ بادشاہ کی ناراضگی سے قطعی لاعلم و بے خبر رہتا تھا[1]۔

بلکہ ملک بدر شخص جلاوطنی کو بھی بادشاہ کی عنایت ہی سمجھتا۔ اس کی پالیسی ایسی گہری ہوتی تھی کہ عقلمند سے عقلمند آدمی بھی اس کی دوستی دشمنی میں تمیز نہ کر سکتا تھا[2]۔

ملک گیری و پیش قدمی کا حامی نہ تھا:

بڈشاہ پر اسکی رعایا کا ایک ایک فرد جان دیتا تھا۔ اس کی باقاعدہ پیدل اور سوار فوج بھی کافی تعداد میں تھی۔ اور ملک کی لاج قائم رکھنے کے لئے مرمٹنا معمولی بات سمجھتی تھی۔ کشمیر سے باہر ہندوستان۔ خراسان، عراق و عرب تک اس کی فیاضی و سرچشمی اور اس کے اعلیٰ اوصاف کی شہرت تھی۔ اگر وہ ملک گیری و پیش قدمی کی پالیسی کا حامی ہوتا۔ تو اندورنی بیرونی ہردلعزیزیوں کی وجہ سے یقیناً ہر جگہ کامیاب ہوتا۔ اور جہاں تک چاہتا اپنی مملکت کو وسعت دے سکتا تھا۔

لیکن ناحق خلق خدا کا خون اس نے کبھی پسند نہیں کیا۔ وہ ایسا رحم دل تھا۔ کہ اس نے شکار تک کی ممانعت کر دی تھی۔ پھر وہ انسانوں کا خون کس طرح جائز رکھ سکتا تھا۔ تاریخ جس قدر اس کے حملوں کا پتہ دیتی ہے۔ یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ مدافعتی حملے تھے۔ جیسا کہ سطور ذیل سے بھی معلوم ہوگا۔ اگر کسے از سلاطین اجانب واطراف تغلب استیلا برایں نواحے مےنمود۔ سلطان زین العابدین سپہ دران و امرائے لشکر خود کشیدہ باایشاں جنگ بامے کرد۔ حدود ولایت خود از استیلائے ایشاں نگاہ مے داشت۔

(ترجمہ: اگر کسی اطراف کے حکمران اس علاقے پر حملہ آور ہوتے تھے، تو ان کے خلاف اپنی سپہ سالاروں اور لشکر کو تیار کر کے جنگ کرتا تھا۔ اور اپنی حدود مملکت کو ان کے غلبہ سے محفوظ رکھتا تھا۔)

دشمنوں سے سلوک:

جو متمرد اور سرکش ہوتے تھے۔ ان کی گوش مالی بھی کرتا تھا۔ جیسا کہ پانڈو چک کو اس کی بدکرداریوں کی سزا دی گئی۔ اور جو ان میں صلاحیت اختیار کر لیتے تھے۔ ان کی عزت افزائی بھی کرتا تھا۔[3] (اس موقع پر پانڈو چک کے بیٹے حسین چک کو یاد رکھنا چاہیے جو باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اور ترقی کرتے کرتے دربار شاہی میں پہنچ گیا تھا۔ جہاں اس نے خدمات حسنہ کے باعث بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا تھا۔

سادگی اور انکساری:

باوجود اس قدر شان و شوکت اور جاہ و جلال کے یہ بادشاہ ہمیشہ سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ البتہ تاج کے اندر وہ کلاہ مبارک ضرور رکھتا تھا۔ جو امیر کبیر سید علی ہمدانی نے اس کے دادا سلطان قطب الدین کو عطا فرمایا تھا۔ اور جو اسکے خاندان میں سلطان ابوالفتح یعنی فتح شاہ تک جو بڈ شاہ کا پوتا تھا۔ برابر سر پر پہنا جاتا رہا۔ ابوالفتح کے مرنے کے بعد جب وہ کلاہ اس کے کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا تو اسی زمانہ سے ان کی دولت و سلطنت کو زوال آنا شروع ہوا۔[4]

اس کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ علماء فضلاء کو زادراہ بھیجکر مختلف ممالک سے بلواتا۔ اور مناسب جلیلہ عطا کرتا تھا۔ اور پھر ان کی صحبتوں سے مستفیض ہوتا تھا۔ اور بعض علماء و صوفیا جب جرأت صادقہ سے کام لے کر اس کی باتوں سے اختلاف بلکہ ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔ تو برا نہیں مناتا تھا۔ اور اگر کبھی ناراض بھی ہوتا تھا۔ تو بہت جلد اپنی پشیمانیوں کا اظہار کرتا تھا۔

خزانہ شاہی پبلک امانت ہے:

اس نے سرکاری خزانہ کو ہمیشہ رعایا کی امانت تصور کیا۔ اور جب کبھی اسے خرچ کیا فلاح عامہ اور آسائش رعایا کے خیال کو سب سے مقدم رکھا۔ اس نے شاہی خزانہ کو علوم و فنون کی سرپرستی زراعتی ترقی اور نہروں کے احداث کے لئے وقف کر دیا۔ اور بقول

صاحب اسلامک کلچر اِن کشمیر بڈ شا ''ایسا بادشاہ تھا'' جو صنعت وحرفت کا معاون۔ مزارعین کا دوست۔ علوم وفنون کا مربی۔ ہندوؤں کا محسن اور اپنی رعایا کا بھی خیر خواہ تھا۔

بادشاہ کے ذاتی اخراجات:

سرکاری خزانہ اور شاہی دفائن جب رعایا کہ سود و بہبود کے کام آتے تھے۔ تو آخر بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کہاں سے ادا کرتا تھا؟ اس کے جواب میں صاحب طبقات لکھتے ہیں۔ سلطان ؒ کے اپنے روزمرّہ کے اخراجات کی کفیل سلطنت نہیں ہوتی تھی۔ نہ اس نے خزانہ سے کوئی اپنی تنخواہ مقرر کر رکھی تھی۔ بلکہ کان مس سے جو اس نے خود دریافت کی تھی۔ اور جہاں صدہا مزدور بے گار پر نہیں۔ بلکہ کام پر لگے رہتے تھے۔ وہ اپنے اخراجات ادا کیا کرتا تھا۔ اسی مس کی کان سے سرکاری سکہ جات تیار ہوتے تھے۔

چونکہ بادشاہ علم کیمیا وسیمیا میں بھی بخوبی ماہر تھا۔ کان مس کے علاوہ کان جواہر بھی اس نے دریافت کی تھی۔ چنانچہ جواہرات زینہ رتن اسی کے نام پر اور اسی کے عہد سے مشہور چلے آتے ہیں۔ ان دونوں کانوں کی آمدنیوں سے وہ سیر وتفریح کرتا۔ اور مطربوں اور مغنیوں کی سرپرستی کیا کرتا تھا۔ البتہ علماء فضلاء کی قدردانیاں درس گاہوں کے اخراجات علمی وصنعتی وظائف غرباء وضعفاء کی پرورش اور دیگر امورات جن کا تعلق ملک کی خدمت فلاح سے تھا۔ وہ خزانہ شاہی سے ادا ہوا کرتے تھے۔

بادشاہ کی بے تعصّبی:

بڈ شاہ کے بے تعصبی بلکہ مندروں اور بت خانوں کی تعمیر ومرمت کی وجہ سے اکثر مئورخین نے اس پر بت پرستی کا الزام بھی لگایا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ خالص اسلامی اخلاق وتعلیم کا پابند تھا۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ تم غیر اقوام کی عبادت گاہوں کو مسمار نہ کرو اور ان کے بتوں کو گالیاں نہ دو۔ تا کہ وہ تمھارے خدا کو گالیاں نہ دیں بڈ شاہ اپنی عمر کے آخری لمحہ تک اس پر قائم رہا۔ بلکہ مرنے پیشہ اسنے مندر شنکر اچارج کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اس کی تعمیر ومرمت کرا کے اس کو از سر نو زندہ کیا۔

تبدیل لباس اور حالات رعایا:

بڈشاہ آج کل کے بادشاہوں اور والیان ریاست کی طرح دارالخلافہ کی آرام طلبی اور محلات کی عیش وعشرت ہی میں غرق نہیں رہتا تھا۔ بلکہ اپنی اوقات عزیز کا بڑا حصہ سیر وسیاحت اور دارالخلافہ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی تعمیرات میں صرف کرتا تھا۔ دیہات وپرگنہ جات میں بھی اس کی آمد ورفت رہتی تھی۔ اور ہر چند اسکے اس فرمان کا بھی عمال پر بڑا اثر تھا۔ کہ کوئی اہل کار کسی شخص سے نذرانہ قبول نہ کرے۔ لیکن اس کے اپنے دورہ اور آمد ورفت کی وجہ سے بھی افسران مالی وملکی خوف زدہ رہتے تھے۔ اور اس طرح غریب دیہاتی اور عوام ماتحت حکام کی استبداد پرستیوں کا تختہ مشق بننے سے محفوظ رہتے تھے۔

لیکن اس کی رعایا پروری یہیں تک ختم نہ ہوجاتی تھی وہ راتوں کو لباس تبدیل کر کے ادھر ادھر نکل جاتا۔ وہ لوگوں میں شامل ہو کر ان کے حقیقی خیالات وجذبات ان کے مطالبات اور ان کی شکایات سے آگاہی حاصل کرتا۔ اور اپنی ذات کے متعلق لوگوں کے خیالات سنتا۔ لوگ اسکی تعریف بیان کرتے تو خدا کا شکر ادا کرتا۔ اور زیادہ خدمات کی توفیق رفیق ہونے کے لئے دست بدُعا ہوتا اگر کوئی اپنی برائی سنتا۔ تو اسے دور کرنے کی کوشش کرتا۔ اور اگر کسی حاکم کی زیادہ ستانی سے اس کے کان آشنا ہوجاتے تو اس کی سرزنش کرتا۔ بادشاہ کی اس نیک عادات کو تاریخ حسن کے مصنف نے نہایت مختصر مگر جامع طور مندرجہ ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے۔ ''بادشاہ رعیت پروری بسیاری نمود۔ وتغیر لباس کردہ شب ہائے برمے آید۔ تاحسن وقبح عمّال وعمل خود بشنود'' ٦

(ترجمہ: بادشاہ رعایا پروری بہت کرتا تھا رات کو اپنا لباس بدل کر باہر نکل آتا اور خود اچھے برے اعمال کا جائزہ لیا کرتا تھا۔)

بادشاہ کا زہد واتقّا:

جس بادشاہ کی نظروں میں زن بیگانہ اور مال غیر حرام ہو۔ جو بادشاہ ہونے اور ہر قسم کی استطاعت رکھنے کے باوجود صرف دو بیویاں رکھتا ہو۔ اور دیگر بیگمات اور کنیزوں اور لونڈیوں کی کثرت سے بے نیاز ہو۔ اس کے زہد واتقا میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

مشائخ عظام اور علمائے کرام کی خاک پا کو وہ طوطیائے چشم تصور کرتا تھا۔ مساجد و

مزارات کی تعمیرات میں اس نے فراخدلی سے کام لیا۔ زینہ لنک میں جو عالیشان محل اس نے تعمیر کرایا۔ اس میں بھی عبادت خانہ بنائے بغیر نہ رہ سکا۔ جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے۔ وبرک طرف آں از صفہ عمارتے بہ اتمام رسانیدہ عبادت کدہ بہ جہت پرستش پروردگار خوب ترتیب دادہ کہ ازاں نقش پر جائے نمے باشد۔"

جہانگیر لکھتا ہے۔ لوگوں میں اس کا اس قدر احترام ہے۔ کہ اس کو ولی سمجھ کر اس کے خوارق عادات بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ جہانگیر اس کی ایک کرامت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ روزے یکے از ناخلف زادگان بقصد قتل او دران عبادت خانہ اُو را تنہا یافتہ۔ شمشیر کشیدہ درمے آید۔ چوں او بر سلطان مے اُفتد بنا بر صلابت پدری وشکوہ صلاح سراسیمہ و مضطرب گشتہ مے گردد۔ بعد از لحظہ سلطان از عبادت خانہ برآمدہ باہماں پسر در گشتی مے نشیند ۔ وروانہ شہر مے گردد۔ دراثنائے راہ بہ آں پسر مے گوید۔ کہ تسبیح خود را در عبادت خانہ۔ فراموش کردہ ام برزورے تے سوار شدہ تسبیح را خواہی آورد پسر عبادت خانہ درآمدہ پدر را در آن جامے بیند۔ آل۔ بے سعادت از روئے شرمندگی تمام در پائے پدر اُفتاد۔ عذر خواہیے تقصیر خود مے نماید۔ (ترجمہ: ایک دن اس کا ایک ناخلف بیٹا اس کو قتل کرنے کے ارادہ سے اس عبادت خانہ میں گھس آیا' جہاں وہ تنہا عبادت کر رہا تھا۔ ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ جب سلطان کے سامنے آیا تو باپ کے رعب دبدبہ سے پریشان اور سراسیمہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد سلطان اس کو ساتھ لئے باہر آیا۔ اور کشتی میں بیٹھ گیا' اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ درمیان راہ میں سلطان نے بیٹے سے کہا میں اپنی تسبیح عبادت خانہ میں چھوڑ آیا ہوں بجرے پر سوار ہو کر تسبیح لے کر آؤ' بیٹا جب عبادت خانہ میں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ باپ کو وہاں بیٹھے دیکھا۔ اس بدبخت کو بڑی شرمندگی ہوئی فوراً باپ کے قدموں میں گر گیا۔ معذرت کی اور غلطی کی معافی مانگنے لگا)۔ جہانگیر لکھتا ہے۔ بڈشاہ بہ ایں سطوت وشوکت چلہ کشی بھی کرتا تھا۔ چنانچہ ایک چلہ اس نے اسی عبادت خانہ میں گزارا۔ اور ارباب سلوک وریاضت کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول ہوا۔ اور اس طویل عرصہ میں دیگر لذّات دنیوی کے ترک کرنے کے ساتھ اس نے اپنی آنکھوں کو بھی خواب سے آشنا نہ کیا۔ اس سے زیادہ اس کی عبادت وریاضت اور اس کی پاک وعیب زندگی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ طبقات اکبری۔
۲۔ مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔
۳۔ طبقات اکبری۔
۴۔ اسرار الابرار۔
۵۔ ترجمہ۔
۶۔ صفحہ 51 قلمی نقل 1301ھ جو راقم الحروف نے راجہ شیر علی خان صاحب جاگیردار راجپور تحصیل ہندوواڑہ کشمیر کے پاس دیکھی تھی۔

پندرھواں باب

دربار بڈشاہی کے ارکان

بڈشاہ کس طرح بڈشاہ بنا:

بڈشاہ کے حالات میں تم نے دیکھا ہوگا۔موسیقی اور گانے بجانے کے اہل فن سے اس کا دربار بھرا پڑا تھا۔اس نے نہ صرف موسیقی دانوں کی قدردانی پر ہزاروں اور لاکھوں صرف کردئے بلکہ آلات موسیقی کو طلاکار بنادیا۔اس علم پر کتابیں لکھوائیں اور خودکئی قسم کے ساز ایجاد کئے۔کیا ایسا بادشاہ جہاں اس قسم کا راگ رنگ رہتا ہو۔ہندوؤں میں بٹہ شاہ (یعنی ہندوؤں کا بادشاہ) اور مسلمانوں میں ''مقرب درگاہ لم یزلی'' اور عوام کی نظروں میں بڈشاہ یعنی بہت بڑا بادشاہ مشہور ہوسکتا ہے۔

وہ علماء وصلحاء کی صحبتوں کو حاصل زندگانی سمجھتا تھا۔ان کی ناراضگی اس کے لئے سوہان روح تھی۔اور جلیل القدر بادشاہ ہوکران کے آستانوں پر جاتا۔اور گھنٹوں ان کے پاس بیٹھا رہتا۔اوران کی خانقاہیں۔مسجدیں۔باغات اور مکانات تعمیر کراتا۔عبادت وریاضت میں اتنا محو رہتا کہ بقول جہانگیر بادشاہ ایک چلہ فقر وفاقہ کے ساتھ کاٹتا۔اور فقہ و حدیث کی کتابوں کے لئے مکہ معظمہ تک آدمی بھیجتا۔کیا ایسا ''خشک ملا'' کبھی مملکت رانی کا اہل ہوسکتا ہے۔

بات یہ تھی کہ اس کا ہرکام اپنے اپنے موقع اور محل پر ہوتا تھا۔اس کے دربار میں جو موسیقی دان تھے۔وہ بڑے بڑے اہل علم تھے۔وہ بھڑوے اور میراسی نہ تھے۔کہ اپنے ادنی اخلاق سے بادشاہ کی صحبتوں کو بدنام کرتے۔بادشاہ نے کبھی طوئفوں کی سرپرستی نہیں کی۔بلکہ اس کے طویل عہد میں بازاری عورتوں کا کہیں کوئی پتہ نہیں ملتا۔ممکن ہے اس کے مبارک دور میں ان کو وجود تک بھی نہ ہو۔وہ موسیقی کی قدردانیاں ایک علم اورفن کی حیثیت

سے کرتا تھا۔

اس کے علماء صلحاء بھی اس زمانہ کے سے نہ تھے۔ کہ اپنی خودغرضیوں سے بادشاہ کو کسی محکوم قوم کی طرف سے بدگمان و گمراہ کرتے۔ اور نہ بادشاہ کی فطرت اس قسم کی بدگمانیوں کو قبول کرنے لئے تیار تھی۔

وہ خود عالم و شجاع اور بے تعصب و وسیع القلب بادشاہ تھا۔ اور اس کے سب درباری بھی اُس کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر درباری ارکان اچھے ہیں۔ عالم بے تعصب۔ کارکن۔ ملک کے خیر خواہ ہیں۔ اور اخلاق وحیوانوں کے سے نہیں بلکہ انسانوں کے سے رکھتے ہیں۔ تو بادشاہ اگر مٹی کا بنا ہو۔ تو بھی سلطنت مملکت کو کسی قسم کا ضعف نہیں پہنچ سکتا۔

رنجیت سنگھ اور اکبر کا ذکر:

ہمارے سامنے اکبر اور رنجیت سنگھ کی مثالیں موجود ہیں۔ وہ ہر چند ''مٹی کے مادہو'' نہیں تھے۔ اور دولت علم سے بالکل محروم تھے۔ لیکن یہ سب کو معلوم ہے۔ کے ان کے ارکان سلطنت اگر قابل زیرک اور ملک اور بادشاہ کے نام پر اپنی جان تک فدا کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ تو یہ دونوں بادشاہ کبھی لازوال شہرت حاصل نہ کر سکتے۔ ان کے درباروں میں ہندو اور مسلمان دونوں موجود تھے۔ اور گو اکبر کے ہاں بھی رنگ رلیوں کی کمی نہ تھی۔ اور رنجیت سنگھ تو کئی رانیوں کی موجودگی کے باوجود '' گل بیگم'' اور موران جیسی شاہدان بازاری کے ہاتھوں بک چکا تھا۔ اور قلعا کے اندر عورتوں کی ایک مسلح فوج بھی بطور باڈی گارڈ رکھتا تھا۔ لیکن اس پر دیکھو کہ اکبر۔ اکبر اعظم ہو کے مرا۔ اور رنجیت سنگھ پنجاب کے علاوہ افغانستان تک پہنچا۔ اس کی وجہ کیا تھی صرف یہی کہ اکبر کہ ارکان سلطنت اپنی قابلیتوں اور رائی ورعایا کی خیر خواہیوں کی وجہ سے نورتن اکبری بن کے چمکتے رہے۔ اور رنجیت سنگھ کے مصاحب و مشیر تلوار اور قلم کے دھنی ہونے کے علاوہ ہمیشہ ملک کی نیک نامی اور سلطنت کی تقویت کا باعث بنے رہے۔

خوش قسمتی سے بڈشاہ کو بھی قدرت نے اسی قسم کے مشیر و مصاحب دے رکھے

تھے۔بادشاہ چونکہ کثیر التعداد مسلمانوں کے علاوہ قلیل التعداد ہندوؤں کا بھی بادشاہ تھا۔اس لئے اس کے دربار میں ہندو مسلمان دونوں مذہبوں کے نمائندے موجود رہتے تھے۔جس طرح اکبری دربار کے ارکان سلطنت زینہ رتن کے نام سے موسوم کیے جا سکتے ہیں۔جن کی ایک مختصر سی فہرست ذیل میں درج ہے۔

ارکان بڈشاہی کی مختصر سی فہرست

نمبر شمار	نام	عہدہ
1	محمد خان	نائب السلطنت
2	شربٹ	افسر الاطباء
3	ہلمت رینہ	سپہ سالار
4	ملک احمد میتو	مدار المہام
5	ملک جلا الدین ٹھاکور	مشیر سلطنت
6	مادھو کول	قانون گو کامراج
7	خواجہ بدیع الزمان بانڈے [۲]	رئیس المملک
8	سید نصیر الدین خانیاری [۳]	سفیر
9	احمد رینہ	امیر الجیش
10	ملک مسعود ٹھاکور	وزیر
11	گنیش کول [۴]	قانونگو مراج
12	گوپال کول [۵]	صدر قانون گو قلمرو
13	میر علی بخاری	قاضی شہر
14	ملا کبیر	شیخ الاسلام
15	نتو گنائی	امیر الامراء
16	سید حسین قمی رضوی	فخر العلماء

17	سید محمد بیہقی	مصاحب
18	حسین چک	امیر الملک
19	ملا جمال الدین	قاضی القضاۃ
20	میر علی گنائی	مصاحب
21	سداشیو نایو	جوتشی و منجم
22	ملا پارسا	مصاحب و مدرس
23	سید ناصر الدین	مصاحب اعلیٰ

افسر الاطباء حکیم شری بٹ

سلطان کے نامی طبیبوں۔ ندیموں اور مقربوں میں شری بٹ کا بہت بڑا درجہ تھا۔ وہ طبابت میں منتخب روزگار تھا۔ اور سلطان اس پر انواع واقسام کی نوازشیں کیا کرتا تھا۔ حکیم شری بٹ ہی تھا۔ جس کی تحریک وسفارش سے بادشاہ نے حکم عام دے دیا کہ سلطان سکندر کے زمانہ سے جو لوگ جلاوطن ہو کر ممالک غیر میں چلے گئے ہیں۔ وہ وطن میں واپس آسکتے ہیں۔ اور جہاں جہاں ان کی جائداد ہے۔ وہ اس پر قابض ہو سکتے ہیں۔ اور جہاں جہاں ان کی معابد ہیں وہ ان میں عبادت کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی رعایتیں دیں۔ جن کا ذکر اپنے موقع پر ہو چکا ہے۔

یہی شری بٹ تھا جس نے اسی زمانہ میں جب کہ لوگ حب وطن اور قوم پرستی کے جذبات سے محروم اور ایثار وقربانی کے محسوسات سے بے بہرہ تھے۔ وہ کام کر دکھایا کہ اس کے قریباً دو سو سال کے بعد شاہجہاں کے زمانہ میں اس کی ایک مثال ملتی ہے۔ جس نے بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا بیگم کا کامیاب علاج کرنے کے بعد ایک انگریز انعام واکرام کے بدلے اپنی قوم کی تجارت پر سرکاری محصول کی معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ شری بٹ نے بھی بادشاہ کا کامیاب علاج کیا۔ اور جب بادشاہ نے اس کو انعام دینا چاہا تو اس نے ذاتی انعام کی بجائے اپنی تمام قوم کے لئے انعام کی درخواست کی۔ اور جزیہ کی معافی مانگی۔ چنانچہ

بادشاہ نے جزیہ تمام ہندوؤں پر سے معاف کر دیا۔

طبقات میں ایک اور جگہ شری بٹ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ بادشاہ کا وزیر بھی تھا۔ اور بہت قابل تھا۔ بادشاہ کو اس کی خاطر اس قدر منظور تھی۔ اور اس کی خدمات اور قابلیتوں نے اس کے دل پر ایسا اثر کر رکھا تھا کہ اس نے اپنے نامی طبیب اور قابل مشیر کی وفات پر زبانی افسوس ہی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس کے اہل وعیال کے لئے ایک کروڑ زر کشمیر جو اکبری سکہ کے مطابق چار سو اشرفی کے برابر ہے مقرر کیا۔ طبقات کے اصل الفاظ اس عطیہ کی تصدیق کے لئے۔ حسب ذیل ہیں۔

''شری بٹ کہ وزیر سلطان بود' چوں از عالم رفت سلطان ایک کروڑ زر کشمیر کہ چار صد اشرفی باشد بہ جہت اور بہ اطفال تصدیق نمود۔ ے

شری بٹ ایسا کامل طبیب ہوا۔ جن کو اکبری عہد کا نامور مؤرخ ''صاحب طبقات اکبری'' اس فن میں منتخب روزگار لکھتا ہے۔ اور پھر علم طب میں اس کی کوئی تصنیف کشمیر میں نہ مل سکی۔ تعجب ہے کہ ہمارے خیال میں اس نے ضرور اس فن پر کوئی کتاب بلکہ کئی کتابیں لکھی ہوں گی۔ جو آج ہماری بدقسمتی سے ناپید و معدوم ہیں۔

سید ناصر الدّین

سید ناصر الدین سلطان زین العابدین مقربان خاص میں تھے۔ سلطان اپنی مجلس میں ان کو (ان کے علم وفضل اور ان کے مشیر باتدبیر ہونے کی وجہ سے) ہمیشہ اپنے آپ پر سبقت وفوقیت دیتا تھا۔ ان کی پوتی یعنی سید حسن کی بیٹی حیات خاتون سے زین العابدین کے پوتے یعنی سید حسن شاہ نے شادی کی تھی۔ جس سے دو بیٹے محمد و حسین پیدا ہوئے۔ محمد محمد شاہ کے نام سے تخت کشمیر کا مالک بنا۔

سلطان حسن شاہ کے زمانہ تک سلطان ناصر زندہ رہے تھے۔ اور وہ چونکہ بڈشاہ جیسے جلیل القدر بادشاہ کی آنکھیں دیکھے ہوتے تھے۔ اور سلطنتوں کے بگڑنے اور بننے کے وجوہ و اسباب سے کماحقہ آگاہی رکھتے تھے۔ انہوں نے حسن شاہ کو اس کی بے اعتدالیوں سے منع کیا لیکن اس نے راہ راست اختیار کرنے کی بجائے آپ کی حریت وحق گوئی سے ناراض ہو

کر آپ کو کشمیر سے نکلوادیا۔

آپ سیدھے دہلی چلے گئے۔اور وہیں رہائش اختیار کرلی۔جب ان کے بعد باہمی خانہ جنگیوں سے کشمیر میں ابتری پھلنی شروع ہوئی۔تو حسن شاہ نے آپکو یاد کیا۔اور دہلی میں آپ کے لانے کو آدمی بھیجے۔آپ اس وقت ضعیف العمر تھے۔اور سفر کے ناقابل۔ لیکن ملک کی تباہی کی خبریں سن کر آنسو نکل آئے۔چنانچہ آپ کشمیر کو روانہ ہوگئے۔اور جب تمام مراحل طے کر کے درۂ پیر پنچال کی سر بفلک بلندی پر پہنچے۔تو طبعیت زیادہ کمزور ہوگئی اور وہیں ٹھہر گئے۔

حسرت پہ اس مسافر بے کس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

خیال یہ تھا کہ ع آگے چلیں گے دم لے کر

لیکن قدرت نے اس وقفہ قیام ہی کو دم واپسین بنارہی تھی۔چنانچہ آپ نے اسی عالم مہجوری میں جان آفرین کو سونپ دی۔ المؤلف

ہائے اے ولولہ خواہش اصلاح وطن
تجھ سا پُر حسرت دارمان نہ دیکھا نہ سنا

ملک مسعود جلال

تاریخ کشمیر میں ٹھاکور خاندان ے کا بڑا مرتبہ ہے۔ملک مسعود و ملک جلال اسی خاندان کے نونہال تھے۔بابا داؤد مشکواتی مصنف اسرار الابرار جو خود بھی اسی خاندان سے ہیں۔شیخ اور ٹھکور کے حالات میں اپنا خاندانی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ہم ضحاک بادشاہ کی نسل سے ہیں۔جب فریدوں ضحاک پر غالب آیا تو ضحاک کی اولاد کوہ غور مین چلی آئی۔اس خاندان میں سب سے پہلے شبیب نے مذہب اسلام قبول کیا۔جب غوریوں پر غزنی و دہلی میں زوال آیا۔تو حوادث روزگار کے باعث ان کا ایک نامور فرد حسن غوری ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ کشمیر میں چلا آیا۔شاہان کشمیر نے ان کی نجابت و شجاعت سے آگاہ ہو کر حسن غوری کو عمدۃ الملک کا خطاب دیا۔لیکن عوام میں وہ صرف ملک کے نام سے

مشہور رہے۔ چنانچہ ملک حسن ملک قاضی ٹھکور، ملک فیروز ٹھکور، ملک مسعود اور اس کا بیٹا ملک جلال سب اسی نام سے شہرت پزیر ہوئے۔ ملک مسعود بڈ شاہ کے عہد حکومت میں سپہ سالاری اور وزارت تک کے عہدوں پر رہا ہے۔ اس کے تدبر انتظام کی بڑی تعریف کی جاتی ہے۔ بڈ شاہ ہمیشہ اس مدبر جرنیل کا مداح رہا ہے۔ باوجود اس عہدہ اور ان سرکاری مصروفیتوں کے بابا اسماعیل زاہد کبروئی سے بیعت بھی تھی۔ اخیر عمر میں مجاہدہ و گوشہ عزلت سے زیادہ سروکار رہا۔ بڈ شاہ کی وفات کے 31 سال بعد 910ء میں وفات پائی۔ اپنے باغ میں جو فتح کدل کے قرب و جوار میں تھا۔ مدفون ہوئے۔ ملک جلال آپ کا نامور فرزند ملک سیف الدین وزیر سلطان سکندر بت شکن و علی شاہ برادر بڈ شاہ کا داماد تھا ملک سیف الدین کی لڑکی پچھمی خاتون اپنے علم و فضل اور اپنے نیک کاموں کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ اس کا نام نہر پچھمی کوہل کی وجہ سے اب کشمیر میں زندہ ہے۔ جس کے آثار آج سے چند سال پیشتر راقم الحروف نے بھی جامع مسجد سری نگر کے پاس دیکھے تھے۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ ازاسرارالاخیار۔

۲۔ مجموعہ شیوا مصنفہ غلام رسول کھو یہامی۔

۳۔ مجموعہ شیوا مصنفہ غلام رسول کھو یہامی۔

۴۔ مجموعہ شیوا مصنفہ غلام رسول کھو یہامی۔

۵۔ ازگلزار خلیل مصنفہ خواجہ حسن شعری۔

۶۔ طبقات اکبری۔

۷۔ ٹھاکور یا ٹھکور کی صحیح وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہوسکی۔ بابا داؤد مشکواتی جو اسی خاندان سے شاہجہاں کے زمانہ میں ایک عارف کامل بزرگ ہوئے ہیں لکھتے ہیں۔ ٹھکور ہم غوریوں کا نام ہندوستان ہی میں رکھا گیا تھا۔ جس کے معنی پیشوا کے ہیں مولوی سعادت مفتی گلشن کشمیر میں لکھتے ہیں۔ ٹھکور کے معنی پہلوان اور شہ زور کے ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں لکھتا کہ ٹھکور کیا ہے۔ کس زبان کا لفظ۔

سولھواں باب

عہد بڈشاہی کے مئورخ وشاعر

پنڈت زونراج:

دارالترجمئہ میں تاریخ نویسی کے عہدہ پر ممتاز اور بادشاہ کے معزز درباریوں میں تھا۔تاریخ نویسی میں اس کو ملک احمد علامہ کا ہم پلہ بتایا گیا ہے۔زونراج نے کلہن کے مابعد زمانہ سے لےکر سلطان زین العابدین کے وقت تک کے حالات بزبان سنسکرت نظم میں قلمبند کئے۔جس پر سلطان نے بذریعہ انعام واکرام اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔زونراج کی تاریخ کا نام اس کے اپنے اور بادشاہ (زین العابدین) کے نام پر زینہ ترنگنی مشہور ہے۔اور یہ تاریخ کم یاب ونایاب ہی نہیں۔بلکہ ناپید ہے۔سٹین صاحب نے اپنے ترجمہ اور نوٹوں میں زینہ گیر ترنگی کے حوالہ جات دئے ہیں۔اور زونراج کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔چنانچہ وہ لکھتا ہے۔زونراج نے اپنی زینہ ترنگی میں ہندوؤں کے آخری عہد سے لیکر سلطان زین العابدین کے زمانہ تک کے حالات پر خامہ فرسائی کی ہے۔

زونراج بڑا عالم وفاضل تھا۔اور کشمیر کے تاریخی حالات پر اسے کامل عبور تھا۔مگر ہندومئورخین کشمیر میں جو درجہ کلہن کو مل چکا ہے۔وہ کسی ہندو مصنف ومئورخ زونراج شرید ر۔شک۔پرجابھٹ غرض کسی کو نہیں مل سکا۔

بادشاہ کی وفات سے پندرہ سال پیشتر 1456ء میں کہ ابھی زینہ ترنگتی اختتام تک بھی نہیں پہنچی تھی۔زونراج ع

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

کے مطابق اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اس عالم فانی سے رخصت ہوگیا۔

بادشاہ کی زندگی میں صرف زونراج ہی نے سفر آخرت نہیں کیا۔بلکہ اس کی طویل

حکومت میں اس کے کئی مصاحب اور وزیر ومشیر بھی ایک ایک کر کے چل بسے۔ اور بالآخر اس کے حال پر استاد داغ کا یہ شعر صادق آنے لگا۔

ہوش وحواس وعقل وخرد جاچکے ہیں سب
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

سوم پنڈت

دار الترجمہ کے معزز وسربرآوردہ ارکان میں تھا۔ کشمیر کی تاریخوں کے علاوہ اس کا ذکر صاحب طبقات نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ سوم پنڈت سلطان کے دانشمند درباریوں میں تھا۔ وہ کشمیری زبان میں اعلیٰ شعر کہتا تھا۔ اور ہندی علوم (سنسکرت) کے علاوہ وہ فارسی عربی اور تبتی زبانوں میں بھی اسے بڑی مہارت تھی۔ اس نے زین چرت نام ایک کتاب بادشاہ کے نام پر لکھی تھی۔ جس میں اس عہد کے تمام واقعات بالتفصل درج کئے تھے۔ اسے علوم موسیقی میں بھی دخل تھا۔ اور اس علم میں مانک نام ایک کتاب اس نے لکھی تھی۔ ان وجوہات سے وہ ہمیشہ مورد الطاف شاہی رہا۔ عربی فارسی کی کئی کتابوں کو اس نے بادشاہ کے حکم سے ہندی زبانوں میں ترجمہ کیا۔ مہا بھارت کہ ہندوؤں کی مشہور ومقدس کتاب ہے۔ سب سے پہلے اسی نے فارسی میں ترجمہ کی۔ راج ترنگنی کو بھی اسی نامور عالم نے فارسی کا لباس پہنایا۔

زونراج کی زینہ ترنگنی کی طرح سوم پنڈت کی زینہ چرت بھی آج صفحہ دنیا سے محو معدوم ہے۔ کشمیر کی یہ علمی وتاریخی جواہرات خدا جانے کس کتب خانہ کی زینت ہیں۔ یا کسی سلطنت کے انقلاب کی نذر ہو چکے ہین۔ یا کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بن گئے ہیں۔ اگر یہ روشنی میں آجائیں تو دنیا کو معلوم ہو جائے کہ کشمیر کا یہ چھوٹا سا مگر خوبصورت ملک جو آج اپنی علمی واخلاقی اور سیاسی ومالی کم مائیگی کی وجہ سے دنیا کی نظروں میں حقیر سمجھا جا رہا ہے۔ ہمیشہ سے اسی طرح نہ تھا۔ اس میں علم بھی تھا اخلاق بھی۔ اس کی سیاحت کشمیر کی حدود سے باہر جا کر کہیں چین تبت اور اس کاشغر کے ساتھ ٹکراتی تھیں۔ اور کہیں شاہ دہلی کے ملک سے دو چار ہوتی تھیں۔ اس کی اقتصادیات کا یہ عالم تھا۔ کہ دور کے ملکوں سے لوگ اس کی مدد قدر

دانیاں اور فیاضیاں سن کر آتے تھے۔اور مالا مال ہوتے تھے۔لیکن آہ آج یہ سب باتیں ایک افسانہ سی معلوم ہوتی ہیں۔ ؎

ہم بھی کبھی بے سرو سامان تھے ہم بھی کسی وقت میں انسان تھے
ہم نے بھی کھایا ہے بہت شہد و شیر ہم نے بھی پہنا ہے سمور و حریر
لوگ تھے شاگرد ہم استاد تھے سارے زمانے کے ہنر یاد تھے

ملک الشعراء ملا احمد بڈ شاہی

ملا احمد کاشمیری بڈ شاہ کے دار الترجمہ ودار التصانیف کی روح رواں تھا۔ ملا احمد نے بادشاہ کے حکم سے رتنہ پورہ ن اور راج ترنگنی جیسی قدیم سنسکرت تاریخوں کو فارسی کا لباس پہنایا۔ اور نام اپنی تاریخ کا ''وقائع کشمیر رکھا۔

ملا احمد کی قوت استدلال۔ لطافت طبع اور قادری الکلامی کا تمام مؤرخین نے اعتراف کیا ہے۔ دربار شاہی کے علمی مباحثوں میں جو نامور ادباء وشعرا حصہ لیتے تھے۔ ملک الشعراء ملا احمد ان سب کا سرتاج تھا۔

ایک دن بزم آراستہ تھی۔ بادشاہ سلامت تخت پر جلوہ افروز تھے۔ ملا احمد بھی دستار کا شملہ پیشانی پر شاخوار لٹکا کر جھومتے جھامتے بلکہ ہانپتے کانپتے جب دربار میں آئے تو بادشاہ نے مسکرا کر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ۔

شاخ پیشانئے ملا احمد کشمیر بہ بین
گر نہ دیدستی تو در آفاق انسان شاخوار

بادشاہ مذاق صحیح وطبع سلیم رکھتا تھا۔ اس کے درباری مصاحب اور شعرا بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور ملا احمد تو ملک الشعراء ہی تھا۔ فوزا بول اٹھا ۔

شاخ پیشانی خدیوا گر گ وارے داشتم
تانیایم درمیان مادہ گاوان درشمار

جواب کی برجستگی ملک الشعراء ملا احمد کے ذہن وسا کا پتہ دے رہی ہے۔

تاریخی اوراق میں ملا احمد کے استاد کا نام ملاؔ محمد افضل بخاری ثم الکشمیر ی بتایا جاتا ہے۔ شاگرد نے اپنے استاد کی زندگی ہی میں ملک الشعرا کا خطاب اور بادشاہ کی مصاحبت وقربت کا اعزاز حاصل کرلیا تھا۔ لیکن اس منتہائے کمال پر بھی ملا احمد اپنے استاد کی خدمت گزاری اپنا فخر سمجھتا رہا۔

بقول شاعر ؎

احسان یہی ہے فخر میرا
شاگرد جلال لکھنوی ہوں

مناظر ومباحثہ وبدیہہ گوئی میں فرد کامل تھا۔ ''وقائع کشمیر'' کے علاوہ مہابھارت کا فارسی ترجمہ بھی اس کی یادگار ہے۔ مرنے کے بعد ملک پورہ یعنی مزار السلاطین میں جگہ پائی۔ حسد اور حاسدوں سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہا۔ مولانا احمد بھی اس سے نہ بچ سکے۔ جب دربار سے ملک الشعراء کا خطاب ملا۔ حاسد اور بھی جل گئے۔ آخر کہہ سن کر بادشاہ کو ملا احمد سے برافروختہ کرا دیا یہاں تک کہ ملا بے چارہ پھکلی (ہزارہ) چلا گیا۔ اور ایک ملت تک وہاں سرگردان رہا۔ آخر یہ رباعی لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھجوائی۔ ؎

نے بہ نجوم زمبتدا خبرے نے بہ منطق زجز ووکل اثرے
برمن این کسرو جرچرا دانند احمد از غرمنصرف خوا نند

سلطان اس رباعی کے ملاحظہ ومطالعہ سے بہت خوش ہوا۔ مولنا کو واپس بلایا۔ اور بیش از بیش انعام عطا فرمایا[1]

ایک دن ملا احمد[2] نوشہرہ میں سلطان کی خدمت میں حاضر تھا ایک فقیر ہاتھ میں کاسہ گدائی یعنی کچکول لئے آیا۔ اور نہایت بے باقی کے ساتھ اسے بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بادشاہ کو اس کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ طیش میں آ کے فرمایا۔ یہ کچکول تم کو کس نے دیا ہے؟ وہ تو خاموش ہو رہا۔ ملا احمد اٹھا اور فی البدیہہ بولا ؎

اے آنکہ ترا تاجوری دادسری داد
دردست گدار کوہ دریوزہ گری داد

اس شعر کا سننا تھا۔ کہ بادشاہ کا غصہ فروع ہو گیا۔ ملا احمد کے متفرق اشعار جو مختلف تاریخوں اور بیاضوں سے مل سکے ہیں۔ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

تاخبر دار شدم بے خبر خو یشتنم
نیستم نیستم اردر نظر خو یشتنم

شکوہ واقعہ بائے کہ از بر ماتست

مو ئے افتاد بلال وگہرا خو یشتنم
از کو ئے کہ شد موج خیالم کہ کزانجا
ہر کاوش دل گل بہ کعارہ است درین باغ
مر ہون رگ گل شدہ ہر نالہ بلبل
زانسان کہ صدادر صدمے قارہ است درین باغ

☆

ملا نادری

؎۳ معلوم ہوتا ہے۔ اصل وطن کشمیر نہیں تھا۔ البتہ بادشاہ کی منایات نے کشمیر کو وطن بنانے پر مجبور کر دیا۔ اور کمالات علمی بھی کشمیر سے باہر ہی حاصل کئے تھے۔ چنانچہ علامہ ہدایت ؎۴ اللہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ ''بعد تحصیل کمالات علمی در عنفوان جوانی بہ کشمیر رسید'' کمالات علمی حاصل کرنے کے بعد جوانی میں ہی کشمیر میں پہنچ گیا تھا۔

ملا نادر کی تاریخ کشمیر اور اس کی شاعری کا ذکر اکثر تاریخوں اور بیاضوں میں درج ہے۔ لیکن نہ اس کا دیوان کہیں ملتا ہے اور نہ اس کی تاریخ کا کوئی پتہ چلتا ہے۔ آج سے دو سو سال پہلے کا مصنف علامہ مولوی ہدایت اللہ جو 1175ھ سے 1206ھ تک عہد شیخ الاسلامی پر رہا ہے۔ مصاحبین بڈشاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ملا نادری کے حالات میں لکھتا ہے۔ ''طبع موزون داشت اشعار آبدار رمے گفت تاریخ کشمیر از وے یادگار ست'' موزون طبیعت رکھتا تھا' موتی جیسے شعر کہتا تھا' تاریخ کشمیر اسکی یادگار ہے۔ لیکن وہ تاریخ ہے کہاں اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ '' مگر بہ نظر وقائع نگار نہ رسید'' صاحب تاریخ حسن بھی ملا نادری کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' اسمش معلوم و جسمش معدوم۔

صرف آپ کا ایک ہی شعر ملا ہے۔ وہی درج ہے۔

برقعہ نوراست بر رخسار آتش ناک تو؎۵
یاز تاب عارضت آتش فتادہ درنقاب

برقعہ کا لفظ ظاہرہ کرتا ہے۔ کہ زمانہ بڈشاہی میں بھی اس کا رواج تھا۔

ملا محمد شاعر

طبقات اکبری بڈ شاہ کے حالات میں ایک شاعر سلطان محمود[6] کا ذکر کرتے ہیں۔اور لکھتے ہیں۔وہ اہل علم ہونے کے علاوہ نہایت زیرک و دانا تھا۔ہر قسم کے بحر و قافیہ میں بدیہہ اشعار کہتا تھا۔اور جب کبھی مشکل علمی سوال اس سے کیا جاتا۔وہ اسی وقت بے تامل اس کا حل کر دیتا تھا۔

افسوس ہے صاحب طبقات نے اس کا کوئی شعر اور اس کی بدیہہ گوئی کا کوئی واقعہ درج نہیں کیا۔

بادشاہ کی شاعری

زین العابدین کے نام سے کشمیر میں ایک مناجات بزبان عربی پڑھی جاتی ہے۔اور کہا جاتا ہے۔کہ یہ بڈشاہ کی تصنیف سے ہے۔لیکن اس پر وثوق واعتبار کسی تاریخی دان کو نہیں ہے۔

فارسی میں اس کا ایک مصدقہ شعر ملک الشعراء ملا احمد کے حالات میں لکھا جاچکا ہے۔دوسرا شعر بیاض نامی (غیر مطبوعہ) میں نظر سے گذرا ہے۔جس کو بڈشاہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔اور جو حسب ذیل ہے؎

جہاں نتوان ستر دن نقش عشق سر شکن ہر گز
حکایت باز بان تیشہ فرہاد مے گردد

سو سال کے بعد حضرت یعقوب صوفی کاشمیری (اکبر کے زمانے میں) اس کی تضمین اس طرح کرتے ہیں؎

نگر ددکم نوائے بلبل ازشور زغن ہر گز
نہ ساز محو ہنگام خزان حرف چمن ہر گز
غم دنیانہ ساز و تلخ فکر عیش من ہر گز
جہاں نتوان ستر دن نقش عیش سرشکن ہر گز
حکایت باز بان تیشئہ فر ہادے گر دد

کشمیر میں اکثر شعرا کے تذکرے بھی ہیں۔اور بیاضیں بھی۔میں نے کبھی کئی ایک بیاضیں دیکھیں۔مگر افسوس ہے۔دور بڈشاہی کے شعرا کے اشعار وحالات حسب خواہش نہ مل سکے۔اس لئے جو کچھ دستیاب ہو چکا ہے۔وسطور متذکرۃ الصدر میں حاضر کر دیا گیا ہے۔

قاضی حمید

حمید الدّین نام تھا۔ان کے بزرگ قضا کے عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔اس لئے قاضی کہلاتے تھے۔ان کا ذکر کسی جگہ تفصیل سے نظر نہیں آیا۔تاریخ حسن (غیر مطبوعہ) میں صرف ایک سطر درج ہے۔"قاضی حمید در زبان بڈشاہ تاریخ تصنیف کردہ است۔نقل آں نایاب"آج قاضی حمید دنیا میں نہیں ہے۔بلکہ اس کی کتاب بھی نایاب ہے۔لیکن صاحب کتاب یعنی مؤرخ ہونے کی حیثیت سے تاریخوں میں اس کا نام آج بھی زندہ ہے۔سچ ہے ؎

رہتا ہے ذوق نامِ سخن سے ابد تک
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

حوالہ جات

۱۔ از مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف
۲۔ از بیاض خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی سرینگر
۳۔ از بیاض خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی سرینگر
۴۔ بعہد نور الدین خان و جمہ خان الکوزئی ناظمان کشمیر میں نہایت نامور عالم گزرے ہیں۔
۵۔ از بیاض محی الدین کاشمیری نوشتہ 1224ھ قلمی مملوکہ پیر شمس الدین صاحب پاندانی سرینگر۔
۶۔ طبقات اکبری کے علاوہ دوسری تمام تاریخوں میں محمود کی بجائے محمد نام درج ہے۔

سترھواں باب

عہد بڈشاہی کے علمآءومشائخ

علمآءمشائخ کی کثرت:

یہ صحیح ہے کہ بڈشاہ نے ترویج اسلام وتائید سنت نبوی کے لئے وہ لائحہ عمل اختیار نہیں کیا جو سلطان سکندر اوراس کے وزیر ملک سیف الدین کے پیش نظر رہا۔اور بعض مئورخین نے دبے الفاظ میں اس کی شکایت بھی کی ہے۔جیسا کہ صاحب تاریخ حسن (صفحہ 50 پر) لکھتے ہیں۔'' درترویج اسلام وسنت نبویؐ بہ مرتبہ پدرتوفیق نہ یافت سنت نبوی اوراسلام کے پھیلاؤ کے لئے باپ کے مرتبہ کونہیں پہنچا تھا۔لیکن اس میں بھی کلام نہیں۔کہ سکندر،اورسیف الدین نے ترویج اسلام کے لئے جوکچھ کیا ہے۔اگروہ صحیح ہےتو اسلام نے اورسنت اسلام نے جواسلام ہی کادوسرانام ہے۔ہرگز اس قسم کی تعلیم نہیں دی۔

باوجود'' بہ مرتبہ پدرتوفیق نہ یافت'' کے بڈشاہ کے عہد میں کشمیر شریعت اسلامیہ کی پابندی کے لئے خاص طورپر مشہور رہا ہے۔علماء مشائخ اورفضلاءفصحاء کی اس نے وہ قدردانی کی ہے۔کہ اس نے کشمیر کوعلمستان اوراسلامستان بنارکھا تھا۔جس قدرعلماءومشائخ اس عہد میں کثرت وشدت سے تاریخوں میں نظرآتے ہیں۔اس سے قبل اوراس کے بعد کے بادشاہ کشمیر کے عہد میں دکھائی نہیں دیتے۔بلکہ کئی ایسے بھی ہوں گے جن کانام بھی تاریخوں میں نہ آسکا ہوگا

نہ دانم زآغاز وانجام شاں

مرابر زبان بس بود نام شاں

بڈشاہی عہد کے تمام علماء ومشائخ کے حالات کے لئے ایک علیحدہ دفتر کی ضرورت ہے۔اس لئے چند نام یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(1) ملا محمد باقر رومی
(2) سید برخوردار
(3) ملا احمد رومی
(4) سید محمد شیبانی
(5) سید محمد رشید
(6) سید محمد لورستانی (ایران)
(7) حافظ فتح اللہ خوشخوان
(8) مولانا محمد مروی
(9) مولانا نورالدین
(10) سید حسین رومی
(11) شیخ سلطان کبروی پکلی
(12) شیخ شمس الدین زینہ پوری
(13) حضرت سید حبیب کاسانی
(14) سید بلال
(15) میر سید حبیب اللہ سرخابی
(16) سید شہاب الدین
(17) سید حضور اللہ
(18) حضرت بابا بام الدین
(19) بابا نصر الدین
(20) بابا لطیف الدین
(21) بابا قیام الدین
(22) سید حسین ورد
(23) شیخ الاسلام مولانا کبیر
(24) ملا جمال الدین
(25) حافظ بغدادی
(26) علامہ سید شمس الدین اندرابی
(27) سید حسین قمی رضوی
(28) بابا حاجی ادہم
(29) سید محمد مدنی
(30) سید محمد عالی بلخی
(31) میر سید حسن
(32) میر سید حسین منطقی
(33) سید جان بازولی
(34) بابا زین الدین
(35) بابا عثمان گنائی
(36) شیخ بہاؤ الدین گنج بخش
(37) شیخ نورالدین ولی رشی
(38) میر سید محمد امین اویسی

یہ سب بزرگ آسمان تصوف وعلم کے درخشندہ ستارے تھے۔ان میں سے کئی ایک کی خدمت میں بادشاہ خود حاضر ہوتا رہا کئی ایسے تھے جن کیلئے بادشاہ نے خانقاہیں اور درسگاہیں تعمیر کرادیں۔اور وظائف اور جاگیریں تو قریباً سب کے لئے مقرر تھیں۔یہی وہ عالی پایہ صالحین تھے۔جن کے وجود مبارک کو بادشاہ ہمیشہ نزول رحمت وبرکت کا باعث تصور کرتا رہا۔

یہی وہ صاحبان ولایت تھے

ذات سے جن کی زمین و آسمان کا ناز تھا
جن کے سنگ آستان پر لوگ گھسے تھے جبین

ان میں سے نمبر 23 سے لے کر نمبر 39 تک کے مختصر سے حالات قلمبند کئے جاتے ہیں۔ جو بڈشاہ کی اس عقیدت وارادت پر بھی بالوضاحت روشنی ڈالتے ہیں۔ جو اس کے متبرک گروہ سے تھی۔

شیخ الاسلام مولانا کبیر:

کشمیری الاصل تھے۔ عنفوانِ جوانی ہی میں کہ سلطان سکندر کا زمانہ تھا۔ ہرات چلے گئے۔ فقہ وحدیث اور تفسیر کے حصول میں وہ سعی کی کہ ان کا نام شہرت وعزت کے پر لگا کر اڑتا تھا۔ اور تمام عالم اسلام سے ان کو روشناس کراتا تھا۔

بڈشاہ جب بادشاہ ہوا تو بڑی منتوں اور آرزوں سے ان کو بلوایا۔ محلّہ نوشہرہ میں شاہی محلات کے قریب انکو جو جگہ دی۔ منصب شیخ الاسلام کہ اس سے پہلے اس ملک میں اس عہدہ کا دستور ورواج نہ تھا۔ عطا کیا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد ان کی مزید وابستگی ودلدہی کے لئے اعلیٰ پیمانہ پر ایک بادشاہی مدرسہ راجدھانی میں قائم کیا۔ جس کا افسر اعلیٰ مولانا کبیر کو ہی مقرر کیا۔ مولانا کا مقبرہ محلّہ نوشہرہ ہی میں ہے۔

قاضی القضاۃ ملا جمال الدین:

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے۔ ان کا وطن ہندوستان تھا۔ جب کشمیر آئے تو خانقاہ امیریہ (شاہ ہمدان) میں رہائش اختیار کی۔ اوراد وظائف کے بڑے پابند اور بڑے عالم و فاضل اور جیّد اہل قلم تھے۔ مگر عوام سے ہمیشہ اپنے علم کو پوشیدہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن عشق مشق کا چھپانا بڑا مشکل ہے۔ بلکہ ان کے لئے ''نتوان نہفتن'' استادوں نے کہا ہے۔ چنانچہ آپ نے کسب حلال کے لئے عرائض نویسی کا کام شروع کیا۔ آپ اہل مقدمات کی طرف

سے بادشاہ کے دربار میں عرضیاں لکھا کرتے۔اور جولوگ کسی حاکم کے خلاف کوئی شکایت لکھواتے۔تو اس کے تدارک یا اصلاح کے لئے بھی آپ اہل شکایت کو عرضیاں لکھ کے دیا کرتے۔بادشاہ ان عرضداشتوں کے مضامین پڑھ کر بڑا متاثر ہوتا۔اور عرائض نویسی کے تجر علمی کا قائل ہوجاتا۔

بادشاہ نے کئی دفعہ چاہا کے عرائض نویس کو اپنی دربار میں بلوا کر اُس کے کمال فصاحت سے اور بھی زیادہ بہرہ اندوز ہو لیکن کوئی نہ کوئی امر مانع ہوتا رہا۔آخر جب آپ نے ایک منظوم درخواست بادشاہ کی خدمت میں بھجوائی۔جس میں سلطان سکندر کی وفات پر بھی قطرات اشک بہائے گئے تھے۔اور جس کا ایک شعر ہے۔

شہ کے بود مرادش بجائے مسکینا
بجان و دل طلبد دعائے مسکینا

تو بادشاہ کو زیادہ انتظار کی تاب نہ رہی۔اپنے ایک درباری کو آپ کے بلانے کے لئے بھیجا۔جب آپ بادشاہ کے حضور میں گئے۔تو وہ قدر دانی اور مردم شناسی کا پتلا ایک گوشہ نشین درویش کے ساتھ جو ایک خانقاہ پر رہبانیت کی سی زندگی بسر کر رہا تھا۔ادب و احترام کے ساتھ پیش آیا اُٹھ کر تعظیم کی۔[1] اور اپنے پہلو میں بٹھایا[2] آپ نے بادشاہ کی خدمت میں ایک تصنیف ہدیہ پیش کی۔بادشاہ اس کے مطالعہ سے بے حد مسرور ہوا۔اور آپ کی اعلیٰ قابلیت نے اس کو مسحور کر لیا۔

عرائض نویسی میں جو دلائل و براہین آپ لکھا کرتے تھے۔بادشاہ ان کو نہایت پسند کرتا تھا۔اور خیال کرتا تھا۔کہ اگر ایسا شخص جو انشاء پردازی کے ساتھ دماغ بھی مقنن رکھتا ہے۔امیری قلمرو کی عدالت اعلی کا جج ہو جائے۔تو انصاف اس سے بڑا نیک نام ہو سکتا ہے۔چنانچہ بادشاہ نے عہد قاضی القضاۃ ان کے سپرد کیا۔جو اس زمانہ کی چیف ججی کے برابر ہے۔قاضی جمال علوم دینیہ و دنیویہ سے آراستہ تھے۔اور احکام کے فیصلے بلا کسی لحاظ و مروت کے بلا رورعایت دیانت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔بادشاہ ان کے فیصلے سے خوش ہو کرنہ ہمیشہ ان پر نوزشوں اور شاہی عنایتوں کا اظہار کرتا رہا۔

حافظ بغدادی:

اصل وطن جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ بغداد تھا۔ سلطان کی شہرت کو سن کر وطن کو ترک کیا۔ اور ہزار ہا کوس کا فاصلہ طے کر کے کشمیر پہنچے۔ بادشاہ نے جو نہایت جوہر شناس اور مسافر نواز تھا۔ مصاحبوں میں داخل کر کے اس کی قدر دانی فرمائی۔ حافظ بغدادی سے بیشتر لوگوں کو علم و عمل کا فیض حاصل ہوا آپ کبھی کبھی جامع مسجد میں وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔

میر علی بخاری:

بخارا کے رہنے والے تھے۔ جب کشمیر میں آئے۔ اور بادشاہ تک آپ کے علم و فضل کی خبر پہنچی۔ منصب قضا عطا فرمایا۔ اور عنایت خسروانہ کے دروازے کھول کر عطائے جاگیر کے ذریعہ مالا مال کر دیا۔

علامہ سید شمس الدین اندرابی:

کشمیر میں خاندان سادات اندرابیہ [3] کا وجود امیر کبیر مبلغ اسلام سید علی ہمدانی کے زمانہ ہی سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر کی مراجعت کے بعد سید احمد اندرابی نے جو حضرت امیر کے ہمشیرہ زاد بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ کشمیر ہی میں ملاقات اختیار کر لی۔

سلطان سکندر نے محلات شاہی کے قریب آپ کے لئے ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرادی۔ جو اس وقت سری نگر کے محلہ ملارٹہ [4] میں خانقاہ اندرابیہ کے نام سے مشہور ہے۔ لنگر کے مصارف کے لئے چند مواضعات جن میں موضع۔ ویڈر، چیرہ ہار اور اچھن وغیرہ بھی شامل تھے۔ بطور جاگیر عطا کئے۔ 804ھ میں آپ نے وفات پائی۔ اور سلطان سکندر نے مزار السلاطین کی صف اوّل میں آپ کو جگہ دی۔

کشمیر کا مشہور مؤرخ شائق اپنی تاریخ میں آپ کے متعلق لکھتا ہے۔

حسینی نسب سید احمد بنام
کہ بودہ است از اولیائے کرام

زیاران میر کبیر است او
بہ زہد و ورع بے نظیر است او

سید شمس الدین اندرابی آپ سے تیسری ۵ پشت میں ہیں۔آپ نے اپنے والد ماجد سید ابراہیم اندرابی سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کر کے فقہ حدیث اور تفسیر میں امتیازی شہرت حاصل کی۔ بیان کیا جاتا ہے۔کہ بیس سال ہی کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل سے آپ فارغ ہو گئے تھے۔

آپ نے سلسلہ درس وتدریس جاری کر کے اپنی خاندانی روایات کو از سر نو زندہ کیا۔ساتھ ہی ساتھ تزکیہ نفس کرتے ہوئے مدارج سلوک مقامات عرفان بھی طے کرتے رہے۔اور آخر آپ نے اپنے علم وعمل سے ثابت کر دیا کہ ع

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق

آپ جیسے صاحبان علوم باطنیہ کے لئے ہی موزن ہے۔ یہ فاضل ترین ہستی بڈ شاہ کی نگاہوں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ چنانچہ اس جوہری نے اس نگینہ کی قدر وقیمت سے آگاہی حاصل کر کے اس کو چار چاند لگا دئے۔ بلکہ آپ کی شادی بھی منطق سیدوں کے خاندان میں ہوئی۔جن کے ایک لڑکے محمد امین اویسی کو بڈشاہ نے اپنے لے پالک بنا رکھا تھا۔شاہی خاندان میں منسلک ہونے کی وجہ سے ان کا ظاہری اقتدار بھی شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ رہا۔بادشاہ نے بھی اپنے الطاف وکرم اظہار سے ہمیشہ اپنی عقیدت کا خلوص دیا۔سلطان سکندر کی بنا کردہ خانقاہ کے باوجود اسی خانقاہ کے متصل ایک عالیشان مسجدؒ ہے حمام ان کے لئےتعمیر کرائی ایک پختہ کنواں بھی کھدوادیا۔لنگر کا انتظام بھی کیا جس سے آپ کے طالبان علوم ومعارف کو دووقت کا کھانا ملتا تھا۔

سکندر بڈ شاہ کی دونوں عمارتیں اب تک موجود ہیں۔پہلی عمارت کو گرمیوں میں اور دوسری کی بنائی ہوئی مسجد کو سردیوں میں نماز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بڈ شاہی عمارت کے اختتام کی تاریخ ''عبادت گاہ نکوکاران'' کے فقرہ سے نکلتی ہے۔اور اگر یہ صحیح ہے ۔تو سمجھنا چاہیے۔کہ بڈ شاہ نے یہ مسجد 850ھ میں تعمیر کرائی تھی۔

اس قدر ساز وسامان کے باوجود بھی سید شمس الدین پر زہد درویشی کا رنگ غالب..

رہا۔آخر عمر میں کوہ ماران (ہرن پربت) کے جنوب میں عزلت وتنہائی کے ساتھ عبادت کر نے کے لئے آپ نے ایک عبادت گاہ بنوائی۔یہیں آپ نے ۱۷رجب 932ھ کو انتقال کیا۔اور یہیں آپ دفن کئے گئے۔۶

سید محمد میرک اندرابی آپ ہی کے اکلوتے فرزند تھے۔جن کی بدولت سے کشمیر کا مشہور خاندان سادات اندرابیہ اس کسمپرسی کے زمانہ میں بھی اپنے علمی وروایتی وقار کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔آپ کی ذریات میں سے سید محمد عنایت اللہ شہید نے 1159ء میں بعہد افاغنہ شہادت کا درجہ حاصل کیا۔سید ابراہیم شہید کے دوسرے فرزند تھے۔جو باپ کے واقعہ شہادت کے بعد کانٹھ پورہ علاقہ لولاب (شمالی کشمیر) میں چلے گئے۔چنانچہ آپ کی اولاد اب تک وہاں موجود ہے۔سید کمال الدین سید شہید کے تیسرے بیٹے تھے۔جن کے پانچ فرزندوں میں علامہ سید سعید اندرابی استاذ العلماء کا درجہ رکھتے تھے۔علامہ سید کے بڑے فرزند سید جلال الدین نے عالم سفر میں بمقام پشاور انتقال فرمایا۔اس زمانہ کے نوجوان عالم دین اور فخر کشمیر سید مولانا میرک شاہ صاحب اندرابی مولوی فاضل سید جلال الدین کے بڑے بیٹے سید عبدالاحد کے پوتے ہیں۔مولانا میرک کا نام ملکانہ راجپوتوں کی تبلیغ اور سرینگر کی انجمن حفاظت اسلام کے سرپرست اور دارالعلوم دیوبند کا ایک قابل وممتاز علی فرزند اور معین الاسلام سوپورے کے دارالعلوم کا صدر اور تبلیغ کالج کرنال کا ایک معزز رکن ہونے کی وجہ سے آج تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔آپ کا نامور خاندان علوم ظاہریہ اور معارف کے مراتب عالیہ کے اعتبار سے جو قابل رشک شہرت رکھتا ہے۔اس کے لحاظ سے خاندان سادات اندرابیہ کے حالات کے لئے ایک مستقل تذکرہ کی ضرورت ہے۔اور اگر زمانہ نے مہلت دی۔تو انشاءاللہ یہ تذکرہ بھی کبھی عالم وجود میں آجائے گا۔اس خاندان کے افراد ملارٹہ اور کھنڈہ پورہ کے علاوہ کشمیر کے دیگر مقامات میں چوڑھل رسنی پورہ اور پنجاب میں بھی پائے جاتے ہیں۔

سید حسین قمی رضویؒ:

آپ بڈشاہ کے عہد میں اپنے وطن قم (ایران) سے تشریف لائے بادشاہ کو جوہر

دم شناسی میں فرد یگانہ ہونے کی وجہ سے قیافہ دیکھ کر اندورنی کیفیت پرکھ لیتا۔ اور لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ لیتا تھا۔ جب آپ کے بے مثال علم وفضل، زہد واتقا، عظمت وفضیلت اور کشف وکرامت کا علم ہوا۔ تو زینہ گیر کی آبادی وبرکت کے لئے باغ زینہ گیر ہی میں آپ کی اقامت کا انتظام کیا۔

سید صاحب بھی ایسے ملک (ایران) سے آئے تھے۔ جس کو کوہ ساروں۔ مرغزاروں اور چشمہ ساروں کے مناظر نے بہشت ارضی بنا رکھا تھا۔ یہاں آ کے بھی یہی کیفیت دیکھی۔ خصوصاً قرب ولر [8] کو آپ نے بہت پسند کیا بادشاہ نے بھی آپ کی سیرو تفریح کے لئے چاکواری (ہوس بوٹ) پرندہ اور شکار بنوادیئے۔

کشمیر میں سادات تو پہلے سے ہی موجود تھے۔ اور بڈ شاہ کے زمانہ میں بھی آئے ۔لیکن کشمیر میں خاندان سادات رضویہ کا سلسلہ آپ ہی سے چلا ہے۔ جو امام علی الرضا کی طرف سے منسوب ہوا۔ جن کا روضہ مشہد مقدس میں زیارت خاص وعام ہے۔

آپ کے فرزند کلاں کا نام حاجی محمد سید ہے۔ جن کا روضہ احمد پورہ ماگام (بارہ مولہ) میں واقع ہے۔ جس کے ساتھ ایک مسجد اور ایک امام بارہ بھی ہے۔ آپ کی اولاد [9] زیادہ تر اسی موضع میں آباد ہے۔ یہ سب لوگ سادات احمد پورہ [10] کہلاتے ہیں۔

علامہ سید حسین قمی علیہ الرحمتہ کے دوسرے فرزند کا نام آغا سید احمد [11] تھا۔ جن کی اولاد مرشد آباد۔ عظیم آباد۔ پٹنہ۔ لاہور۔ اور دیگر مقامات کے علاوہ عراق میں بھی پائے جاتے ہیں۔ آپ کے خاندان کے کئی افراد کربلا معلےٰ میں تحصیل علوم کے لئے گئے۔ جنہوں نے وہیں سکونت اختیار کرلی۔ ان میں آغا زسید حسین کاشمیری مجتہد عراق کے نام سے مشہور ہے۔

غرض بڈ شاہ ابھی زندہ ہی تھا۔ کہ سید صاحب ۷ شعبان ۸۷۱ھ کو انتقال فرما گئے ۔اور زینہ گیر ہی میں جہاں آپ کے نام پر موضوع سید پورہ آباد ہو گیا تھا۔ آپ دفن کئے گئے۔ آپ کے مزار مبارک کے حالات زینہ گیر کے بیان میں لکھے جاچکے ہیں۔

بڈ شاہ اور سید صاحب علیہ الرحمتہ کے تعلقات کے سلسلہ میں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ بڈ شاہ سنی المذہب تھا۔ اور سید صاحب شیعہ تھے۔ لیکن بڈ شاہ نے کبھی اس بات کا

خیال نہ کیا۔ کہ میں ایک شیعہ بزرگ کی کیوں عزت افزائی اور ارادتمندی کر رہا ہوں۔ سید صاحب نے بھی کبھی اس بات کو وقعت نہ دی۔ کہ وہ شیعہ مذہب کے بزرگ ہو کر ایک سنی بادشاہ کے پاس کیوں پناہ گزین ہیں۔ اور اگر ان کے بعد بھی عالمان دین اور احکام دنیوی انہی خیالات وجذبات کے مالک ہوتے۔ ان کے دل بھی فرقہ بندیوں کے جھگڑوں اور باہمی تکفیر ونفرت سے ایسے ہی آزردہ ہوتے۔ تو نہ کبھی سنی بلخ بدنام ہوتا اور نہ شیعہ کشمیر مورد طعن سمجھا جاتا۔

بابا حاجی ادھم:

سلطان ابراہیم ادہم کے خاندان سے منسوب ہونے کی وجہ سے ادھمی کہلاتے ہیں۔ جامع علوم ظاہر وباطن تھے۔ ترک وطن کے بعد پہلے حج کیا۔ پھر کشمیر آئے۔ شیخ بہاؤ الدین گنج بخش اور شیخ نورالدین ولی کے صحبت داروں میں تھے۔ مقام میرواری میں جس کو شاعرواری بھی کہتے ہیں۔ اور جو میر اویسی کے باغ کا نام ہے۔ اور فی الحال حدود داور قلعہ (اکبر) سے باہر ہے۔ مدفون ہیں۔ میر سید حسن منطقی میر سید محمد اور مولانا حسام الدین غزنوی اور بڑے بڑے صوفیا بزرگ اہل اللہ حضرت باب کے صحبت یافتہ اور مرید تھے۔

حضرت سیّد محمدؔ مدنی:

میر سید محمد ہمدانی کے رفقاء بلکہ نسبت داروں میں تھے۔ امیر تیمور نے ان کو سلطان سکندر کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا تھا۔ خطۂ کشمیر آپ کو ایسا پسند آیا۔ کہ یہیں اقامت اختیار کرلی۔ لیکن تیموری وسکندری عہد وپیمان کی تکمیل کے لئے آپ کو ماورآءالنہر جانا پڑا۔ جہاں آپ کے عیال تھے۔ جب آپ واپس آئے۔ تو اہل وعیال کو بھی ہمراہ لیتے آئے۔ محلّہ رانیواری (حال رینہ واری) میں مسکن گزین ہوئے۔ سکندر اکثر مرتبہ خود ان سے ملاقات کرنے کے لئے رانیواری میں آیا کرتا تھا۔ جب بڈ شاہ بادشاہ ہوا تو اس نے اپنے جدید دارالخلافہ راجدھانی نوشہرہ کو رونق دینے کے لئے آپ سے التماس کی۔ چنانچہ آپ نوشہرہ میں آگئے۔ عہد شاہجہان کے گورنر نواب علی مردان خان کے زمانہ تک آپ کا مقبرہ زیارت گاہ خاص وعام تھا۔

سید محمد عالی بلخی:

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آپ بلخ کے[1] کے بادشاہ تھے۔ دو سال کی حکومت کے بعد ابھی شباب ہی کا عالم تھا۔ تخت و تاج کو لات مار کی خدا کی یاد اختیار کی۔ اشارہ غیبی سے کشمیر میں آئے وہ زمانہ سلطان سکندر بت شکن کا تھا۔ شیخ العالم شیخ نورالدین ولی نے مقام روپہ ون سے بابا نصرالدین کو استقبال کے لئے بھیجا۔ سلطان زین العابدین بھی آپ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ پرگنہ ناگام آپ کے اخراجات کے لئے وقف تھا۔

میر سید حسن و میر سید حسین منطقی:

اصل وطن شہر بیہق ملک خراسان تھا۔ چونکہ علم منطق میں کمال رکھتے تھے۔ اس لئے منطقی کے نام سے مشہور ہیں۔ سید حسن باپ کا اور سید حسین [3] بیٹے کا نام ہے۔

باپ بیٹا دونوں کشمیر آئے۔ لیکن سید حسن کچھ عرصہ کے بعد واپس چلے گئے۔ بادشاہ کو ان کے کمال علم کی وجہ سے ان کی جدائی شاق گزری۔ ان کے بیٹے میر سید حسین کو زادراہ دے کر ایک کافی جمعیت کے ساتھ بیہق روانہ کیا۔ کہ ان کو واپس لائیں۔ چنانچہ ان کے واپس آنے پر بادشاہ نے ان کا استقبال کیا۔ اور بڑی عزت افزائی کی۔

داتی پورہ اس زمانہ میں بادشاہ کی توجہ سے روز بہ روز رونق حاصل کر رہا تھا۔ اور بادشاہ نے اپنا باغ بھی وہاں تعمیر کرایا تھا۔ اس میں میر سید حسن کو رہنے کی جگہ دی۔ آپ کا مزار بھی داتی پورہ میں ہے۔

بادشاہ نے ایک دن میر سید حسن منطقی سے تبرک مانگا۔ آپ نے دوسرے دن کا وعدہ کیا۔ اور حسب وعدہ جب دوسرے دن کوئی چیز زیر آستین چھپائے ہوئے سلطان کے پاس آئے تو فرمایا تمہارے لئے تبرک لایا ہوں۔ بادشاہ نے ہاتھ بڑھایا۔ تو آپ نے نوزائیدہ بچہ نکال کر اس کے حوالہ کیا۔ اور کہا میں تم کو اپنا لخت جگر بطور تبرک بخشتا ہوں۔ اس کا نام محمد امین رکھا۔ بادشاہ اس عجیب تبرک سے خوش بھی ہوا۔ اور حیران بھی۔ لیکن آگے چل کہ اس نوزائیدہ بچے نے پالیٹکس (یعنی سیاست) کے بجائے دنیائے تصوف و سلوک میں وہ نام پیدا کیا۔ کہ آپ کے مناقب و فضائل میں کئی کتابیں لکھی گئیں۔ اور آپ کے مزار کی

ئض الانوار کے متعلق کہا گیا

گلشن نوراست یا رب یا ہمہ بیت السرور
یا چو بیت اللہ بہر طائفان دارالامان

سیّد جان باز ولی:

خضر راہ اہل نیاز حضرت سید جانباز کا اصل نام تو محمد وطن اصفہان اور طریقہ رفاعیہ تھا۔ حضرتِ سید جلال الدین بخاری کے مرید اور علوم ظاہری و باطنی میں صاحب کمال تھے۔ سلطان زین العابدین کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ پہلے سید رفاعی کے نام سے مشہور رہے۔ پھر ریاضت کاملہ کی وجہ سے سید جانباز مشہور ہو گئے۔

بادشاہ کے اصرار سے دارالخلافہ (نوشہرہ) کو اپنا وطن بنایا۔ لیکن جب لوگوں کی کثرت عبادت وریاضت اور آزادی میں حارج ہونے لگی۔ تو بادشاہ کو مجبور کر کے اپنی قیام گاہ بدل لی۔ اور بارہ مولا میں آرہے۔ بادشاہ آپ کے ساتھ کشتی میں سوپور تک آیا۔ بلکہ جزیرہ زینہ لنک کی تعمیر کے لئے حضرت سے دعا کرائی۔

آپ کا قیام عین دامن کوہ میں دریائے کے کنارے پر اس جگہ تھا۔ جہاں آج موضع خانپورہ آباد ہے۔ بادشاہ نے حضرت کے خدام اور لنگر کے اخراجات کے لئے تین گاؤں [14] جاگیر میں دئے۔ اور ایک وسیع چراگاہ ان کے خدام کے گھوڑوں کے لئے عطا فرمائی۔ اسی چراگاہ کے مقام پر آج جانباز پورہ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہے۔

22۔ ربیع الثانی 842ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ خانپورہ میں آپ کا مزار مبارک مرجع خاص وعام ہے۔ [15]

جو جاگیر خاندان شہیری چکوں کی حکومت مغلوں کے دور اور افغانوں کے عہد میں اسی زیارت کے ساتھ وقف تھی۔ سکھوں نے اپنے زمانہ حکومت میں ضبط کر لی۔

بابا زین الدّین:

شیخ نورالدین ولی کے نامور خلفاء میں تھے۔ اصل وطن کشتواڑہ تھا۔ اور راجگان کشواڑ کی اولاد سے تھے۔ ابھی بچہ ہی تھے۔ کہ دشمنوں نے ان کے باپ کو قتل کر کے یتیم بنا

دیا۔ اور ان کی بیوہ ماں نے در یتیم بنا کے رکھا۔ ایک خواب کے مطابق ان کی والدہ ان کو کشمیر لے آئی۔ اور شیخ بابا بام الدین کے پاس جو شیخ نور الدین کے خلیفہ تھے۔ پہنچی۔ اتنے میں شیخ نور الدین ولی بھی آ گئے۔ ان کی ماں نے کہا۔ بس یہی بزرگ تھے۔ یہی شکل اور یہی صورت تھی۔ جو عالم خواب میں میرے پاس تشریف لائے تھے۔ آخر ماں بیٹا حضرت شیخ نور ولی الدین کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اور نام آپ کا زین الدین رکھا گیا۔ [۱۶]

آپ عیش ومقام میں برسوں تک عبادت و زہد میں مصروف رہے۔ اور یہیں آپ کا مزار بھی بنا۔ لیکن آپ شمالی کشمیر میں بھی مختلف مقامات میں سیر و سیاحت کرتے رہے۔

ایک مرتبہ شیخ بابا زین الدین علاقہ زینہ گیر میں تھے۔ موضع شیوہ [۱۷] میں ان کا قیام تھا۔ انہی دنوں سلطان زین العابدین بھی زینہ گیر کی آبادی اور نہر کی کھدائی اور تیاری میں اسی علاقہ میں تھا۔ بادشاہ ایک دن موضع شیوہ میں ان سے ملنے کو گیا۔ شیخ عبادت [۱۸] میں مصروف تھے۔ بادشاہ کی تعظیم و تکریم جیسی کہ چاہیے نہ کر سکے۔ [۱۹] بادشاہ سجادہ پر بیٹھ گیا۔ اور کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔ جب حضرت نے کوئی توجہ نہ کی۔ تو ملول خاطر ہو کر وہاں سے اٹھ آیا۔

بادشاہ کے جانے کے بعد جب حضرت بابا عبادت سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ سجادہ آلودہ ہو گیا ہے۔ اس کو دھو ڈالو۔ بادشاہ کو ملاقات اور گفتگو سے محروم ہونے ہی کا رنج تھا۔ بعض لوگوں نے نمک مرچ لگا کر سجادہ دھلوانے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ جب یہ سنا کہ میرے بیٹھنے سے وہ جگہ بھی ناپاک سمجھی جانے لگی ہے۔ تو اور بھی برافروختہ ہوا۔

کہ اگر میں ایسا ہی ناپاک ہوں تو میرے ملک سے کیوں نہیں نکل جاتے۔ بلکہ بعض تذکروں میں تو لکھا ہے کہ ملک سے نکل جانے کا حکم ہی دے دیا۔ باوجود شدت زمستان (سردی) کے آپ مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ کوہستان تبت کی طرف چلے گئے

چونکہ یہ زمانہ نالہ پہرو کی کھدوائی اور تعمیر کا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ 859ھ یا اس سے ایک دو سال پہلے کا ہے۔

حضرت کے ملک بدر ہونے یا ترک وطن کرنے کے بعد جو واقعہ زین العابدین کو پیش آتا ہے۔ اس میں تذکروں کا بہت کچھ اختلاف صاحب ہے خوارق السالکین [۲۰] لکھتے

ہیں۔چند دنوں کے بعد بادشاہ کا بیٹا پاؤں کے درد میں مبتلا ہو گیا۔جب علاج معالجہ بے سود ثابت ہوا۔تو بادشاہ کو خود ہی خیال آیا کہ یہ سزا بابا زین الدین کو ملک بدر کرنے کے نتیجہ میں مل رہی ہے۔ادھر بابا زین الدین بھی تھوڑے عرصے کے بعد ہی خود مراجعت وطن پر آمادہ ہو گئے۔بادشاہ نے ان کے آنے کی خبر سنی تو بیمار بیٹے کو استقبال کے لئے بھیجا۔جس کو رستے ہی میں اس شدت درد سے نجات مل گئی۔

صاحب اسرار الابرار [21] لکھتے ہیں۔بادشاہ اس واقعہ کے بعد درد پا میں بیمار ہو گیا۔جب حکماء اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے تو اہل دربار سے فرمایا میرے درد کا علاج صرف اس درویش کی رضا ہے۔جس کو زمستان اور برف باران کے شدید موسم میں میں نے محض شاہانہ غرور کی وجہ سے جلاوطن کیا ہے۔جب تک وہ بزرگ واپس تشریف نہ لائیں گے۔مجھے شفا کی امید نہیں ہے۔چنانچہ اپنے ایک فرزند (اور بقول صاحب فتحیات الکبرویہ [22] شہزادہ حیدر خان) کو کوہستان تبت کی طرف بھیجا۔کہ سمجھا بجھا کر اور عذر معذرت کر کے ان کو ہمراہ لے آئیں۔چنانچہ شیخ نے شہزدے کی التماس قبول کی۔اور کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔بادشاہ باوجود اس درد عظیم کے معہ امراء وزراء استقبال کو نکلا۔لکھا ہے۔کہ جوں جوں شیخ نزدیک آتے تھے۔بادشاہ صحت یاب ہوتا جاتا تھا۔یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

عیش مقام میں انتقال فرمایا۔رحلت کے وقت وصیت کی کہ مجھ کو غسل دے کر کفن پہنا دو۔اور تابوت رکھدو۔اور دیکھو پردہ غیبت سے کیا ظہور میں آتا ہے۔چنانچہ جب تابوت کو دیکھا گیا۔تو اندر کچھ بھی نہ تھا۔آخر تابوت ہی کی جگہ قبر بنائی گئی۔ [23]

فانی زخود و ز خویش باقی

این طرفہ کہ نیستند و ہستند

بابا عثمانی گنائی:

آپ خاص سرینگر کے رہنے والے تھے۔اس زمانہ میں جب معمولی سفر دشوار گذار تھے۔آپ پنجاب و ہند کا سفر کرتے ہوئے حرمین شریفین تک پہنچے۔

فرا ز و شیب رہ از رہروان گرم مپرس
کہ پیش مرغ ہوا کوہ و دشت یکساں است

وہاں خواجہ اسحاق ختلانی [۲۴] سے ملاقات ہوئی۔ اور ان سے ارادت و بیعت کی خواہش کی۔ خواجہؒ نے فرمایا تمہارے گھر میں گنگا بہہ رہی ہے۔ زیارت حرمین سے فارغ ہو کر سیدھے اپنے وطن جاؤ۔ اور شیخ گنج بخش کی خدمت و اطاعت سے مقاصد دلی حاصل کرو....۔

چنانچہ آپ واپس تشریف لائے۔ اور ان سے فیوضات باطنہ حاصل کئے۔ حضرت شیخ نورالدین ولی اور حضرت حاجی ادہم اور دیگر اولیائے کرام کی صحبتوں میں بھی رہے۔ تاریخ اعظمی [۲۵] میں لکھا ہے۔ "بابا صاحب کمال بود۔ بعد تحصیل علوم بہ ذوق خدا پرستی راہ حرمین گرفت۔ حق تعالیٰ در علم و تقوی او برکت داد اکثر احفاد و ذریات ایشاں را کار با فضیلت و علم افتاد"

(ترجمہ: بابا صاحب کمال تھے، علوم حاصل کرنے کے بعد خدا پرستی کے جذبے سے حرمین کی راہ لی۔ حق تعالیٰ نے ان کے علم و تقوی میں برکت دی ان کی اکثر اولاد و احفاد تفضیلت علم میں مصروف رہی۔

بابا رجب گنائی۔ بابا ذینی گنائی۔ ملا فیروز گنائی۔ نتو گنائی بڈ شاہی ملا نونی گنائی بایزید عاصمی۔ میر علی گنائی۔ وغیرہم جو کشمیر کے نیکو کاروں تقوی شعاروں اور صاحبان علم و فضل میں درجہ امتیاز رکھتے تھے۔ آپ ہی کی اولاد احفاد سے تھے۔ [۲۴]

تذکرۃ الحضرات [۲۵] میں لکھا ہے۔ مخدوم بابا عثمان 771ھ میں پیدا ہوئے۔ خوش نویسی و حساب دانی میں دیگر علوم و فنون کے علاوہ شہرہ آفاق اور جوان رعنا تھے۔ گنائی قبیلہ کے متعلق لکھا ہے۔ گنائی خطاب شاہی ہے۔ جو نو پسندہ۔ یا محرر یا منشی کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں یہ خطاب ایک قبیلہ ہی کا نام ہو گیا۔ صاحب تاریخ اعظمی [۲۶] بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔ گنائی در عرف آں وقت نویندہ را مے گفتند ز مفتی تا پٹواری ہمیں لقب بود"

کشمیر کے تذکروں میں آپ کی بہت سی کراماتوں کا ذکر ہے۔ صاحب خوارق

السالکین میں لکھا ہے۔ کہ بڈشاہ نے بھی آپ سے ملاقاتیں کر کے آپ کے کمالات و کرامات کا اعتراف کیا ہے۔ اور اپنے حق میں مخدوم بابا سے دعائے خیر بھی کرائی ہے۔ صاحب تذکرہ الحضرت نے آپ کی وفات 861ھ لکھی ہے۔ مدفن آپ کا مقبرہ سلاطین میں پیش روئے مقبرہ مرزا حیدر کاشغری بیان کیا جاتا ہے۔

شیخ بہاؤ الدین گنج بخشؒ

شاہ اسحاق ختلانی (خلیفہ امیر کبیر علی ثانی) کے تربیت یافتوں اور مریدوں میں تھے۔ ابتداء میں بڑے سیاح تھے۔ چنانچہ شاہ اسحاق کے پاس خود ختلان گئے۔ اور ان سے سے فیوضات حاصل کئے۔ ان کے جذب وسلوک کی حکایات بے شمار ہیں۔

اصل نام بہاؤ الدین ہے۔ گنج بخش ان کا لقب ہے۔ شیخ سلطان کشمیری سید محمد مدنی اور حضرت شیخ نور الدین ولی کے محبت یافتوں میں تھے۔ بادشاہ ان کی ایک بشارت کے عملی ظہور کی وجہ سے جس کا ذکر بادشاہ کے بچپن کے بیان میں ہو چکا ہے۔ ان کا بڑا ادب کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کو محلات شاہی میں آنے اور دریا کی سیر کرنے کی دعوت دی گئی۔ آپ نے شکریہ کے ساتھ قبولیت دعوت سے انکار کر دیا۔

ایک دن حضرت شیخ بہاؤ الدین موضع کرشہ بل میں لب دریا ایک درخت کے نیچے سر بہ زانو بیٹھے تھے۔ نصف شب کے قریب چوروں کی جماعت شہر سے مال ومتاع لے کر اس طرف آئی۔ اور چوری کا مال باہم تقسیم کرنے لگے۔ مال تقسیم کرنے کے بعد ان کی نظر اس تاریکی میں آپ پر پڑی۔ ان ظالموں نے اس خوف سے کہ یہ شخص ضرور ہمارا راز فاش کر دے گا۔ آپ کو شہید کر دیا۔

بادشاہ کو اس واقعہ المناک کی خبر ہوئی۔ بہت افسوس کیا۔ شیخ نے اپنے ہم صحبتوں اور ارادتمندوں کو وصیت کر رکھی تھی کہ جب میرا انتقال ہو جائے۔ تو میرا جنازہ کندھوں پر لے جانے کی بجائے یہ کام کرو کہ میرے پاؤں میں رسہ باندھ کر کشاں کشاں لئے

پھرو۔ یہاں تک کہ قبرستان میں پہنچادو۔لوگ اس وصیت کی تکمیل کے لیئے بڑے متردمضطر تھے۔بادشاہ کو اطلاع ہوئی حکم دیا حضرت شیخ کی وصیت ضرور پوری ہونی چاہئے چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ایک گھوارہ بنایا گیا۔اس میں آپ کی لاش رکھی گئی۔گھوارہ کے نیچے پہیے لگائے گئے۔اوراس کے ساتھ رسہ باندھ کراس کو قبرستان تک پہنچایا گیا۔بادشاہ حضرت باباعثمان گنائی اور بہت سے بزرگان شہراور داعیان مملکت کے ساتھ آپ کے جنازہ میں شامل ہوا۔کوہ ماران کے دامن میں کہ بیرون قلعہ ہے۔اور جہاں ایک وسیع قبرستان ہے۔آپ دفن کئے گئے۔مزارآپ کا احاطہ قبرستان بڈشاہ کی بیگم نے جولا ولد تھی۔اپنا زیور فروخت کر کے تعمیر ومرمت کرایا تھا۔

849ھ میں آپ نے درجہ شہادت حاصل کیا۔تاریخوں میں لکھا ہے۔کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر بہت بڑی تھی۔

آپ کے مزار مبارک کے دروازہ پر ہی شمس چک کی قبر ہے۔جو 893ھ میں بعہد سلطان محمد بن سلطان حسن شاہ کشمیر کا حاکم اور مدارالمہام گذرا ہے۔

شیخ نورالدین ولی

اوائل عمر میں اپنے بھائیوں کے اصرار و جبر میں سے ان کے ساتھ چوری ورہزنی کیا کرتے تھے۔اور چونکہ جذبہ الٰہی کے شعلہ لامتناہی بطن مادر ہی سے لے کر آئے تھے۔اس لئے ان کے بھائی ہمیشہ ان پر ناراض رہتے تھے۔آخر تیس سال کی عمر میں بھائیوں کا ساتھ بالکل ترک کردیا۔بلکہ وہ کام بھی جو طبعیت پر گراں گذرتا تھا۔چھوڑ دیا۔اورایسی توبہ کی کہ ریاضت وجانبازی اور زہد وعبادت میں قدم رکھ کر یادگار متقدمین اور افتخار متاخرین ثابت ہوئے۔اور جب محبوب ذوالجلال سے لولگائی تو بتعلقات زن وفرزند کو بھی حجاب تصور کر کے قطع کر دیا۔

آں کس کہ ترا شناخت جان راچہ کند
فرزند وعیال وخانماں راچہ کند

دیوانہ کنی وہر دو جہانش بخشی

دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

بارہ سال تک آپ پہاڑوں کے غاروں میں صرف کاسنی کے پتے کھا کر گذارہ کرتے رہے۔اس کے بعد بارہ سال تک کاسنی کو ترک کر کے دودھ کے ایک پیالے پر گذرا وقات کی۔پھر اسے بھی لذت نفس جان کر ترک کیا۔اور دواڑھائی سال تک قدرے بے آب جو پر گذارہ کیا۔غرض گوشہ نشینی وتنہائی اختیار کرنے کے بعد بقول صاحب تاریخی اعظمی ''بست وشش سال نان وغلہ نخورد'' ۲۶ سال روٹی اور اناج نہ کھایا تھا۔

قوت جبرئیل از مطبخ نہ بود

بو از دیدار خلاق ودود

جبرئیل کی روزی کسی مطبع سے نہیں آتی ان کی غذا اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

حضرت میر محمد ہمدانی۔میر سید حسن سامانی شیخ بہاؤ الدین گنج بخش شیخ سلطان پکلی۔بابا حاجی ادہم۔اور دیگر کئی بزرگ آپ کے ہم رتبہ وہم سال بیان کئے جاتے ہیں۔

آپ کی ولادت قریباً تمام مورخین نے بالاتفاق 757ھ بیان کی ہے۔لیکن تاریخ وفات میں مختلف الرائے ہیں۔بعض نے سال وفات 808ھ اور بعض نے 842ھ لکھا ہے۔اور عمر آپ کی 63 یا 64 سال بتائی ہے۔اور یہ بھی مورخین نے لکھا ہیکہ بڈشاہ کے زمانہ میں آپ فوت ہوئے۔اور بادشاہ آپ کے جنازہ پر گیا۔

صاحب تاریخی اعظمی کے حساب سے ۲۶ سال وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں رہے تیس سال کی عمر میں انہوں نے رہزنی ترک کی۔چھپن سال تو اسی طرح ہوگئے۔اُدھر 757ھ کی پیدائش اور 808ھ کی وفات کے مطابق ان کر عمر صرف اکیاون سال ہوتی ہے۔

البتہ اگر 842ھ کو سال وفات صحیح تسلیم کیا جائے۔اوراسی کو صاحب اعظمی نے بھی تسلیم کیا ہے۔تو آپ کی عمر 757ھ کے مطابق پچاس سال ہوتی ہے۔اور یہ وہ زمانہ ہے۔کہ بڈشاہ بھی آپ کے سال وفات میں زندہ موجود تھا۔اور اس حساب سے اس کا حضرت کی ذات سے فیوض حاصل کرنا اوران کے جنازہ میں شامل ہونا قرین قیاس بھی

ہے۔

بڈ شاہ کا آپ سے تعارف کس طرح ہوا۔ اس کو ہم معارف الحقانی ۲۸ طویل مضمون سے مختصر طور پر یہاں درج کرتے ہیں۔ صاحب معارف کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ بادشاہ بیمار ہوگیا۔ جب علاج سے تمام حکماء عاجز آ گئے۔ تو بادشاہ نے نجومیوں کی طرف رخ کیا۔ نجومیوں نے کہا۔ بیماری کی وجہ یہ ہے کہ ملک رانی وعدالت گستری میں کوئی کمی ہوگئی ہے۔ اور حکاموں اور افسروں سستی وکاہلی نے عمل دکرلیا ہے۔ بطور مثال یہ واقعہ بیان کیا۔ کہ گذشتہ زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں ایک بڑھیا کا اکلوتا لڑکا سخت بیمار ہوگیا۔ اور وہ دربار میں آکر شور وفغان کرنے لگی۔ بادشاہ نے سبب پوچھا تو کہا میرا بیٹا سخت بیمار ہے۔ اور وہ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے بادشاہی اہل کاروں نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو عدالت وآئین فرمانروائی کے خلاف ہے۔

بادشاہ نے نجومیوں سے کہا۔ تم اپنی کتابوں میں دیکھو۔ کہ پیرزاں کا فرزند کیوں بیمار ہوگیا ہے۔ نجومیوں نے متفق ہوکر کہا۔ ہمارا علم ہم کو یہ بتاتا ہے کہ بادشاہ کے ملک میں کسی بے انصافی کا واقعہ ظہور میں آیا ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک قصاب نے اپنا پیشہ ترک کے دنیا کمانے کے لئے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ لازم یہ ہے کہ قصاب کو غار سے نکال کر شہر میں لایا جائے۔ اور سزادی جائے۔ تاکہ اور کوئی شخص آرام طلبی اختیار کرکے مکرو فریب سے دنیا کو لوٹنے اور کاروباری دنیا کو ضعف پہنچا کر گوشہ گیری اختیار کرنے کی جرات نہ کرے۔ چنانچہ جب اس کو پکڑ کر لائے اور بزرگی وریاضت میں لاف زنی کرنے پر تنبیہ کرکے اس کا ابائی کاروبار شروع کرایا گیا۔ تو اس بڑھیا کے بیٹے کو صحت حاصل ہوگئی۔

نجومیوں نے یہ واقعہ بیان کرکے بادشاہ سے کہا۔ اے بادشاہ جم جیاہ تیرے عہد میں بھی اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا ہے۔ ایک شخص جس کا کاروبار رہزنی۔ چوری اور ڈاکہ زنی ہے۔ جنگل میں جابیٹھا ہے۔ زن وفرزند کو جواب دے چکا ہے۔ اور اپنے آپ کو عابد وزاہد کہتا ہے۔ جب تک اس کو گرفتار کرکے قتل نہ کیا جائے گا۔ بادشاہ کو صحت کلی حاصل نہ ہوگی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ ایسے شخص کو گرفتار کرکے حضور میں پیش کرو۔ بادشاہی آدمی دوڑے دوڑے اس جنگل میں گئے۔ جہاں حضرت شیخ نورالدین کا قیام تھا۔ حضرت بابر ٹہل

رہے تھے۔کہ بادشاہی پیادوں کو مضطرب الحال دیکھ کر پوچھا۔اے جوانان یہ شتاب واضطراب کیوں ہے۔اورکس کی تلاش میں یہ سرگردانی ہے۔پیادوں نے کہا ہم شیخ نورالدین کی تلاش کرر ہے ہیں۔اس کو بادشاہ کے حضور میں لے جانا ہے۔شیخ نہ کہا۔جس کی تلاش میں تم نے بیابانوں۔ویرانوں اورکوہستانوں کوایک کر دیا ہے۔وہ فقیر میں ہی ہوں۔چلواسی حال میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

جب شیخ بادشاہ کے پاس پہنچے۔تو اس کی بیماری میں افاقہ ہونا شروع ہوا۔نجومیوں نے کہا۔بادشاہ سلامت ہمنے جھوٹ تونہیں بولا تھا۔یہ دزد مکار کہ اس کے باپ دادا کا پیشہ ڈاکہ اور رہزنی ہے۔اب دعوٰی بزرگی کرتا ہے۔جونہی حاضر دربار ہوا ہے۔حضور کو بیماری کی تکلیف سے نجات ٹل رہی ہے۔

بڈشاہ تو بڑا زیرک اور مصلحت اندیش بادشاہ تھا۔اس نے کہا اے نادانو!اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے۔میرا خیال ہے کہ اسی بزرگ کے دیدار برکت وفیض آثار سے میری صحت بحال ہوگئی ہے۔ایسا بزرگ میرے ملک میں ہو۔جس کے دیداری ہی سے آثار نحوست وادبار دور ہوجائیں۔اس سے زیادہ میری کیا خوش قسمتی ہوسکتی ہے۔یادرکھو ایک درویش کی ناراضگی اور پھر بلاوجہ ایک عالم کودرہم برہم کردیتی ہے۔

بادشاہ کے دل میں روز بروز شیخ کی عزت بڑھتی گئی۔بہت عزرخواہی کی اور کہا میرے لئے بدرگاہ رب الاعلیٰ دعائے نیک فرمائیے حضرت شیخ نے کہا۔خدا تمہیں عدل وانصاف کی توفیق مزید دے۔کہ اس ملک کے ساتھ ملک آخرت بھی کہ باقی وپائندہ ہے۔تمہارے قبضہ میں ہو۔

842ھ میں کہ بڈشاہ کی حکومت کا اٹھارواں سال تھا۔۶۳اور بقول بعض ۶۴سال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین میں تمام علماء وصلحا اور بزرگان دین جمع ہوئے۔بادشاہ خود خیل وحشم کے ساتھ چرار شریف پہنچا۔اور کہنے لگا۔جسد مبارک شہر میں لے چلو وہی حضرت کا مرقد مقبرہ بنایا جائے۔شہر میں لوگوں کی آمدورفت زیادہ ہے۔زیارت سے منورومسرور ہوا کریں گے۔

اس موقع پر گردونواح کے قریباًدس ہزار آدمی جمع تھے۔ان کومنشاء یہ تھا۔کہ مقبرہ

خام پورہ میں ہو۔ جو سر راہ ہے۔ حضرت کے جو درویش تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ اسی جنگل خارزار میں جہاں آپ نے اپنی عمر بسر کردی ہے۔ روضہ مبارک بنایا جائے۔

حضرت بابا نصر الدین جو شیخ کے خلفائے اعظم میں سے تھے۔ اور بادشاہ بھی ان کا احترام کرتا تھا۔ اس اجتماع وکثرت اور بحث ومباحثہ سے بہت متردد تھے۔ آخر آپ کے فیصلہ کے مطابق مقبرہ چرار ہی میں بنایا جانا قرار پایا۔ اور بادشاہ نے بھی اس فیصلہ کو قبول کرلیا۔

بادشاہ ابھی چرار ہی میں تھا۔ کہ اس کے حکم سے گلکار نجار۔اور کارکن بلائے گئے۔ اور روضہ کی تعمیر شروع ہوگئی۔ چنانچہ روضہ مبارک سب سے پہلے بڈشاہ ہی نے تعمیر کرایا۔ انقلاب زمانہ کی وجہ سے بعد میں اس میں ترمیم وتعمیر بھی ہوتی رہی ہے۔

میر سید محمد امین اویسیؒ

میر سید حسن عرف بابا حسن منطقی (کہ علم ظاہری وباطنی سے آراستہ تھے) کے چھوٹے بیٹے اور میر سید حسین منطقی کے جن کا مزار وانتی پورہ میں ہے۔ چھوٹے بھائی تھے۔

یہی وہ نوازئیدہ بچہ تھا۔ جس کو اس کے باپ میر سید حسن منطقی نے بڈشاہ کو بطور تبرک کردیا تھا۔ اور کہا تھا نام اس کا محمد امین [29] رکھا۔

اسی خاندان (بیہق) سے، چونکہ بادشاہ کی ایک بیگم بھی تھی۔ جو لاولد ہونے کی وجہ سے ہمیشہ غمگین وملول رہتی تھی۔ بادشاہ نے وہ نوزائیدہ بچہ بیہقی بیگم کے سپرد کردیا۔ بادشاہ نے محمد امین کی ظاہری وباطنی تعلیم کا پورا پورا انتظام کیا۔ خواجہ ہلال اشم والے ان کے پیر طریقیت تھے۔ اور بابا حاجی ادہم کے سپرد ان کی ظاہری تعلیم ہوئی۔ چنانچہ تعلیم قرآن اور علوم دینیہ یعنی فقہ وحدیث وتفسیر اور معقول ومنقول سب انہی سے حاصل کئے بادشاہ اس کو اپنے بچوں کی طرح رکھتا تھا۔ ایک تو اس کی پیشانی سے ستارہ بلندی کی جھلک نظر آرہی تھی۔ دوسرے وہ ایک بزرگ صاحب علم وفضل سید کا عطیہ وتبرک تھا۔ اس لئے سفر

وحضر میں اس کو ساتھ رکھتا اور کہتا۔ ع

سفر برائے تو جوئیم وطن برائے تو خواہم [30]

اویسی اس لئے مشہور تھے۔ کہ حضرت اویس قرنی سے نسبت رکھتے تھے۔ بلکہ اپنا تخلص بھی اویس رکھ لیا تھا۔ اور اپنے نام کی بجائے میر اویسی کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔

جب سن تمیز کو پہنچے تو بادشاہ نے آپ کی فراست وکیاست دیکھ کر بعض امور مملکت آپ کے سپرد کرنا چاہئے۔ ماں نے بھی بہت کچھ سنا کہا۔ حشمت وشوکت بادشاہی کی ترغیب بھی دلائی۔ اور بڑی بڑی امیدوں کا اظہار کیا۔ مگر جس کے سر میں فضائے عالم معنوی کی ہوا سے دل کو سیر کرنے کا سودا ہو۔ وہ لذت مال وجاہ صوری سے ذائقہ حلاوت کی کیا تمنا رکھتا ہے۔ غرض آپ نے نہ بادشاہ کا مشورہ قبول کیا۔ نہ بیگم کی بات پر کان دھرے۔ بلکہ مندرجہ ذیل شعر

زما سوائے تو آمانکہ فارغ البال اند
بہ عالمے نہ فرو شند ذوق تنہائی

کے علاوہ ایک طویل ترجیع بند بادشاہ کو لکھ کر بھیجا۔ اس کے چار بند یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں [31]۔

عاشقاں ہمتے کہ کردام ساز — رخت بربستم از مقام نیاز
عارفان رحمتے زارہ کرم — کہ ندارم بجز شما ہمراز
واصلاں جذبہ زعین رضا — تاشوم باشما دمے دمساز
حاضران التماس تکبیرے — کہ رہ سخت منزلیت دراز
رہ صدق وصفا گرفتم پیش — میل مہر وفا نمودم باز
از مخالف ہمے دلداران کنم آہنگ — تارسم بانوا زراہ مجاز
ہمچو شمع زجمعے دلداران — میردم باہزار سوز وگداز
مرکہم ہمت است دعشق دلیل — ہرہم آہ ونالئہ ام ادماز
چونکہ ایں مترل اقامت نیست — گوئیا مے کنم ہمیں آواز

بعد از دیس ترک گفت وشنود

کنج کوہ وعبادت معبود

منکہ دراصل بودہ ام عنقا
قلئہ قاف داشتم ملجا

این زماں من بہ اصل خویش شوم
کہ بہ اصل است مرجع اشیا

کنج وحدت قرارگاہ من است
زانکہ کنج است کنج رامادا

آمدہ برطریق مہمان
پنج روزے بریں سپنج سرا

میزنان دہر رادیدم
ہر یکے خویسان اژدرہا

نوش نہ وہند غیر نبش بہ کس
بے سم دل نوالہ حلوا

چوں بدیدم براہ معنی نیست
بادل خستہ گفتم اے شیدا

کامجیوان کس نہ سارم نوش
گر بمیرم بر نج استسقا

کردہ ام عہد وبستہ ام پیمان
کہ بہ توفیق ایزددانا

بعد زیں ولیس ترک گفت وشنود
کنج کوہ و عبادت معبود

آزمودم جہاں واہل جہاں
آنچہ ہستند آشکارونہاں

ہمہ در بند خویشتن مشغول
ہمہ درکار خویشتن حیران

نے ترحم بہ حال غمزدہ
نے تکلف بے لطف بااحسان

جملہ در قصد خون یک دگراند
اوفتادہ چوموش درابنان

کارشان نے بغیر کذابے
بارشاں نے بہ خلق جذ بہتاں

ہر کرا اگر میئے زسر بینند
برقدوموش کنند سرقربان

گر بود کار سامری اورا
مے بدانند موسیٰ عمران

کس نگوید کہ ایں خران تاکے
جاں دہند از برائے ایک لب نان

روشنم گشت چوں حقیقت حال
بے دل وجان بہ گو بہ جان جہاں

بعد زیں ولیس ترک گفت وشنود
کنج کوہ وعبادت معبود

نہ نمودیم عجز خود باکس
نہ نشنہ نجوان کس چو مگس

بے طمع از در صغار و کبار | بے خصومت بہر کس و ناکس
نے خیالے کار و بار جہاں | نے حجابے بہ جنجوے مس
چوں یقین شد مرا کہ خلق زباں | بہ جفایم کشادہ ہم چو جرس
گاہے گاہے گذر کند در دل | کہ چوم خوردم چہ بردہ ام از کس
منکہ شہباز حضرتم ہیات | چند باشد دگر یہ بند قفس
بکسلم بند و بشکنم زنجیر | باز رانم بہ آستانہ فرس
ہر کسے را بہ خویشتن کارے | من و سودائے یار دارم و بس

بعد زین ولیس ترک گفت وشنود
کنج کوہ عبادت معبود

بادشاہ اور بیگم کو محمد امین کی ذات سے ملکی خدمات وفلاح بڑی بڑی تمنائیں تھیں۔اس کے صوفیانہ طرز عمل اور اس کے اشعار کے مطالعہ سے سب خاک میں مل گئیں۔لیکن باوجود ان باتوں کے بادشاہ کو آپ سے کمال محبت تھی۔سال میں دو تین مرتبہ ان سے ضرور ملتے۔کبھی کبھی میر اویسی خود بھی بادشاہ کے پاس چلے آیا کرتے تھے۔

زینہ لنک کے جشن شاہی کے واقعہ کے بعد جس میں میر اویسی ناراض ہو کر چلے آئے تھے۔اور جس کا ذکر زینہ لنک کی تعمیر کے دوران میں ہو چکا ہے۔آپ نے محلات ریٹنجن شاہ جس کا نام محلہ ملچر [۳۲] بھی ہے۔رہنا اختیار کیا۔کبھی کبھی موضع اشم میں بھی کئی کئی دن رہا کرتے تھے۔جہاں آپ کے شیخ طریقت سید ہلال کا قیام تھا۔بادشاہ نے اشم میں بھی میر اویسی کے لئے کئی عمارات تیار کرا دیں۔

میر اویسی بادشاہ کے گھر میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے باوجود نہایت درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔لطیف طبع تھے۔اور حسن ظاہری کے ساتھ حسن خلق بھی بے مثال تھا۔باوجود غلبۂ حال وکمال اور علوم وافضال انکساری ونیاز مندی پر فخر تھا۔فرماتے ہیں۔

گناہ ما زعدم گر بینا مدے بہ وجود
وجود صفو تو بہر عالم عدم مے بود

لیکن باوجود اس درویشی کے ان کے مکان پر دربان رہتا تھا۔ جب امیر اویسی حالت خاص میں ہوتے تھے۔ تو دربان اعلان کردیتا تھا کہ میر باخداست۔ چنانچہ کوئی شخص ان کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ جب وہ اعلان کرتا تھا۔ کہ میر باخداو خوداست۔ یعنی آپ مشاہدہ وحدت کثرت میں کرتے ہیں۔ تو لوگوں کو اندر آنے کی اجازت ہوتی تھی۔

جب حسن شاہ بادشاہ ہوا۔ تو سادات بیہقی کے ایک سید "حسین" نام کو کہ سید میرک میر بھی انکو کہتے تھے۔ وزرات کا مرتبہ ملا۔ امرائے ملک نے ایک غیر ملکی کی اطاعت سے انحراف کیا۔ چنانچہ ایک شورش عظیم پیدا ہوئی۔ سید میر اویسی بھی ہر چند بادشاہ کے گھر کے تربیت یافتہ تھے۔ لیکن ان کے والدین بھی چونکہ سید تھے۔ اس لئے مخالفوں نے ان پر بھی اہل فتنہ وفساد کو مشورے دینے کا الزام لگایا۔ حالانکہ ان باتوں سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔

اس زمانہ میں سید میر اویسی سادات کی ایک جماعت کے ساتھ محلہ نوشہرہ میں رہتے تھے اشرار کی جماعت رات کے وقت آپ کے حجرہ میں گھس آئی۔ اور اپنی طرف سے ان کو شہید کر کے چلی گئی۔ ۴۳ لیکن ان میں ابھی جان باقی تھی۔ آپ نے اسی حال میں ایک شعر اور دو حسب ذیل رباعیاں بیان فرمائیں۔

منم آں رند جہاں گرد مسیحا نفسے
کہ من این ہر دو جہاں را نہ شمار بہ خسے
اگر از عشق توام سر برود کو برود
ہرگز ایں سر نہاں تو نہ گویم بہ کسے
من فارغم ز مصلحت اہل روز گار
مے داں یقین کہ کشتن من بود بے گناہ
اکنو بیاؤ شعر بخوان بر مزار من
تاروئے ظالماں ستمگر شود تباہ
صورت قبرم ز بعد مرگ ویران خوشتر است
نامرادے ہم چو من باد خاک یکساں خوشتر است

تاریخ وفات شہید کشمیر 889ھ شہید شرع 889ھ اور شہید عرش 889ھ

ہے۔ خوارق السالکین میں حسب ذیل شعر بھی درج ہے۔

رفت از جہاں فانی بیرونی چو میر ویسی

گفتند سال وصلش مخدوم 889ھ واصلین بود

مخدوم العرفاء شیخ حمزہ کاشمیری اپنے ابتدائی زمانہ سلوک میں مدت تک اس آستانہ پر حاضر ہوتے رہے ہیں۔ محلہ رینچن شاہ میں جس کو اب بلبل لنگر کہتے ہیں۔ اور جو عالی کدل پر واقعہ ہے۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ بادشاہ کی زندگی میں جب آپ شہر میں ہوتے تھے۔ تو یہیں آپ کا قیام ہوتا تھا۔ بادشاہ نے آپ کے لئے رباط بھی تیار کرادی تھی۔ اور بادشاہ اور بیگم اسی رباط میں آ کر آپ سے ملاقات کرتے تھے۔ آپ کا مزار آپ کی وصیت کے مطابق اسی رباط میں تعمیر ہوا آپ کے مزار پر آپ کے آخری اشعار جو وصال کے وقت آپ نے فرمائے تھے۔ درج ہیں۔

☆

حوالہ جات

۱۔ مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف

۲۔ تاریخ خواجہ اعظمی

۳۔ یہ خاندان عرب سے نکل کر پہلے پہل اندراب میں داخل ہوا۔ وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد کوہ ہندوکش کے قریب اقامت اختیار کی لیکن عجم کے وطن اول یعنی اندراب کی طرف منسوب ہو کر اندرابیہ کہلایا۔ جب یہ خاندان کشمیر آیا۔ تو یہاں بھی سادات اندرابیہ کے نام ہی سے مشہور ہوا۔

۴۔ اس کا اصل نام ملا عراقی ہٹہ تھا۔ ملا عالم فیجر کو کہتے تھے۔ شاید کسی عراقی ملا کے نام پر ہو۔ اب اسی محلہ کو ملا رٹہ کہتے ہیں۔

۵۔ سید احمد اندرابی کے فرزند سید محمد ان کے سید محمد ابراہیم اور ان کے فرزند سید شمس الدین اندرابی

۶۔ آپ کا مزار قلعہ ناگر نگر یعنی اکبری قلعہ ہری پربت کے اندر قلعہ مذکور اور آخون ملا شاہ کی مسجد و حمام کے درمیان واقع ہے۔

۷۔ سال وفات ۹۹۰ھ مدفن خانقاہ اندرابیہ کے جانب جنوب اس مزار پاک کو اہل دل نے فیوض و برکات کا سرچشمہ تسلیم کیا ہے

۸۔ جھیل ولر کی وسعت اس زمانہ میں آج کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ مواضعات آری پورہ وارہ پورہ جو ٹھا کر کرتار سنگھ صاحب گورنر جموں کو 1927ھ میں جاگیر میں ملا ہے۔ اور چنگی پورہ سب ولر ہی کا ایک حصہ تھے۔۔

۹۔ اس قبیلہ کے ایک درخشندہ گوہر حاجی سبا حسن کا حال ہی میں احمد پورہ میں انتقال ہوا ہے۔ آپ نے کئی حج کئے۔ عراق ایران شام و عرب کی سیاحت کی کشمیر کے علماء سادات میں خاص طور پر مقدس وجود تھے۔

۱۰۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذرا کہ سادات احمد پورہ کی شاخ کے ایک سر برآوردہ رکن علامہ سید قاسم شاہ کشمیر سے پنجاب آئے۔ لاہور میں قیام کیا۔ نوابان قزلباش اس زمانے میں علم وفضل کے قدردان تھے نواب علی خان رضا نے اس جوہر شناسی سے کام لیا۔ کہ یہ جوہر گرانمایہ واپس کشمیر نہ جاسکا آخر تمام شیعان پنجاب نے آپ کی تبحر علمی سے آگاہ ہوکر آپ کو مجتہد العصر تسلیم کرلیا شمس العماء مولانا سید علی حائری صاحب مجمد العصر پنجاب جو لاہور کوچہ شیعان میں رہتے ہیں۔ آپ ہی کے صاحبزادہ ہیں۔

۱۱۔ آپ کی اسی شاخ سے جسٹس آغا سید حسین رضوی قمی ہیں۔ جو کشمیر کے سپوت اور کشمیریوں کے فخر ہیں۔ آپ کی پیدائش 1933ھ بکری میں ہوئی۔ علوم عربی وفارسی کے بعد کشمیر ہی میں انگریزی کی تعلیم شروع کی۔ اور آپ ہی سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ جنہوں نے کشمیر میں نئی تعلیم کی طرف توجہ کی۔ سر راجہ امر سنگھ آنجہانی (موجودہ مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر کے والد) نے آپ کو قابل وہونہار اور خاندانی لڑکا دیکھ کر نمونہ کا ایک افسر بنانے کے لئے محکمہ مال کی ٹرینگ کے لئے سر والٹر لانس مہتمم بندوبست کے سپرد کر دیا۔ آپ پچیس سال ہی کی عمر میں اسٹنٹ سٹلمنٹ افسر مقرر ہوگئے۔ لداخ کا سب سے پہلا بندوبست آپ ہی نے کیا۔ اس کے بعد اسٹنٹ گورنر۔ گلمرک افسر۔ وزیر وزارت مہتمم بندوبست کشمیر بھی رہے۔ اور جموں کے گورنر بھی آپ نے ان عہد ہائے جلیلہ کی ذمہ داریوں کو اس محنت وخوش اسلوبی اور اس لیاقت سے انجام دیا۔ کہ مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر نے آپ کو جموں وکشمیر کی ہائی کورٹ میں ایک جج مقرر فرمادیا۔ اور آپ بفضلہٖ تعالیٰ ایک قابل اور ممتاز جج ثابت ہو رہے ہیں۔

۱۲۔ بلخ کی تاریخ اس کی تصدیق یا تکذیب کرسکتی ہے۔

۱۳۔ تاریخ حسن میں آپ کو میر سید حسن منطقی کا بیٹا لکھا گیا ہے۔ جو غلط ہے۔ اسرار الابرار اور فتحیات الکبرویہ نے میر سید حسن کا بیٹا لکھا ہے۔

۱۴۔ اسرار الابرار غیر مطبوعہ تصنیف 1063ھ دمکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم

۱۵ آپ کا عرس زیر اہتمام خواجہ امیر شاہ صاحب رئیس بارہ مولا و ذیلدار خانپورہ ہر سال نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے آپ اس خانقاہ کے متولی بھی ہیں۔ اور زمانہ قدیم سے یہ زیارت آپ ہی کے خاندان کی تولیت میں چلی آتی ہے آپ بڑے مخیر اور صاحب دل ہیں۔

۱۶ اسرارلابرار

۱۷ موضع شیوپورہ میں سوپورہ سے بجانب شمال عین دامن کوہ میں چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ محمد الدین فوق مصنف کتاب ہذا اور مفتی غلام محمد صاحب خادم کے آباء واجداد اسی موضع سے پنجاب آئے تھے آج بھی قبلہ خادم صاحب کی بہت سی اراضیات اس موضع میں آباد ہیں۔ جن میں زراعت کے علاوہ تین باغات بھی ہیں راقم الحروف کا بھی ایک چھوٹا سا رقبہ شیوہ میں واقعہ ہے۔

۱۸ فتحیات الکبرویہ صفحہ نمبر 400 (قلمی) پر لکھا ہے'' دران وقت شیخ طہارت مے کرد۔ سلطان آمدہ بر مصلے بنشست وادشیخ التفاتے نہ یافت۔ تا بہ تعظیم چہ رسد ''، خوارق السالکین کے مصنف نے بھی صاحب فتحیات کی تائید میں طہارت ہی کا ذکر کیا ہے۔ اسی واقعہ کو ان دونوں کتابوں سے بہت عرصہ کے بعد کی تصنیف نورالدین نامہ منظوم تصنیف 1245ھ میں بڑھا گھٹا کر بابا بام الدین کے ساتھ منسوب کیا گیا۔

۱۹ اسرارالابر سال تصنیف 1063 غیر مطبوعہ ۲ صفحہ 93 نمبر 94 نمبر 95 غیر مطبوعہ سال تصنیف 1109ھ

۲۰ غیر مطبوعہ سال تصنیف 1063ھ

۲۱ صاحب فتحیات نے بھی خود بادشاہ کے بیمار ہونے کی تائید کی ہے۔ لیکن اتنا اضافہ کیا ہے۔ کہ بادشاہ عاجز ہونے کے بعد بابا لطیف الدین کی خدمت میں جو اس زمانہ میں کامل و اکمل بزرگ تھے۔ آبا اور شفا کے لئے دعا کی التجا کی آپ نے فرمایا بابا زین الدین کی دعاء ہی یہاں کارگر ہوسکتی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ حیدر خان کو استدعائے مراجعت اور عذر و تقصیرات کا پیغام دے

کر بھیجا۔ ان کے تشریف لانے سے بادشاہ کو صحت کلی ہوگئی۔

۲۲ تاریخ خواجہ اعظمی صفحہ 62

۲۳ مزار حضرت شاہ اسحاق در کابل در جہت مشرقی فریب سواد شہر واقعہ است و دران جابہ" شاہ شہیدان اشتہار دارد۔ تاریخ اعظمی حاشیہ صفحہ نمبر 52

۲۴ صفحہ نمبر 66

۲۵ لاہور میں چودھری جان محمد مرحوم بانی کشمیر گزٹ اور ان کے بھائی چودھری محمد اسماعیل تاجر کتب بھی گنائی خاندان سے ہیں۔ چودھری جان محمد صاحب مرحوم کے صاحبزادہ (خواجہ) الٰہی بخش علمی و درسی مشاغل میں مصروف ہیں۔ اور کشمیر نیشنل بورڈ لاہور کے سکرٹری ہیں۔ ایک علم دوست گنائی خاندان بون متصل اسلام آباد کشمیر میں آباد ہے۔ جس میں (خواجہ) مختار گنائی سفید پوش راقم الحروف کی تمام تصانیف کے قدیم قدردان ہیں۔

۲۶ یہ تذکرہ جوامیر الدین کلاں صدر الافاضل کی تصنیف 1251ھ ہے۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اور کشمیر میں کئی لوگوں کے پاس ہے۔

۲۷ صفحہ نمبر 22

۲۸ سال وتصنیف رمضان 1164ھ غیر مطبوعہ اس کے مولف مصنف یعقوب بن عبدالعزیز بن شیخ مظفر بن قطب الدین بن شاہ قاسم حقانی ہیں۔

۲۹ عالی کدل میں جس مکان میں آپ پیدا ہوئے۔ وہاں آج کل مفتی اعظم مولانا شریف الدین رہتے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے یہ مکان آپ کے ایک بزرگ خواجہ موسیٰ کو عنایت کیا تھا۔ جب آپ کے پردادا مولوی نظام الدین محمد شاہ مولف تاریخ نظام الوقائع بعہد جبار خان سکھوں اور پٹھانوں کی لڑائی میں شہید ہوگئے۔ تو سکھوں نے جو علم وادب کی قدر و قیمت سے محض بے بہرہ تھے۔ مکان کے ساتھ ہی آپ کے عظیم الشان کتب خانہ کو بھی جلا دیا۔ مولانا شریف الدین ابوالخیر مولوی خیر الدین کی جو فتاوا عالم گیری مرتب کرنے والوں میں سے ایک تھے ساتویں پشت سے ہیں۔

۳۰ فتحیات الکبرویہ صفحہ نمبر 315

۳۱ آپ کے اس بند اور چند ایک اور ترجیع ہندوں کے اکثر اشعار کشمیر میں بطور وظیفہ پڑھے جاتے ہیں۔

۳۲ جب رینچن شاہ نے اسلام قبول کر کے اپنا نام ملک صدر الدین بادشاہ کشمیر رکھا۔اور اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔اور بادشاہ اور سید بلبل (بلال) شاہ نے جن کے ہاتھ پر رینچن شاہ نے اسلام قبول کیا تھا۔اسی علاقہ میں اپنے محلات و مکانات بنوالئے تو ہنود نے از راہ نفرت وحقارت اس محلّہ کا نام ملیچھ مر رکھا۔ میلیچھ اس زمانہ میں ہر غیر ہندو کا نام تھا۔اور مر بزبان کشمیری جگہ کو کہتے ہیں۔چونکہ یہ محلّہ جو عالی کدلی سے بجانب شمال ہے۔بلندی پر واقعہ ہے اس کو بلندی کی جگہ اور اب تھوڑے سے تغیر کے ساتھ بلندی مر کہتے ہیں۔

۳۳ فتحیات الکبرویہ اور خواجہ عظمی میں لکھا ہے۔کہ آپ کے ساتھ چودہ اور سادات شہید کئے گئے تھے۔

ماخذ کتب

فہرست کتب مطبوعہ

1۔ مکمل تاریخ کشمیر (اردو) محمد الدین فوق 1910ء
2۔ گلدستہ کشمیر' (اردو) پنڈت ہرگوپال کول 1883ء
3۔ تاریخ خواجہ اعظمی (فارسی) خواجہ محمد اعظم دیدہ مری ابتداء 1148ھ اختتام 1169ھ' سال طباعت 1303ھ
4۔ تذکرہ راجگان راجور (اردو) مرزا ظفر اللہ خان وزیرآبادی 1907ء
5۔ ترجمہ راج ترنگنی معہ جغرافیہ قدیم ہر دو جلد (اردو) مترجم ٹھاکراچھر چند' 1912ء
6۔ دربار اکبری (اردو) محمد حسین آزاد' 1898۔
7۔ ترجمہ سیر المتاخرین (اردو) مترجم گوکل پرشاد لکھنوی' 1871۔
8۔ اسلامک کلچران کشمیر (انگریزی) صوفی غلام محی الدین' 1925۔
9۔ شارٹ ہسٹری آف کشمیر (انگریزی) گواشہ لعل' 1928۔
10۔ ویلی آف کشمیر (انگریزی) سر والٹر لارنس 1895۔
11۔ تاریخ ہندوستان (اردو) مولوی ذکاء اللہ' 1897۔
12۔ تاریخ جدولی کشمیر (فارسی) محمد سیف الدین کشمیری' 1324۔
13۔ گلزار کشمیر' (فارسی) دیوان کرپارام' 1864۔

فہرست کتب غیر مطبوعہ

1۔ تاریخ بہاؤالدین متو (فارسی) ملا بہاؤالدین متو' 1283۔
2۔ اسرار الابرار (فارسی) بابا داؤد مشکوتی' 1063۔
3۔ بیان واقعہ حالات جامعہ (اردو) مولوی محمد سعادت مفتی' 1349۔

5۔ مختصر التواریخ کشمیر (فارسی) پنڈت بیربر کاہچرو 1907ء بکرمی۔

6۔ تاریخ کشمیر (اردو) خواجہ حسن ملک

7۔ خوارق السالکین (فارسی) اخوند ملا احمد بن عبد الصبور 1109ھ

8۔ احسن التواریخ (فارسی) مولوی عزیز الدین مفتی 1300ھ

9۔ وجیز التواریخ (فارسی) ملّا عبد النبی 1274ھ۔

10۔ فتحیات کبرویہ (فارسی) شیخ عبد الوہاب نوری گنائی' 1153ھ

11۔ معارف الحقانی (فارسی) یعقوب بن عبد العزیز حقانی' 1164ھ۔

12۔ تذکرۃ الصادقین (فارسی) مفتی صدر الدین وفائی' 1204ھ۔

13۔ تاریخ حسن ہر چہار جلد (فارسی) پیر حسن شاہ کھویہامی' 1301ھ

14۔ بیاض (فارسی) مملوکہ محمد اسمٰعیل نامی

15۔ تاریخ کشمیر (فارسی) نرائن کول عاجز' 1122ھ۔

16۔ تاریخ خلیل (فارسی) اخوند ملّا پیر خلیل مرجانپوری۔

17۔ گلشن کشمیر (اردو) مفتی محمد سعادت سری نگر

18۔ تاریخ کشمیر (فارسی) علامہ مولوی ہدایت اللہ۔

☆

AMS
ALI MOHAMMAD & SONS
1, BUDSHAH HOTEL BUILDING, LAL CHOWK
SRINGAR, KASHMIR PHONE : 0194-2475973
Visit us at : www.amsbookskashmir.com

Rs. 200/-
US$12

Printed at : SKE, New Delhi // 011-23250560